مقدماتِ
امیرِ شریعت
رحمۃ اللہ علیہ
سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری
مکتبہ احرار الاسلام ○ ملتان
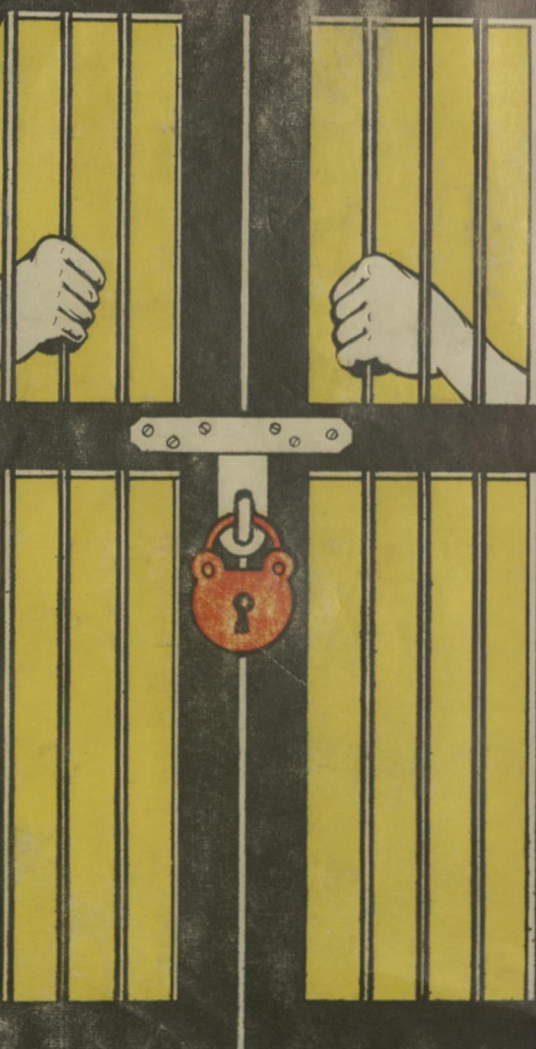
سلسلۂ مطبوعاتِ مکتبۂ أحرارُالاسلام — (۱۶)
جُزءِ أوّل از سوانحِ حیاۃ وسیرۃِ امیرِ شریعۃ

خطیبُ الاُمّۃ سیّدُ الأحرار
حضرۃ مولانا السیّد عطاءُ اللہ شاہ صاحب حسنی قادری بُخاری رحمۃ اللہ علیہ

مُرتّب
ابنِ امیرِ شریعۃ سیّد أبومعاویہ أبوذر بُخاری

ناشر
مکتبۂ أحرارُ الاسلام ملتان

طبع اوّل
صفر المظفر ۱۳۸۹ھ
اپریل ۱۹۶۹ء

کتاب : نقدّماتِ امیرِ شریعت
مرتّب : سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاری
کاتب : حکیم محمد شفیع
مطبع : اشرف پریس، لاہور
طابع : شیخ محمد اشرف
منتظم : ناظم مکتبۂ احرارالاسلام
ناشر : مکتبۂ احرارالاسلام
تعداد : دو ہزار تین سو پچیس نسخہ ۲۳۲۵
ضخامت : ۲۹۸ صفحات
قیمت : چھے روپے =/۶

عنوان

مکتبۂ احرار الاسلام ملتان

کاشانۂ معاویہ • ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ • ملتان شہر

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

باِسمِ اللہِ حُسنُ الاِبتِدآءِ
وَنسألُہُ الرِّضیٰ فِی الاِنتِہآءِ

ذکر اُس پری وش کا!

۱ —— ● مالکِ لوح وقلم، پروردگارِ عالم جلّ جلالہٗ کے لاکھوں لاکھ احسانات ہیں۔ اور اس پر بے حد ونہایۃ شکر۔ کہ انہوں نے بندۂ راقم السطور کو اپنی خاص رحمۃ وعنایۃ کے ساتھ — والد ماجد — حضرۃ امیرِ شریعۃ، خطیبُ الاُمّۃ، سیّدُ الاحرار مولانا الحافظ القاری، سیّد — ابو المعطایا" "شرف الدین — احمد" "عطاء اللہ" — شاہ حسنی قادری بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانحِ زندگی اور سیرۃِ مبارکہ کی جمع وترتیب اور بالاقساط اِشاعۃ کی توفیق نصیب فرمائی — اور یوں تقریباً رُبع دلہ اصدی پرانی دہ صد حسرۃ آمیز اُمنگ اور آرزو قریبِ تکمیل ہوئی۔ لیکن جسے اپنی بڑھتی اور الجھتی ہوئی مصروفیات نیز حضرۃ کے سوانح کی بوقلمونی، عنوانات کی کثرۃ، بنیادی مضامین اور ذیلی معلومات کی وسعۃ اور دوسرے بہت سے داخلی عوارض کے تحت حضرۃ کی زندگی میں شائع کرنے کی سعادۃ حاصل نہ کر سکا۔

حضرۃ کی زندگی سراپا طوفان وانقلاب تھی۔ اعلاءِ کلمۃ الحق، سعیِ استخلاصِ وطن اور غلبۂ اسلام کے لیے عظیم اور سراپا آتش وخطر جد وجہد آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی، آپ کی زندگی گو بظاہر صرف ایک موضوع ہے! لیکن درحقیقۃ ان کی تاریخ ساز شخصیۃ کی بدولت وہ ایک پورے دور اور مکمل عہد کی تہذیبی ومعاشرتی، ادبی وثقافتی اور سیاسی ودینی

تاریخ کا عجیب و غریب دفتر ـــ یعنی سینکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے موضوعات کا دائرۃُ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا ہے ـــ ظاہر ہے کہ موضوع کی عظمت و اہمیت اور وسعت و گیرائی کے سبب اُسے پوری مہارت سے سمیٹنا فن کارانہ دھانت اور علمی و تحقیقی سلیقہ مندی کے ساتھ جامع مانع انداز میں اُسے مرتب اور شائع کرنا ـــ دراصل یہ کام ایک مستقل مجلس تحقیق و تالیف اور اکاڈیمی کا کام ہے ـــ اور اُسی صورت میں موضوع و مضمون کا حق ادا ہونے کی صحیح توقع کی جاسکتی ہے ـــ لیکن خاص بات یہ ہے کہ ـــ اللہ تعالیٰ نے ـــ مجھ ناچیز کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حسب و نسب کا امتیازی تعلق و شرف نصیب فرمایا ہوا ہے۔ اُس کے فطری تقاضے کے مطابق، مخصوصاً آپ کی حیوٰۃ میں مضامین و معلومات کے جمع و ترتیب کا کام شروع کرکے اُن کی ہر ممکن جلدی اشاعت کا عزم و اعلان کردیے جانے کے باعث اہلِ خاندان، اکابر و احبابِ جماعت اور دوسرے ہر طبقہ میں موجود متوسلین و معتقدین امیر شریعت ـــ کی نگاہیں ہمیشہ اور سب سے پہلے مجھ گنہ گار کی طرف ہی اُٹھتی رہیں اور اسی قرب و اختصاص کی وجہ سے تمام شفیق بزرگ اور مخلص ساتھی صرف اظہار خواہش نہیں بلکہ برسوں پہلے سے مسلسل یہ مطالبہ کرتے چلے آرہے تھے کہ میں سب کام چھوڑ کر اس بہت بڑے کام کے لیے اپنا وقت اور عزم و محنت وقف کردوں لیکن بات آخر میں وہیں آکر ختم ہو جاتی ہے کہ جب تک خالق و حکیم مطلق کی مشیت متوجہ ہو کر کسی ارادہ اور عمل کی تکمیل نہیں کرادیتی ـــ ہم اور آپ ہزار دلائل سے کسی وقت کو کسی کام کے لیے بہتر اور موزوں قرار دیں۔ اور لاکھ جتن کرکے اپنے مطلوبہ وقت اور زمانہ میں حسب خواہش اس کی تکمیل کے لیے سردھڑ کی بازی بھی کیوں نہ لگادیں۔ تاہم کروڑوں انسانوں کا ناقابل انکار یومیہ مشاہدہ اور ناقابل تردید ہمہ وقتی تجربہ یہ ہے کہ اُلٹے سیدھے ہوجایئے اُس مقصد و مطلوب کا سررشتہ ہی آپ کے قابو میں نہیں آسکے گا۔ اور جہاں اختیار و اوقات اور ان کے استعمال کے وسائل۔ کے خالق کی عنایت و رحمت دست گیر ہوئی تو بلا توقع بلکہ خلافِ توقع اسباب کار خود بخود مہیا ہونے لگ جاتے ہیں۔ اور مشکل و ناقابلِ عبور مرحلہ آسان، اور ناقابلِ تکمیل مہم انجام پذیر ہوجاتی ہے اور یہ سب کچھ بالکل بلا تکلف اور سراسر بلا اختیار ہوتا ہے، آدمی غلط فہمی اور خود فریبی میں دانستہ مبتلا ہونے کی ہزار کوشش کرے لیکن اُس کا ضمیر و وجدان ـــ تمام شیطانی وساوس اور نفسانی توہمات کے پردے چیر ـــ کر بھی اِس حقیقت کا اعتراف و اعلان کرے گا کہ جو کچھ بھی ہوا سب مالک الملک کے منشا اور انہی کی توفیق سے ہوا میرے عزم و شوق اور ظاہری محنت و عمل کو اس سلسلہ میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ـــ یہ محض ایک وسیلہ تھا اور تمام وسائل بھی حرکت د

داستمال میں ارادہ و مشیتِ خداوندی سے ہی مربوط اور اسی کے محتاج ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ــــ اور بالکل یہی حال دمشاہدہ اور تجربہ خود میرا بھی ہے ــ کہ موضوع میرا اپنا ــ عین مطلوب اور دل پسند، تعلق نہ صرف تعلقِ خاطر بلکہ فطری یعنی حسب و نسب اور خون ــــ کا ناقابلِ شکست ربط و تعلّق ــ پھر مخصوص ماحول و تربیت کے سبب بفضلہٖ تعالیٰ اظہارِ مدّعا کے لیے بقدر ضرورت ــ انشاء و تحریر کی قوت اور ملکہ موجود ــ صاحبِ موضوع کی ذات اور شخصیت ــ میرے ہوش و حواس اور بلوغ اور شعور کی حالت میں سرپرِ سلامت و فیض رساں ــ قلم و قرطاس کا مشغلہ خود اس شخصِ گرامی کی یومیہ گفتگو اور جگ بیتی کی شان رکھنے والی آپ بیتی کا دن رات مسلسل ذکر و بیان، ناقص ہی سہی تاہم خانہ پری کے درجہ میں سوانح و سیرۃ سے متعلقہ زبانی روایات اور مجمل و مختصر تحریری یادداشتوں کا ــ کچھ ذخیرہ بھی موجود ــ پھر ایک بار نہیں بلکہ کئی برسوں پر محیط عرصہ دراز میں کم از کم پانچ چھے دفعہ بہ ظاہر پورے عزم کے ساتھ بنیادی معلومات سمیٹ کر بیٹھا بنامِ خدا قلم اٹھایا۔ اوّل تو قلم چلتا نہیں پھر یک سوئی سے مناسب فائدہ اٹھانے کے لیے دل و دماغ پر زور دے کر اور طبیعت پر جبر کرکے کچھ لکھنا شروع کیا تو حقیقت یہ ہے کہ۔ اوّل تو چند حروف ورنہ حد سے حد چند سطور لکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ ابھی اس فرض کی تکمیل کا وقت ہی نہیں، مسبّب الاسباب کے نزدیک یقیناً کوئی اصل سبب ہی درمیان حائل ہوتا نہیں ہو سکا جس کا مجھے بلکہ کسی کو بھی علم نہیں، نیت پوری، ارادہ مکمّل ــ عزم و شوق تا بہ انتہا، لیکن دل و دماغ کو درستی اور شرحِ صدر حاصل نہیں ہوتا ــ یعنی ــ کشودِ کار کے لیے ابھی اذن و مشیّت نہیں اور وصالِ منزل و مطلب کے لیے عنایتِ خاصّہ کا فتح باب نہیں ہوا ــ !

گدازِ شمع اور سوزِ پروانہ

۲ ــــ ● حضرت والد ماجد سے تقریباً چھے برس پہلے ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء کے اواخر میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک طویل اور ممتد ــ ہونے والے شدید ترین مرض الوفات میں مبتلا ہونے کے وقت اپنے متعلق آغا شورش کاشمیری کی تالیف پر بڑے لطیف پیرایہ میں چناں تبصرہ فرماتے تھے کہ :

> "اس کتاب میں صرف تقصیر میری ہے، بانی آغا شورش خود ہی میں ہیں ہوں کیونکہ میرے خاندانی اور ذاتی حالات اور دوسرے زندگی کے واقعات کو یا میں خود جانتا ہوں اور یا میرے گھر والے اور میرے دوست اور ساتھی، شورش صاحب تو بہت بعد میں آئے

اس بیچارے کو یہ سب کچھ کہاں معلوم، اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ میری زندگی کے واقعات کا سوواں حصہ بھی نہیں یہ تو تب ہو سکتا ہے کہ یا میں خود لکھوں یا کوئی پرانا جاننے والا صاحبِ قلم لکھے جو شروع سے اب تک میرے ساتھ رہا ہو یا حالات کو دیکھتا رہا ہو۔ عام آدمی کے لیے ان چیزوں کا اوّل تو جمع کرنا ہی مشکل ہے لکھنا تو بعد کی بات ہے۔"

گفتگو کا حاصل یہ تھا کہ یہ کتاب بلاشک ایک سوانحی خاکہ اور تبصرہ تو ہو سکتا ہے مجموعۂ سوانح و سیرۃ نہیں ہے۔ حضرۃ کا یہ تبصرہ شورش صاحب کی کتاب کے ضمن میں میرے اور دوسرے خدام کی طرف سے کچھ لکھنے یا لکھوانے کی مسلسل فرمائش اور اس پر اصرار کے سبب صرف ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد مسلسل دو تین برس تک بِلا ترمیم و توقف جاری رہا، اسی عرصہ میں مختلف اکابر و احباب اور مخلص نیازمند دل اور جاں نثار مریدین نے بارہا عرض کیا کہ ــ پچھلی زندگی میں اوّل تو حضرۃ کو خود اس کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔ لیکن وہ وقت ہی گذر چکا۔ پھر حضرۃ کا اوّل تو مزاج ہی تحریری نہیں رہا ــ اور اب عمر بھی تالیف و تصنیف کی طرف توجہ کرنے کی نہیں ــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک و ملّت کے تمام اندرونی و بیرونی دشمنوں سے غیر مختتم جنگ و نبرد آزمائی، مسلسل ریاضۃ و جہاد، ہمہ قسم تکالیف و مصائب کی برداشت نیز ہزاروں صدمات اور آلام و غموم کے تحمل نے سخت فرسودہ دل برداشتہ کر دیا۔ اور آخر میں تحریک مقدس تحفظِ ختمِ نبوۃ کی پاداش میں ــ مسلمان اور اپنا کہلانے والوں کی ناقابلِ تردید قوم دشمنی اور خلاص اسلام کے ساتھ منافقانہ وابستگی اور علانیہ شیطانی بغض و عداوۃ کے سبب ظاہری استہزاء و توہین جسمانی مشقِ ستم اور روحانی اذیۃ کا جو نشانہ بننا پڑا ــ اس کے بعد امراض و تکالیف کے ہجوم سے ــ اللہ کے عطا کیے ہوئے اور اسی کی رضا کے لیے ــ ہر باطل قوۃ سے بے خطر ٹکرا جانے والے تنومند و رعنا جسم میں قانونِ فطرۃ و تکوین کے مطابق اب اتنی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کسی مستقل محنۃ میں مصروف ہو سکتا۔ ہاں ایک اور صرف ایک چیز کے لیے وہ جسم پھر بھی رات کے پچھلے پہر اپنی تمام زدہ ماندگیوں اور ناتوانیوں کے باوجود بیدار اور تا حدِ آخر مستعد تھا۔ کہ عذر شرعی کے تحت وضو نہیں تو تیمم ہی کے سہارے مصلی پر محو راز و نیاز ہو جاتا تھا ــ اپنوں اور بیگانوں میں سے جن جن خوش نصیبوں کو حسنِ اتفاق سے جب کبھی بھی ــ رفاقۃ و مہمانی کا سنہرا موقع ہاتھ

دیا۔ انھوں نے ۔کبھی نہ تھکنے والے ۔تھکے ہوئے کو اس منظر کا مصداق پایا کہ ؎

تلوۂ شب میں پُرسکون سجدے! بندگی کی پکار۔کیا کہنے؛

بہرکیف استدعا حضرت سے یہ کی گئی کہ اب بھی وقت ہے کہ اگر تھوڑی سی زحمت اٹھا کر توجہ فرمائیں۔ اور اہل خانہ یا خدام میں سے کسی شخص کو مامور کر کے معین وقت میں روزانہ اپنے خاندانی اور جماعتی و سیاسی حالات کا خلاصہ ہی لکھوانا شروع کر دیں تو یہ بھی ہزار غنیمت ہوگا کہ چاہے مجمل و مختصر ہی سہی مگر بلا تکلف ایک جامع و مستند اور قابلِ استفادہ مجموعہ۔ سوانح و سیرۃ مرتب ہو جائے گا۔ تو جواب ہر۔ بار یہی تھا کہ :

"بھائی اصل بات یہ ہے کہ میں کوئی مصنف تو ہوں نہیں اور نہ ہی اس کام کا آدمی ہوں، نہ میرا یہ مزاج تھا، ساری عمر کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی"۔

راقم سے مخصوصی خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"اس کا یہ مطلب۔ نہیں کہ میں لکھ نہیں سکتا۔ ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے فقیر کے گھر میں پیدا کیا مگر دل و دماغ شاہانہ بنا دیا، خدا کا فضل ہے زبان میں جانتا ہوں، بُرا بھلا خط اور بیان لکھتا بھی رہا۔ اگر میں اپنے متعلق ہی قلم اٹھا لیتا تو پھر کوئی چھوٹی موٹی کتاب نہ ہوتی بلکہ ایک بڑا دفتر تیار ہو جاتا، کیوں کہ میری زندگی ہی ایسی ہے۔ کوئی زندگی تھی، ایک طوفان تھا۔ کوئی ایک بکھیڑا تو نہیں تھا سانس لینا مشکل تھا۔ انگریز جیسے دشمن سے ٹکر تھی، ہم تو خود موت کو دعوت دیتے تھے۔ تقریر کی، جیل گئے، باہر آئے، پھر تقریر اور پھر جیل۔ اسی چکر میں ختم ہو گئے۔ جوانی آئی تو جیل میں گئے۔ واپس آئے۔ تو بڑھاپا شروع ہو چکا تھا۔ ایسی زندگی میں بتاؤ بھلا پڑھنے لکھنے کا کام خاک ہوتا۔ چالیس برس تک اس ملک کے کونے کونے کی خاک چھانی۔ جو کچھ میں نے کیا اور جو کچھ دیکھا آپ اس کا تصور بھی مشکل ہے، لیکن میں تو سپاہی بن کر ہر مورچے پر سب سے پہلے پہنچتا رہا۔ تھوڑا بہت مسجد اور مدرسہ میں پڑھا تھا۔ اس پر جیل میں جا کر عمل کیا، یہ تو فارغ اور گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا کام ہے کہ کتابیں لکھتے رہو اور چھپاتے رہو۔ اور اپنی نہ طبیعت نہ یہ پیشہ، ہم تو یہ جانتے تھے کہ جو پڑھا اور سیکھا ہے اس پر عمل کریں، ہمیں تو بال بچوں کی خبر نہیں ہوتی تھی۔

کہ اپنے وجود کا بھی کچھ ہوش نہیں تھا، سفر اور سفر اور مسلسل سفر یا پھر جیل، مہینوں گھر اور بچوں کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا، بس ایک دھن تھی، ایک جنون تھا، ایک نشہ تھا کہ اپنے مشن کے لیے جان لڑا دو۔ بس آندھی بن کر اٹھے اور بادل کی طرح برس گئے۔ اس حال میں کتابیں لکھنے کی فرصت کہاں تھی؟"

مزید کئی بار فرمایا اور دل کی بات کہی جو وہی فرما سکتے تھے:

"پھر میری زندگی ہی کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ نہ نبی ہوں نہ ولی، خدا کی مخلوق میں سب سے برا اور عاجز، میرے گناہوں پر مالک نے پردہ ڈال دیا ہے — ورنہ عطاء اللہ جیسے کروڑوں مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے قرآن کی کچھ خدمت مجھ سے لے لی اور اس پر بھی کوئی دعویٰ نہیں۔ استغفر اللہ! پوری زندگی میں سے کیا ہوا اگر کوئی ایک حرف بھی قبول ہو گیا تو نجات ہو جائے گی۔ انشاء اللہ نجات کی امید ضرور رکھتا ہوں، کیوں کہ اتنا مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے سوا کسی خدا کو نہیں مانا، اور میاں (حضور علیہ السلام) کے بعد کسی بدمعاش کو ان کا حریف بنتے دیکھنا میں برداشت نہیں کر سکتا، اور کوئی عمل میرے پلے نہیں بس اسی کے فضل و کرم کے سہارے جی رہا ہوں۔"

ہاں اگر کوئی شخص از خود ہمت کرتا۔ اور تقسیم سے پہلے کا تو قصہ ہی ختم ہوا تقسیم کے بعد کے واقعات اور تقریریں ہی جمع کر لیتا تو بھی بہت کچھ ہو جاتا اور کئی کام کی چیزیں آ جاتیں — پھر وہ داستان ہی ختم ہو گئی نہ وہ کام رہا نہ وہ آدمی رہے ایک طوفان تھا گزر گیا، اور یہ سب چیزیں لکھی کہاں جا سکتی ہیں؟ نہ کوئی بتانے والا ہے نہ لکھنے والا ہے شمار واقعات ہیں، کوئی ایک بات ہو تو آدمی لکھے بھی۔ اور بہت سی چیزیں ناگفتنی — کوئی لکھے تو چھپنا مشکل ہے جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ سب جھوٹ، پریس اور قلم غیر کے قبضہ میں ہے، پریس نے جو سلوک بیس برس سے ہمارے ساتھ کیا کسی دوسرے سے اس کا سواں حصہ بھی ہوتا تو پھر اس کا زندہ رہنا مشکل تھا، اور اب بھی کیا کم ظلم ہو رہا ہے کتنے پتے کی بات آ سکتی ہے ہماری یا یوں کہو کہ جن لوگوں نے وطن کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ تباہ کر لیا۔ صرف ان کی بات نہیں آ سکتی۔ اس حالت میں کوئی کرے تو کیا کرے، رہا میں تو اب

اپنا یہ حال ہے کہ کچھ کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا۔"

مزید عرض کیا گیا کہ ساتھیوں میں قاضی احسان احمد یا مولانا محمد علی یا اور کوئی صاحب یہ کام نہیں کر سکتے؟ (نیز میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ) اور سب کو چھوڑ کر گھر میں جو سب کچھ موجود ہے۔ اللہ کا فضل ہے۔ خود حافظ صاحب یہ کام کیوں نہیں کرتے؟ — اس پر چہرہ کا رنگ ذرہ بدلا اور برسوں تک کبھی نہ کہی ہوئی بات خدا جانے کس رَو میں فرما گئے کہ

"ہاں یہ اگر چاہیں تو ضرور لکھ سکتے ہیں۔ علم بھی ہے، لکھنے پڑھنے کا شوق بھی ہے، لگے رہتے ہیں، کچھ نہ کچھ کیا بھی ہے، رسالہ جاری کیا، اخبار نکالا، میرے کچھ اشعار وغیرہ بھی جمع کر کے شائع کر رہے ہیں، بہت محنت کی ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق کی وجہ سے جو کچھ اور جتنا یہ مجھے جانتے ہیں، دوسرا نہیں جان سکتا۔ اس لیے جو کچھ یہ لکھیں گے۔ بہرحال وہ اوروں سے بہتر ہوگا۔ اب یہ ان کا کام ہے جو سمجھ میں آئے کریں۔" وغیر ذالک۔

مجھ پر فرحت و مسرت اور ایک گونہ حیرت کا عالم طاری ہو گیا کہ کیا فی الواقعہ آج برسوں کی محرومیوں کے سدباب اور مطلوبہ سعادت کا فتح باب ہو رہا ہے۔۔۔؟ چنانچہ محفل برخاست ہونے کے بعد ادائے فرض کی خواہش نے حسب عادت و طبیعت، قوی ارادہ، پختہ عزم اور شوقِ فراواں کی صورت اختیار کی۔ بال و پر سنبھالے، قلمی اور مطبوعہ مواد لے کر پھر لکھنے بیٹھا۔ لیکن تماشا دکھا، مبالغہ اور افسانہ نہیں حقیقت ہے کہ دسیوں بار سعی کی لیکن قدم رُک گئے۔ قلم ہے کہ چلنے سے انکاری ہے اور سب کچھ پاس ہو کر بھی عملی لحاظ سے دامن کیا دل و دماغ خالی محسوس ہونے لگا۔ اس دردناک مگر غیر اختیاری صورت حال پر تنہائی میں بارہا آنسو اُبل اُبل پڑے۔ مگر زندہ اور صاحب موضوع شخصیت کی سوانح کے بجائے خود ان کی کتابِ زندگی کے آخری اوراق بڑی تیزی سے الٹتے دیکھ کر آہ سرد کھینچنے اور کلیجہ خون ہوتے دیکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ہر بار ایسا کیوں ہوتا رہا؟ غالباً بلکہ یقیناً میں یہی کہوں گا کہ عالم الغیب کے نزدیک اس کے لیے اتنے برس بعد کا وقت ہی اصل اور موزوں وقت تھا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جو چیز صرف لکھنے بتلانے اور سُنا دینے کی تو ہے — مگر سمجھانے اور اس کی حقیقت منوا دینے کی نہیں — وہ وجدان نے یوں محسوس کیا کہ گویا حضرت موصوف کی شخصیت کہ تمام عمر ذاتی تشہیر اور نمائش و ریا سے بحمداللہ پاک رہنے کے باوجود چہار دانگ عالم

ہیں جن کا نام گونج رہا ہے، اور وہ اُفقِ شہرۃ و مقبولیت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ ان کے مصروف آخرۃ دل کی قوی توجہ اور زبردست روحانی تصرف غیر مرئی اور غیر محسوس طور پر میرے عزم و شوق اور اس کام کی تکمیل تو کجا اس کے آغاز و ابتدا کے لیے سعی و حرکت کے رستے میں بھی ایک دیوار بنا ہوا ہے۔ باقی جو کچھ فرمایا گیا وہ میرے احساس محرومی و غم اور شکستہ دلی کے جواب میں محض تفریح خاطر اور دل داری کا ایک غیر معمولی مظاہرہ تھا اور کچھ نہیں۔ البتہ برسوں پر محیط میرے پیہم اصرار و فرمائش کے بعد اتنا احسان ضرور فرمایا گیا کہ خاندانی حالات، بزرگوں کا پنجاب سے پٹنہ بہار کے لیے سفر اور وہاں سکونت، اپنی ولادت، ابتدائی تعلیم و تربیت، پنجاب کو واپسی، دینی تعلیم، ذکر و سلوک، وعظ و خطابت، امیرِ شریعت کے خطاب سے سرفرازی، ارشاد و ہدایت اور روحانی تربیت، جنگِ آزادی میں شرکت و قیادت، اسلام اور آزادی کے لیے نامبرے بے مثل ریاضت اور مسلسل جہاد، زندگی کے آخری دور میں ملکی دفاع و استحکام کے لیے پُر خلوص و پُر جوش عملی مظاہرہ، خصوصاً حسنِ خاتمہ کی خدائی ضمانت سے بہرہ ور ہونے کے لیے "ختمِ نبوۃ" کے تحفظ کی عدیم المثال تحریک و جد و جہد برپا کرنے اور دوسرے خالص دینی کارنامے انجام دینے کی تفصیلات لکھوائیں اور اپنی ذات سے متعلق مخصوص احوال کا جامع وقائع اور حرفِ آخر کا درجہ رکھنے والا مستند مغز و خلاصہ املا کرانے کا شرف ضرور بخش دیا گیا۔ یعنی مستقبل کی تاریکی میں کام کرنے والی روشنی کا سامان مہیا ہو گیا، دنیا سے بے رغبتی، ذکر و فکر میں یکسوئی اور مکمل انہماک، ایمانی فراست اور بصیرۃ کے تحت برسوں پہلے تعیین کے پیرایہ میں کی ہوئی ہولناک قومی حوادث کی پیش گوئیوں کے مطابق ——— دین اور اہلِ دین کی بربادی کا کھلا دینے والا احساس و غم اور اوپر سے انتہائی سرعت کے ساتھ مسلسل گرتی ہوئی صحت اور ان احوال کے مطابق الوداعی نصائح کا سلسلہ یہ واضح اشارہ تھا کہ۔ تحریر سوانح کا کام اس صورتِ حال میں کسی طرح شروع بھی نہ ہو سکے گا۔ بلکہ جو کچھ بھی مقدر و مقسوم ہے۔ اس کی تشکیل و نقشہ کشی کے لیے اب آخرۃ کی گھاٹی عبور کرنے سے پہلے کوئی امید اور آس مت لگاؤ۔ چنانچہ بیاں راچہ بیاں؟ کہ وہی کچھ ہوا۔ جو خطرہ تھا حقیقۃ بن کر آج سامنے ہے اور حادثہ ہے جس پر یقین نہیں آتا کہ حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ بقاء کی طرف رخصت ہوئے بھی آج دیکھتی آنکھوں آٹھ برس ——— کا طویل و مدید عرصہ گذر گیا تو جب کہیں جمع و ترتیبِ سوانح کے بعد اس کی اشاعۃ اور وہ بھی بالاقساط اشاعۃ کا کسی قدر اہتمام ہو رہا ہے۔ یعنی ——— عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ ——— میں نے اپنے پالنہار کو ارادوں

کی شکست سے پہنچانا، کا اعلان جو یقیناً کسی عارف اور معترفِ حق کی زبان سے ہوا کرتا ہے۔ ان واقعات و حقائق کے مشاہدہ سے اس کی اٹل اور ناقابل تردید سچائی کا حق الیقین نصیب ہو گیا۔ وللہِ عاقبۃُ الاُمور۔!

قصہ مختصر

۴ ——— ● حضرۃ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد زندگی کے دوران میں حسب ذیل ترتیب کے مطابق قریباً دس سال تک سنّتِ سیدنا یوسف علیہ السلام کی پیروی میں ——— دورِ فرنگی کی ہیبتناک دوزخ تاک اور رجال گداز جیلوں کو اپنے نغماتِ حریّت اور انفاسِ گرم سے آباد و معمور رکھا۔

۱ ——— ● پہلی گرفتاری: زیر دفعہ ۱۲۴-الف (تحریکِ بغاوت) بہ مؤرخہ ۴ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۲۱ء بروز دوشنبہ (پیر) در امرتسر۔ کل مدّتِ سزا تین سال۔ مقامِ سزا: میانوالی جیل۔ ایامِ تخفیفِ سزا: قریباً پانچ مہینے۔ رہائی: (غالباً) ۸ ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء بروز جمعہ۔ بہ سلسلۂ تحریکِ خلافت۔

۲ ——— ● دوسری گرفتاری زیر دفعہ ۱۰۰ ضابطۂ فوجداری (نقضِ امن و آئین شکنی) بہ مؤرخہ: ۲ محرم ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۲۷ء بروز چہارشنبہ (بدھ) بوقت ساڑھے چار بجے (۴½) سہ پہر در لاہور، کل مدّتِ سزا: ایک سال۔ مقامِ سزا: بورسٹل جیل لاہور — اور — گوجرانوالہ (؟) جیل۔ بہ سلسلۂ سدّباب فتنۂ شاتمِ رسول راج پال۔

۳ ——— ● تیسری گرفتاری زیر دفعہ ۱۰۸ الف (   ) بہ مؤرخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ۔ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۳۰ء بروز شنبہ (ہفتہ) در دیناج پور (مشرقی بنگال) یوم سزا: مؤرخہ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ۔ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء یوم دوشنبہ (پیر) کل مدّتِ سزا: چھ ماہ۔ مقامِ سزا: علی پور جیل — اور — ڈمڈم جیل (کلکتہ، مغربی بنگال) یوم رہائی: مؤرخہ ۳ ذوالحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۳۱ء بروز سہ شنبہ (منگل)۔ بہ سلسلۂ تحریکِ حقوق خود اختیاری و آئین آزادی۔

۴ ——— ● چوتھی گرفتاری: زیر دفعہ ۱۲۴-الف (غالباً) دورانِ ماہ   ۱۳۵۰ھ۔ مطابق   ۱۹۳۱ء در دہلی۔ کل مدّتِ سزا: ایک سال۔ مقامِ سزا: دہلی جیل — نیو سنٹرل جیل ملتان۔ ایامِ رہائی: (غالباً)   ۱۳۵۱ھ مطابق   ۱۹۳۲ء (بہ سلسلۂ تحریکِ کشمیر)

۵ — • پانچویں گرفتاری: زیر دفعہ ۱۵۳ (   ) بہ مورخہ   شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق   نومبر ۱۹۳۴ء، یوم
جمعہ، در ڈھرادون، ضلع سہارنپور، یو۔پی، انڈیا۔ عمانہ"۔ بہ مورخہ   شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق   نومبر
۱۹۳۴ء، بعد از نصفِ شب در ڈھرادون۔ مدۃِ حراست قریباً بارہ گھنٹے۔ کارروائی مقدمہ قریباً سوا چھے مہینے
کل مدۃِ سزا: چھے ماہ، اپیل در سیشن کورٹ گورداسپور، مدۃِ آخری سزا: پندرہ منٹ۔ تا برخاستِ عدالت،
رہائی: بہ مورخہ ۴ ربیع الاوّل ۱۳۵۴ھ مطابق ۶ جون ۱۹۳۵ء، بروز پنج شنبہ (جمعرات) در بہ سلسلہ —
تحریکِ استیصالِ مرزائیت بربنائے تقریر احرار کانفرنس قادیان"۔

۶ — • چھٹی گرفتاری بہ وجہ خلاف ورزی دفعہ ۱۴۴، عائد شدہ بر داخلہ قادیان"۔ بہ مورخہ ۲ رمضان المبارک
۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء، بروز جمعۃ المبارک، در حدودِ قادیان، کل مدۃِ سزا: چھے ماہ، مقام سزا:
"گورداسپور جیل" اور "نیو سنٹرل جیل ملتان"۔ ایامِ رہائی: (غالباً) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ
مطابق ۔ ۷ جون ۱۹۳۶ء، بروز شنبہ (ہفتہ)۔ بہ سلسلۂ ادائے نماز جمعہ در سرزمین قادیان ۔!

۷ — • ساتویں گرفتاری: زیر دفعہ ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۵۳، ۳۰۲ وغیرہ، بہ مورخہ ۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق
۸ ستمبر ۱۹۳۹ء بروز جمعہ۔ لاری پر دورانِ سفر بر شاہراہ قصبہ "شہر سلطان" ضلع مظفر گڑھ بہ ترفع ویسی بربنائے تقریر
راول پنڈی، کارروائی مقدمہ ۴۲ ایام زیر دفعہ ۱۲۱ / ۱۲۴، ۱۵۳ سیشن سپردگی بہ مورخہ ۲۸ شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق
۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء بروز جمعہ

۸ — • آٹھویں گرفتاری: بربنائے تقریر لالہ موسیٰ ضلع گجرات بہ مورخہ ۱۰ جمادی الاُخریٰ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۹ء
بروز سہ شنبہ (منگل) زیر دفعہ ۱۱۷ / ۱۲۴، ۱۵۳ / ۳۰۲ دوسرے وارنٹ کی تعمیل اور دوسرے مقدمہ کا آغاز، پہلے مقدمہ
کی کارروائی کی کل مدۃ تین ماہ اٹھارہ دن از ۷ ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء، یوم دوشنبہ
(پیر) ۔ تا ۔ ۲۶ صفر ۱۳۵۹ھ۔ مطابق ۵ اپریل ۱۹۴۰ء، بروز جمعہ۔ کل مدۃ سزا بہ شکل حوالات: ایک سال
سات مہینے چار دن۔ مقام سزا: راول پنڈی جیل"۔ "گجرات جیل" اور "سنٹرل جیل لاہور"
عملی نتیجہ باعزت بریت در رہائی۔ سیشن کورٹ والے دوسرے مقدمہ کی کارروائی کی کل مدۃ آٹھ مہینے دو دن۔
عملی نتیجہ باعزت بریت در رہائی۔ بہ مورخہ ۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۷ جون ۱۹۴۰ء بروز جمعہ ربہ

سلسلۂ تحریک حصول کامل آزادی دفوجی بھرتی بائیکاٹ)

۹ ـــــ نویں گرفتاری: بہ مورخہ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۲ھ۔ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء بروز جمعہ۔ در دفتر مجلس احرار اسلام کراچی۔ بعد از نصف شب۔ با کل مدۃ سزا بہ طور نظر بندی: ایک سال ساڑھے آٹھ مہینے۔ مقام سزا: کراچی جیل جدید آباد جیل "سکھر جیل" اور "سنٹرل جیل لاہور"۔ ہائی کورٹ میں اپیل اور رٹ۔ رسماً جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے پہلی پیشی پر رہائی۔ بہ مورخہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ۔ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء۔ بروز دوشنبہ (پیر) بسلسلۂ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوۃ۔ مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دینے، سر ظفراللہ کادیانی کو وزارۂ خارجہ اور تمام مرزائی افسروں کو کلیدی عہدوں سے برطرف کرنے کے مطالبات کی خاطر کراچی کے جلسۂ عام میں پُرامن احتجاج اور آئینی راست اقدام کا اعلان کرنے پر

۱۰ ـــــ دسویں گرفتاری بصورۃ حکم پابندی، کل مدۃ۔ ملتان شہر میں چھ ماہ کی نظر بندی۔

۱۱ ـــــ گیارھویں گرفتاری: بہ مورخہ ۲ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ۔ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء۔ بروز شنبہ (ہفتہ) در ملتان۔ قریب انطار۔ تھانہ۔ مدۃ حراست قریباً پونے چار (۳ ۳/۴) گھنٹے۔ کارروائی مقدمہ کی مدۃ قریباً پانچ ماہ جس بوجہ تبلیغی تذکرہ و تقریر ختم نبوۃ کانفرنس کھانیوال۔ نتیجہ حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا اور سارے خود باعزۃ بری و رہائی ہو گئی

کُل گرفتاریاں: گیارہ (۱۱)	کُل مدۃ قید و نظر بندی	نو سال (مکمل) پونے تین مہینے چار دن، پونے سولہ (۱۵ ۳/۴) گھنٹے (تخمیناً)

التماس

۴ ـــــ اس وقت چند اوراق کا یہ حقیر سا مجموعہ جو قارئین خصوصاً برصغیر ہند و پاک میں پھیلے ہوئے لاکھوں متوسلین حضرۃ امیر شریعۃ رحمۃ اللہ علیہ۔ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرۃ مرحوم کی تند و تلخ داستان اسیری میں سے صرف چار اہم ترین مقدمات کی مستند اور قدرے مفصل روداد کا آئینہ ہے بقیہ مقدمات اور اُن سے متعلقہ دستاویزی مواد کی تلاش و ترتیب جاری ہے۔ اور زندگی بہ خیر انشاء اللہ تعالیٰ امید قوی ہے کہ اس مجموعہ کی متعدد نئی اشاعتوں میں وقتاً فوقتاً مزید دستیاب ہونے والے مواد کے مختلف اجزاء کو ان کے تاریخی محل و مقام پر شامل کر کے حضرۃ کی سیرۃ مبارکہ کے اس انقلابی باب کی تکمیل کا

سر و سامان مہیا کیا جا تا رہیگا۔ بنا بریں اب اصل دقت یہ ہے کہ وہ متعارف یا غیر متعارف اصحاب جن کے پاس حضرۃ کی قید و بند کی تفصیلات کے متعلق قدیم و جدید اخبارات و رسائل مثلاً "زمیندار" "احسان" "انقلاب" "زمزم" "مجاہد" "احرار" "فضل" "آزاد" اور "نوائے پاکستان" وغیرہ نیز ٹریکٹوں اور پمفلٹوں کی شکل میں جو کچھ بھی بقیۃ ذخیرہ موجود ہے۔ وہ راقم السطور کو یا تو از راہِ کرم عنایۃ فرمادیں ——— یا محض عبارات اور کارروائیاں نقل کرنے کے لیے مستعار دے کر شکر گزاری کا موقع بخشیں تاکہ برسوں پرانی آرزوؤں کی تکمیل کا وقت نصیب ہونے کی خوشی میں اس دینی، قومی، ملکی، تاریخی اور سیاسی — "أمانۃ" — کو اُس کے اصل وارث اور متعلقین کے سپرد کر کے اس کے صحیح موقع و محل اور حقیقی مصرف میں استعمال کی جائز اور مستحسن صورۃ پیدا کی جاسکے — میں اپنے کرم فرماؤں کے جواب باصواب کا منتظر رہوں گا۔ امید ہے کہ مخلصین امیر شریعۃ رحمۃ اللہ علیہ حضرۃ کی سیرۃ و سوانح کی تکمیل نیز اس کی بہتر اور فوری اشاعۃ کے سلسلہ میں :: اس مجموعہ مقدمات سمیت دوسرے مہیا کردہ اشاعۃ ذخیرہ کا شایانِ شان استقبال کر کے اپنے خلوص و حسنِ عقیدۃ کا بھرپور مظاہرہ کریں گے۔ واللہ عندہٗ اجرٌ عظیم۔!

انتباہ

۵ ——— ● اس سے پہلے تین[۳] برس کے عرصہ میں تین چار دفعہ ذرہ محدود انداز میں اور پچھلے سال عید الاضحیٰ کے موقع پر خصوصاً ہفت روزہ ـ "چٹان" ـ کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر اشاعۃ کی صورۃ میں باضابطہ قانونی انتباہ اور نوٹس جاری کیا جاچکا ہے کہ حضرۃ امیر شریعۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ـ اہل خاندان کے علاوہ کسی شخص یا ادارہ کو حضرۃ کے مقدمات، مکتوبات، خطبات، تقاریر اور بیانات وغیرہ کی مکمل یا جزئی طور پر یا تحریف و مسخ کر کے کسی بھی طرح سے ان کی اشاعۃ کا حق حاصل نہیں جس سے رسمی طور پر امید ہوگئی تھی۔ کہ کوئی صاحب اس خیانۃ کے ارتکاب کا شوق نہیں فرمائیں گے۔ لیکن اس دورِ سیاہ کے خصوصیات میں ابتلاء کا سلسلہ سخت اذیۃ ناک اور بہت مسلسل و صبر آزما ہے۔ چنانچہ ـ تازہ اور معتمد اطلاعات کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ دو تین آدمی نہایۃ خیرہ چشمی اور زبردہ دلیری کے ساتھ ـ حضرۃ امیر شریعۃ رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی متعلقین کا جامہ فریب پہن کر حق تلفی اور حرام خوری کے اس مکروہ کاروبار کو مختلف حیلوں کے ساتھ جاری رکھنے میں مشغول ہیں اور وابستگانِ امیر شریعۃ اہل محبۃ حال سے بے خبر مخلص مریدین اور اہل عقیدۃ کے پاس مختلف ذرائع سے رسائی حاصل کر کے ان حضرۃ سے

متعلقہ امور میں اپنے آپ کو فرضی وارث و جانشین اور آپ سے متعلقہ لٹریچر کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کے خاندان اور جماعت کے فرضی وکیل اور نمائندہ بن بن کر حضرت کے خطبات و خطوط اور مقدمات و بیانات وغیرہ پر مشتمل اخبارات و رسائل حاصل کر کے حضرت کی سیرت و سوانحِ زندگی کے ضمن میں اُن کی سراسر ناجائز اور قابل مؤاخذہ اشاعت کے لیے پر تول رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض افراد نے حضرت کے نام پر فرضی ادارے قائم کرنے کی جزئی تشہیر کر کے متعلقین حضرت سے استحصال زر کے لیے چور دروازے اور پناہ گاہیں طیار کرنے کے خطرناک منصوبہ پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ ایسے گنے چنے اور ناقابلِ ذکر اشخاص ہمارے علم میں ہیں۔ اور ہم لے برسوں پہلے ضابطہ کی ابتدائی کارروائی پوری کر کے ان پر عند اللہ و عند الناس اتمام حجت بھی کر دیا ہوا ہے ۔۔۔ اس لیے اُن کے تازہ سراسر ناقابلِ قبول اور قطعی ناقابلِ برداشت غیر قانونی اقدامات کا دندان شکن جواب دینا اور آخری حد تک اُن کا قانونی تعاقب کرنا اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ بنا بریں اِن سطور کے ذریعہ مذکورہ قسم کے ظالم اور خیرہ چشم افراد کو آخری بار مطلع اور متنبہ کیا جاتا ہے۔ کہ چونکہ راقم الحروف نے اپنے حقوق کی بنا پر ذمہ داری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و سوانح کی بالاقساط اشاعت کا آغاز کیا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کے سوانح کی پہلی قسط اور پہلی جلد کے طور پر سب سے پہلے "مقدماتِ امیر شریعت" کا مجموعہ صرف کثیر کے بعد شائع بھی ہو گیا ہے۔ اس لیے ان میں سے جس جس شخص نے بھی اپنی کسی کتاب اور رسالہ کے پردہ میں حضرت امیر شریعت کے مکمل یا ناقص مقدمات، خطبات، خطوط اور بیانات وغیرہ کی اشاعت کا انتظام کر رکھا ہے، وہ اس سے باز رہے ۔۔۔ کیوں کہ حضرت سے متعلقہ لٹریچر کے واحد اشاعت کنندہ ادارہ ۔۔۔ "مکتبۂ احرار الاسلام، ملتان" ۔۔۔ کی طرف سے شائع کردہ یا زیر طبع اور زیر تحریر کسی بھی مضمون، کتاب اور رسالہ۔ کو کسی بھی متوازی شخص یا ادارہ کا شائع کرنا۔ حضرت کے متعلقین اور اُن کے ادارہ کے حقوق پر غاصبانہ دست درازی اور زبردست جسارت کا ارتکاب ہے۔ جس کی انہیں ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور معاملہ باتوں سے بڑھ کر اب زبردست مالی و اقتصادی اور اخلاقی نقصان پہنچانے کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ جسے اب کسی صورت بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس اعلان اور تنبیہ کے بعد بھی حضرت امیر شریعت سے متعلق مذکورہ مضامین میں سے کوئی چیز اُن لوگوں نے کُلاً یا جزاً شائع کرنے

سے اجتناب یا احتراز نہ کیا تو انہیں معلوم رہے کہ انہیں باقاعدہ نوٹس کے بعد قانونی چارہ جوئی اور عدالتی کارروائی کے ذریعہ راہ راست پر لانے کا انتظام کیا جا رہا ہے جس کے بعد نتائج کی تمام تر ذمہ داری صرف اور صرف دروغ گوئی، حیلہ بازی، دھاندلی اور غصب و خیانت کے ایسے خوگر افراد پر عاید ہو گی۔ راقم اور دیگر اہل خاندان اور متعلقین جماعت اس سلسلہ میں ہر قسم کے الزام سے قطعاً بری الذمہ ہوں گے۔ والسلام

راقم السطور :

فقیر ابن امیر شریعت سید ابو معاویہ - ابوذر بخاری

مدیر مکتبہ احرار الاسلام ملتان - و خادم و ناظم

اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان، نزیل دفتر مرکزیہ، لاہور

ظہر سہ شنبہ { ۱۳۸۹/۲/۴ھ
۱۹۶۹/۴/۲۲ء }

—•—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ اُولیٰ

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری

۱ ـــــ اشاعت دیروزہ میں سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی گرفتاری کی اطلاع جو بذریعہ مجلس خلافت پنجاب موصول ہوئی شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد یہ سنا گیا ہے کہ سیّد صاحب کی گرفتاری قانون مجالس باغیانہ کے تحت عمل میں آئی ہے آپ پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس گرفتاری سے پیشتر آپ نے مسجد میں وعظ کیا تھا جس میں غازی طلعت پاشا مرحوم کی وفات پر اظہار افسوس کے بعد دعا مانگی گئی۔ یہی مسجد کا وعظ اس گرفتاری کا سبب قرار دیا گیا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مذہبی آزادی کہاں تک قائم ہے۔ مسلمانوں کی شریعت اور ان کی سیاست دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ مسجدیں عبادت اور مذہبی جلسوں کے لیے مخصوص مقام ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں سیاسی مسائل بھی بکثرت موجود ہیں۔ پس "قانون مجالس باغیانہ" کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں بھی دین و مذہب کی باتیں آزادانہ نہ کر سکیں۔ چونکہ سیّد صاحب پر مقدمہ چلانے کی خبر ہے لہٰذا ہم ابھی کچھ کہنے سے پیشتر مقدمہ کا انتظار کرتے ہیں۔

روزنامہ "زمیندار" لاہور جلد ۸ شمارہ ۴۷

یوم شنبہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۲۱ء

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی گرفتاری

۲ ——— کل بعد دوپہر یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ایک خادم خلافت کی آزمائش کا وقت آپہنچا یعنی حکام امرت سر نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو گرفتار کرلیا۔ اس خبر کو سن کر مجلس خلافت پنجاب کی طرف سے میاں محمد شریف صاحب امرتسر تشریف لے گئے اس وقت مجلس خلافت امرتسر کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مجلس خلافت امرتسر نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی خدمت میں ان کی خدمت اسلام پر مبارکباد پیش کی اور یہ قرار دیا کہ مجلس خلافت امرتسر کی طرف سے مولانا کے اعزا و اقارب کی امداد کی جائے۔ میاں محمد شریف صاحب نے تمام حالات دریافت کیے معلوم ہوا کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی گرفتاری رات کے دو اور تین بجے کے درمیان نہایت اہتمام سے عمل میں آئی۔ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہر طرف پولیس متعین کی گئی۔ سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ کسی گاڑی، موٹر، پیدل، سوار کو گزرنے نہ دیں اور ہر ایک گاڑی اور موٹر کی تلاشی لیں۔ جب یہ اہتمام ہو چکا تو جناب مولانا کے مکان کا محاصرہ کرلیا گیا اور آپ کو باہر بلا کر کہا گیا کہ آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب راضی برضائے قادر حقیقی ان کے ہمراہ ہولیے آپ کو اس اہتمام و انتظام کی خبر ملی تو آپ خوب ہنسے آپ نے فرمایا اگر ٹیلیفون کے ذریعے بلا کر گرفتار کرلیتے تو بہت سے ہندوستانیوں کو جو آج کل امرت سر پولیس میں ملازم ہیں کئی گھنٹے تکلیف نہ اٹھانی پڑتی اور حکام کو بھی اس قدر تشویش سے نجات مل جاتی۔

میاں محمد شریف صاحب مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کوتوالی کی حوالات میں دنیا اور دنیا والوں کی نظروں میں قید لیکن حقیقت میں آزاد بیٹھے تھے میاں محمد شریف صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ اس گرفتاری کی وجہ بھی معلوم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

"تاحال کوئی وجہ معلوم نہیں ڈپٹی کمشنر کے حکم کی تعمیل ہے اور بس"۔ مولانا بفضل خدا ہمیشہ

بشاش رہتے ہیں۔ آزاد دل رکھتے ہیں۔ اس گرفتاری سے آپ کو تشویش تک نہیں آپ ہمیشہ کی طرح خوش ہیں۔ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ مولانا گجرات سے امرتسر محض اس لیے تشریف لائے تھے کہ اپنی ہمشیرہ کی شادی میں شریک ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے فرائض بھی بجا لائیں۔

(مجلس خلافت پنجاب)

روزنامہ زمیندار لاہور جلد ۸ شمارہ ۵۵، یوم یک شنبہ ۱۹ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء

اہل لائل پور کا ایک عام جلسہ

سید عطاء اللہ شاہ کی گرفتاری —— (خاص تار بنام زمیندار)

لائل پور ۲۰ مارچ :۔ خلافت کی سرپرستی میں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کا ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل قرارداد پیش کی گئی۔

"جلسہ ہذا سید عطاء اللہ شاہ کی گرفتاری پر اپنے رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ شاہ صاحب موصوف ایک خالص مذہبی واعظ تھے اُن کی گرفتاری سے مسلمانوں کے مذہبی امور میں ایک صریح مداخلت ہوتی ہے۔"

یہ جلسہ جہاں مولانا صاحب کو مبارکباد دیتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

ذیل کی قرارداد بذریعہ تار سیٹھ چھوٹانی کی خدمت میں روانہ کی گئی ہے۔

"مسلمانان لائل پور غازی طلعت پاشا کی شہادت پر سخت رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو مغفرت فرمائے اور مسلمان مرحوم کی اعلیٰ مثال کی پیروی کریں۔ جنازہ غائب کی نماز بھی جمعہ کے بعد ادا کی گئی تھی۔"

(خلافت کمیٹی لائل پور)

روزنامہ زمیندار۔ لاہور جلد ۸ شمارہ ۸۲، یوم سہ شنبہ ۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ
مطابق یکم اپریل ۱۹۲۱ء

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا پیغام

مشائخ عظام و علمائے کرام پنجاب کے نام

مولانا عبدالقادر صاحب قبلہ صدر مجلس خلافت پنجاب کی علالت، محترم آغا صفدر خاں صاحب معتمد کی جامعہ اسلامیہ علی گڈھ کے انتظامات میں مصروفیت، جناب ملک لعل خاں صاحب کی بیگم صاحبہ محترمہ کی علالت اور ان کے گوجرانوالہ تشریف لے جانے کی وجہ سے مجھے امرتسر رہنا پڑا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب تک پیغام مبارک باد پہنچانا میرا فرض تھا چنانچہ میں احباب گجرات کی معیت میں امرتسر پہنچا۔ امرتسر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات۔ سیالکوٹ۔ جالندھر۔ گورداسپور۔ لاہور اور کئی اور اضلاع کے دیہات کے مخلص مسلمان جناب مولانا کے کلمات فیض آثار سننے کے لیے امرتسر آپہنچے ہیں۔ صبح کے وقت امرتسر میں ایک عجیب عالم تھا۔ کچہری کے احاطہ میں جم غفیر جمع تھا۔ سردار امر سنگھ صاحب کے مقدمہ کی سماعت کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں سکھ سور ما موجود تھے اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلمان جناب مولانا کی زیارت کے لیے تشریف لائے تھے۔

جیل خانہ کے سامنے بہت فاصلے پر کھیتوں میں سینکڑوں با اخلاص مسلمان جناب مولانا کے منتظر کھڑے تھے۔ نصف گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم چند احباب مولانا سے شرف ملاقات حاصل کرسکتے ہیں۔

جناب مولانا ہمیشہ کی طرح بشاش تھے

جب ہم پہنچے تو جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب برآمدہ میں بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے۔ چہرہ پہ وہی سرخی وہی تبسم وہی ہنس ہنس کر باتیں کرنا اور نہایت خوش اور بشاش تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں

پیغام مبارکباد پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "الحمد للہ کہ آج عطاء اللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ پیغام مبارکباد پہنچا" اور اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ "اس جادۂ عمل پر چلنے کے لیے بفضل خدا کئی احباب کو تیار کیا اور کئی بزرگ مجھ سے گوئے سبقت لے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہوا مسجد میں وعظ کرنے کے جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اسے سزا ضرور دی جاتی ہے۔ میں اس کے لیے ہمیشہ تیار رہا ہوں۔"

میں ترکِ موالات کا حامی ہوں۔

"میں تو یہی وعظ کر رہا تھا۔ یہی اعلان کر رہا تھا کہ ہاتھ نہ ہلانا کسی قسم کا جبر و تشدد نہ کرنا۔ مکھیوں سے شہد لینا ہے۔ تو نہایت آرام سے حاصل کرو۔ اگر چھیڑ بیٹھو گے تو شہد بھی جاتا رہے گا اور منہ سر بھی سوج جائیں گے اور فراعنۂ مصر کا قصہ سُنا رہا تھا۔ میں تو بالعموم یہی کہا کرتا ہوں کہ ہر متکبر شخص فرعون ہے اور ہر ایک نیک شخص جو ان تکبر کو متکبر کے دماغ سے نکالے حضرت موسیٰؑ کی تقلید کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نہایت امن سے، نہایت آرام سے احکامِ الٰہی پر کاربند ہو جانا چاہیئے۔" مولانا نے فرمایا کہ "بھائی یہ وعظ تو حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد میرے محترم بزرگ نے بھی کیا تھا مجھ سے پہلے کئی اور حضرات لاہور اور امرتسر میں وعظ فرما چکے ہیں اور قرآن مجید کی آیات پاک کے مطالب و معارف سمجھا چکے ہیں لیکن مجھے تو اس لیے گرفتار کیا گیا کہ میاں عزیز دین[1] کو مجھ سے کاوش تھی۔ میں خدا کے سوا کسی کا سلامی نہیں ایک مرتبہ میں اُن سے چندہ مانگنے گیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ "تجھ پر لعنت" اُس روز کے بعد میں نے تو کبھی میاں عزیز دین کوتوال کے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ یہ بزرگوار میرے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ کھیلے ہیں ان کے ساتھ ہی انہوں نے تعلیم پائی ہے انہیں یہ ناز ہے کہ میرے خاندان سے ان کے مراسم ہیں اور مجھے یہ فخر ہے کہ میں ایک مسلمان کے ہاتھوں اور ایسے مسلمان کے ہاتھوں جو میرے عزیزوں کے عزیز رہ چکے ہیں۔ اعلائے کلمۃ الحق سے روکا گیا۔"

میں خوش ہوں مجھے آرام مل گیا۔

"بھائی تمہیں معلوم ہے کہ سال دو سال سے متواتر مسلسل کام کرتا پھرتا تھا مجھے چین نہیں آتا تھا

---

[1] امرتسر کا ایک بدنام اور ظالم کوتوال۔ ۱۲

اور یہ اضطراب اور یہ تڑپ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ مجھے مطالعہ کی فرصت نہ تھی۔ اب مجھے مطالعہ کے لیے موقعہ مل سکے گا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید میں سے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس قدر آیات پاک مل سکیں مطالعہ کرنا شروع کر دی ہیں۔ انشاء اللہ جب جیل خانہ سے باہر آؤں گا تو ان آیات پاک کے مطالب و معارف بتا سکوں گا۔ اس وقت میرا وزن ایک من پینتیس سیر ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح پھولتا ہوں۔"

مشائخ عظام اور علمائے کرام کی خدمت میں پیغام

"یہ ایک پیغام ہے جو آپ کے سپرد کرتا ہوں کہ آپ مشائخ عظام اور علمائے کرام تک پہنچا دیں۔ میری طرف سے عرض کر دیں کہ حضرات! میں ناچیز مبلغ خاک پائے علماء کرام اپنا فرض ادا کر چکا اور شکر ہے کہ ایسے موقعہ پر جیل خانے جانے لگا ہوں جب بھائی مولانا فاخر[1] جیل خانہ سے باہر آکر اشاعت و تبلیغ کے اہم فرائض انجام دیں گے۔ لیکن حضرات علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو قرآن پاک کے مطالب و معانی سمجھائیں طوطے کی طرح نہ پڑھائیں بلکہ اس طرح ذہن نشین کرا دیں کہ اس شیریں زبان عربی کا مکمل مفہوم اپنی زبان میں سمجھ سکیں اور احکام الٰہی پر کاربند ہو سکیں۔

مشائخ عظام کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اب وقت کی اہمیت دیکھیں۔ ہمسایہ اقوام اپنے اپنے مذاہب کے لیے کیا کچھ کر رہی ہیں۔ ہمارے بھائی اپنے مذاہب پر عمل پیرا ہو کر روحانیت میں گوئے سبقت لے جا رہے ہیں، ان کے ہاتھ بندھ گئے انہوں نے جبر و تشدد و تکبر و نخوت کو دل سے نکال دیا ہے اور کامیاب ہونے والے ہیں لیکن مسلمان نام کے مسلمان ہیں۔ انہیں قرآن شریف اور مذہبی احکام سے واقف و آگاہ کرنا مشائخ عظام اور علمائے کرام کا فرض ہے۔ آپ حضرات خدارا اپنا فرض پہچانیں اور میدان عمل میں اتریں۔ اگر قرآن شریف کی تلاوت یا اعلاء کلمۃ الحق کے لیے آپ جیل خانہ بھیج دیئے جائیں گے تو سنت سجاد کی ادائیگی کر سکیں گے۔"

جیل خانہ میں کوئی تکلیف نہیں۔

"جیل خانہ میں خلوت ہے مطالعہ کے لیے فرصت ہے اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اکثر

---

[1] مشہور عالم و مبلغ مولانا سید فاخر الہ آبادی مرحوم ۱۲

ملازمان اور جیل میں مذہب کا اثر موجود ہے۔ اگرچہ کامل احساس ابھی تک نہیں ہے مجھے اب تک کسی قسم کی تکلیف پیش نہیں آئی۔ میں ملازمان پولیس اور حکام جیل کی تعریف کروں گا کہ انہوں نے میرے دستور۔ استنجے۔ میری نماز کے لیے تمام سہولت بہم پہنچائی ہے۔ میں یہاں بہت خوش ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہِ اسلام پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ بھائی! عطاء اللہ کی ہستی ہی کیا ہے تحفظ اسلام اور بقائے خلافت مقدسہ کے لیے ایک عطاء اللہ کیا سینکڑوں عطاء اللہ نثار کر ڈالوں۔"

مُسلمانوں کو پیغام

"میں مسلمانان پنجاب تک یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ کہ ابھی پنجاب کے مسلمانوں میں نماز روزہ کی پابندی اور شریعتِ حقّہ پر چلنے کی ترویج نہیں ہوئی۔ مُسلمانان پنجاب محض نام کے مسلمان ہیں ہمارے صوبہ میں علمائے دین کی کمی نہیں مبلّغ بھی مل جائیں گے۔ لیکن ایک بات ہے وہ یہ ہے کہ میدانِ عمل میں اترنے سے کتراتے ہیں اور یہی مسلمان کے امتحان کا موقعہ ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ مذہب کی پابندی کریں۔ اور خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کریں۔ اس معبود حقیقی کے سوائے کسی سے نہ ڈریں۔ آپس میں محبّت و پیار بڑھائیں اور پُرامن ترکِ مُوالات پر عامل ہوں۔ دوسرے ملکوں کے لباس پہننے سے کیا فائدہ۔ غیر ممالک کی اشیاء خریدنے سے کیا حاصل۔ ہندو اور سکھ بھائیوں کا ساتھ دو اور نہایت خاموشی سے نہایت امن سے مذہب اور ملک کی بہبودی کے لیے کوشاں رہو۔"

مُسلمانانِ گجرات کو پیغام

"گجرات کے مُسلمانوں کو ایک پیغام خصوصی پہنچانا ہے ان سے کہہ دینا کہ آزاد اسکول کو میرے واپس آنے تک تیار کر دیں اور اُسی جوش اور خلوص محبت و موانست سے کام کریں اب آزاد مدرسہ اللہ تعالیٰ کے بعد ان کے حوالے ہے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی جاری رہے۔ مولوی مدنی صاحب کو سکول میں ہی رکھا جائے انہیں تبلیغ و اشاعت کے اہم فرض پر متعین نہ کیا جائے۔ وہ اسکول ہی میں بہت مفید ثابت ہوں گے۔ میرے

ایک دوست کرسی نشین ہیں ان سے کہنا کہ "اب وہ قوم کی کرسی سنبھالیں اسکول کو چلائیں اور کرسی نشینی ترک کر دیں۔"

مولانا عبدالقادر صاحب قبلہ آغا محمد صفدر خان صاحب سے شاید ملاقات کا موقع مل سکے ان کی خدمت میں السلام علیکم کہنا اور تمام مسلمانوں تک میرا پیغام پہنچا کر سب سے کہہ دینا کہ وہ شریعت حقہ پر عمل کریں۔ مجھے تو یقین تھا کہ تم ضرور پہنچو گے۔ اس لیے میں تمہارا منتظر تھا شکر ہے کہ میں اپنا پیغام پہنچا سکا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا ایمان قوی ہے۔ کوئی دنیاوی طاقت میرے معبود حقیقی کے سوائے کسی کی طاقت میرے ایمان پر انشاءاللہ غلبہ نہیں پا سکتی۔"

میں ترکِ موالات کا حامی ہوں۔

"میں نہ مقدمہ کی پیروی کرنا چاہتا ہوں نہ جرح کروں گا نہ کوئی جواب دوں گا بلکہ میں نے تو ناگ پور کانفرنس میں کہا تھا کہ کچہری میں جا کر منہ پھیر کر کھڑا ہو جانا ہی اچھا ہے انشاءاللہ اب دکھا دوں گا کہ کیا لطف رہتے ہیں۔"

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب شاداں فرحاں ہنستے ہنساتے حسب معمول کھانا کھاتے رہے ہم سب احباب آپ سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔

میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اُمید ہے کہ مسلمانان پنجاب بالعموم مشائخ عظام، علمائے کرام، مجالس خلافت پنجاب کے ارکان اور مسلمانان گجرات جناب مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے پیغام پر عمل پیرا ہو کر ان کے الفاظ کی قدر کریں گے اور داخل برکات ہوں گے۔

خادم :-

شفاعت اللہ خان

(رکن پنجاب خلافت کمیٹی)

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری

امرتسر میں خلوص اسلامی کے مناظر

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مبلّغ اسلام مُنّا دکلمۂ حق ہیں۔ آپ انجمن علمائے گجرات کی طرف سے پنجاب کے طول و عرض میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے اہم فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ گذشتہ دو ایک سال میں جو خدمات اسلامی انجام دی ہیں اور جو پُر تاثیر مواعظ فرمائے ہیں ان کا اثر ہے کہ حکام امرت سر کے جبر و تشدد کی اطلاع پہنچتے ہی اور یہ خبر سنتے ہی کہ مولانا موصوف کو جمعۃ المبارک کے فریضہ کے بعد مسجد میں وعظ کرنے کی وجہ سے حکام نے گرفتار کر لیا ہے۔ راولپنڈی، جہلم، سیالکوٹ، جالندھر، لاہور، گورداسپور اور دیگر اضلاع کے باشندے دیہات سے روانہ ہو کر امرت سر پہنچے اور اس اسلامی خلوص و ارادت کے مناظر پیش کر رہے تھے جو سچے معتقدانِ اسلام اپنے مبلّغ اسلام کے لیے ظاہر کیا کرتے تھے۔

امرتسر کی حالت

امرت سر میں یہ افواہ عام طور پر گرم ہے کہ پولیس والے اپنی سی کر رہے ہیں اور بے حد جد و جہد میں معروف ہیں کہ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب کے خلاف گواہ تیار کریں۔ لیکن ناکام نظر آتے ہیں۔ سنا تو یہ گیا کہ مولانا کو خلاف ورزی قانون مجالس باغیانہ کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور مسجد میں خطبہ جمعہ اور نماز کے بعد وعظ کو مجلس باغیانہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تک کسی کو بھی علم نہیں کہ فی الحقیقت پولیس کے ملازم کیا کرنا چاہتے ہیں۔

گواہ تیار کرنے کی ناکام کوشش

کئی اشخاص کو یہ کہتے سنا گیا۔ کہ فلاں شخص کو گواہ بناتے ہیں۔ لیکن وہ انکار کر رہا ہے۔ فلاں سے کہا جا رہا

ہے لیکن وہ کانوں پر ہاتھ دھر رہا ہے۔ شام کے وقت معلوم ہوا کہ مولوی نور احمد صاحب اور امام صاحب مسجد خیر دین اور ایک مولوی صاحب کو کورٹ انسپکٹر کے کمرے میں بلا کر ان سے پوچھا گیا۔ کہ ان حضرات نے کیا سُنا۔

معلوم ہوا ہے کہ امام صاحب مسجد خیر دین نے جو لازم کمیٹی بھی ہیں۔ صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نماز ادا کرنے کے بعد بہت جلد واپس چلے جانے کے عادی ہیں۔ چنانچہ وہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے کام پر چلے گئے۔

سُنا گیا ہے کہ دوسرے مولوی صاحب نے بھی کچھ ایسا ہی بیان دیا اور مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا کہ وہ اپنی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مسجد خیر دین میں پہنچے۔ کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ کوئی مُنادی نہیں کرائی گئی تھی، نہ کسی کو پورے طور پر معلوم تھا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب کا وعظ ہو گا۔ نمازی حسب معمول نماز ادا کرنے آئے تھے مسجد میں بھی کوئی خاص اہتمام نظر نہیں آتا تھا۔

سُنا گیا ہے کہ مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا ہے کہ جب آپ وہاں پہنچے تو مسجد میں وعظ ہو رہا تھا۔ آپ دُور ہی کھڑے ہو گئے۔ آپ ذرا اونچا سنتے ہیں۔ اس لیے پُورے طور پر سُن بھی نہ سکے۔ البتہ بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور قرآن مجید کی آیات پاک کے مطالب و معارف بیان کیے جا رہے ہیں۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب ہر متکبر شخص کو فرعون سے تشبیہ دیتے تھے اور حکام کے لیے کہتے تھے کہ یہ شہد کی مکھیاں ہیں۔ ان سے شہد حاصل کرنا ہے تو نہایت امن سے شہد حاصل کرو اگر ذرا چھیڑو گے کوئی جبر و تشدد کرو گے تو یاد رکھنا شہد بھی جاتا ہے گا اور سب کے منہ سر سوج جائیں گے۔ طریقہ کار ترکِ مُوالات اور پُر امن ترکِ مُوالات ہے۔ مولوی عطاء اللہ صاحب بھی تلقین کرتے تھے کہ احکام اسلامی پر کاربند ہو جاؤ اور جبر و تشدد و تکبر و نخوت کو سر سے نکال دو۔

معلوم ہوا ہے کہ ایک مسلمان مجسٹریٹ نے آکر ان تینوں حضرات سے سوالات پوچھے اور اُن سے بیانات قلمبند کرائے پھر ان سے دریافت کیا گیا کہ مسلمانوں سے شہادت کس طرح لی جانی چاہیئے۔

مولوی نور احمد صاحب کا جذبۂ اسلامی

مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا کہ اگر استفتاء کرنا ہے تو سائل کی حیثیت سے ہمارے پاس آؤ اور فتویٰ

طلب کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ احکام شریعت حقہ بتائیں گے۔ اس جواب پر ایک افسر پولیس نے کہا کہ مسجد بھی تو حکومت کے ماتحت ہے، مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے اور آپ وہاں بھی حاکم کی حیثیت میں آئیں گے تو مجھ سے کوئی جواب نہ پائیں گے۔

سُنا جاتا ہے کہ پولیس اور حکام سرگرم کوششیں کر رہے ہیں۔ ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حکام حکومت ایک واعظ دین اسلام کو جمعۃ المبارک کے فریضہ کے بعد وعظ کرنے اور مطالب و معارف قرآن پاک بیان کرنے کے لیے "مذہبی آزادی دینے والی حکومت" کے کون سے جرم میں ملزم قرار دیتے ہیں۔

روزنامہ زمیندار جلد ۸ شمارہ ۷۸، یوم سہ شنبہ ۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ
مطابق یکم اپریل ۱۹۲۱ء

مولوی سید عطاء اللہ کی گرفتاری پر مبارکباد

مجلس خلافت پنجاب لاہور کو تار موصول ہوا ہے :-

ٹوبہ ٹیک سنگھ ۲۰ مارچ :- مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی گرفتاری پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

(دفتر مجلس خلافت پنجاب)

مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب کا مقدمہ

سرکاری کچہری کی حالت زار ● نئے ترنیبی کا منظر عمومی ● لاعلمیوں کا اجتماع عظیم

جب سردار اسر سنگھ صاحب کے مقدمہ کا فیصلہ سنایا جا چکا تو عوام جناب عطاء اللہ شاہ صاحب کی تشریف آوری کے منتظر تھے، لیکن کسی کو اس کا پتہ نہ تھا کہ مقدمہ پیش کب ہوگا۔

اس لاعلمی کو محسوس کر کے نامہ نگار زمیندار نے کمرے میں جا کر جناب کا تورسے مداخلت کے لیے معافی

طلب کرتے اور تخفیف تصدیعہ کی استدعا کے بعد عرض کیا کہ آپ جناب مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے مقدمہ کی سماعت کب فرمائیں گے۔ جناب کانزر نے فرمایا کہ مجھے تو علم نہیں کہ تاریخ سماعت کونسی ہے۔

نامہ نگار: لیکن جناب کو تو یہ علم ہے کہ مقدمہ جناب کے سپرد ہوا اور آج نہیں کل نہیں بلکہ پرسوں سپرد ہوا تھا۔

مجسٹریٹ صاحب: بے شک مجھے یہ تو علم ہے کہ مقدمہ میرے سپرد ہوا لیکن ابھی تک اس بات کا علم نہیں کہ مقدمہ پیش کب ہونا ہے۔

نامہ نگار: جناب کو یہ تو معلوم ہے کہ یہ مقدمہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے ایک مبلغ کو ایک واعظ کو مسجد میں نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنے کی بنا پر گرفتار کیا گیا ہے۔ مسلمان اس کو اپنے دین پاک میں مداخلت خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اطلاع پہنچتے ہی راولپنڈی بلکہ اس سے پرے اور دیگر اضلاع پنجاب سے بہت سے حضرات امرتسر تشریف لائے ہیں۔ ہم نامہ نگار اخبارات بھی اس مقدمہ کے منتظر ہیں۔

مسلمانوں نے سن کر فیصلہ کرنا ہے کہ ان کا آیندہ رویہ کیا ہو گا۔ وہ اپنی مساجد میں وعظ کیا کریں گے۔ قرآن شریف پڑھا کریں گے یا بند کر دیں گے۔ ہم لوگوں نے تمام اطلاعات اخبارات میں پہنچانی ہیں۔ اگر آپ اسی طرح لاعلمی میں رہے اور پرسوں سے کل اور کل سے آج پر ملتوی کرتے رہے اور آج بھی تاریخ سماعت سے لاعلمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ تو پھر نامہ نگاروں کو اطلاع کون دے گا۔

مجسٹریٹ: مولوی عطاء اللہ ترک موالات کے حامی ہیں انہوں نے کوئی عرضی نہیں دی۔ اگر ان کی طرف سے کوئی عرضی پیش کی جاتی تو تاریخ سماعت کے متعلق مکمل جواب مل جاتا۔

نامہ نگار: لیکن یہ جواب کون دیتا آپ ہی نے اس مقدمہ کی سماعت کرنا ہے آپ کو ہی تاریخ سماعت کا علم نہیں اس حالت میں عرضی پرچہ کی حاجت ہی کیا ہے یہاں تو قصہ ہی ختم ہے۔ صاحب بہادر ہم اخبار والے مفت میں بدنام کیے جاتے ہیں۔ جب ہم کسی حقیقت یا بد ترتیبی کا اظہار کرتے ہیں اور اخبارات میں لکھ دیتے ہیں۔ تو حکومت ناراض ہو جاتی ہے۔ سرکاری اطلاعات شائع ہوتی ہیں تو ہمارے بیانوں کو غلط بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہ آپ فرمایئے کہ موجودہ صورت میں ہم کیا لکھ سکتے ہیں۔ آخر اس بد ترتیبی اور ان لاعلمیوں کا

کس طرح اظہار کیا جائے۔

مجسٹریٹ : آپ ذرا ٹھیر جائیں میں سرکاری وکیل کو بلاتا ہوں اور اُن سے تاریخ سماعت دریافت کرتا ہوں۔

نامہ نگار : نوازش۔

صاحب بہادر نے اسی وقت ایک چپراسی کو بلا کر فرمایا کہ سرکاری وکیل کو سلام دو۔

چپراسی ادھر رخصت ہوا صاحب بہادر نے کورٹ انسپکٹر صاحب کو طلب فرمایا اور ان سے تاریخ سماعت مقدمہ دریافت فرمائی۔

کورٹ انسپکٹر کو تاریخ سماعت کا علم نہیں

لیکن انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب صاحب بہادر نے ان لاعلمیوں کا اجماع دیکھا۔ تو آپ نے کورٹ انسپکٹر صاحب سے فرمایا کہ آپ یا تو مقدمہ چلائیں یا دست برداری دیں۔ اگر مقدمہ چلانا ہے تو شہادت کے لیے تاریخ لے لو۔ کورٹ انسپکٹر سلام کر کے کاغذات سنبھال رخصت ہو گئے۔

مجسٹریٹ : آپ نے دیکھ لیا کہ میں انتظام کر رہا ہوں۔

نامہ نگار : نوازش لیکن جناب کو معلوم ہے کہ یہ کشمکش اور لاعلمیاں کیوں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پولیس اس مقدمہ کے لیے گواہ بنانے میں ناکام رہی ہے۔ ہر چند کوششیں کی جا چکی ہیں لیکن تا حال کوئی کامیابی نظر نہیں آئی۔ کیا یہ حقیقت ہے جناب کو تو شاید معلوم ہو گا؟

مجسٹریٹ صاحب : مجھے تو کوئی بھی خبر نہیں؟

نامہ نگار : جناب تو ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملے ہوں گے، دوستانہ تعلقات ہوں گے ان سے جناب نے دریافت کیا ہو گا؟

مجسٹریٹ صاحب : میں تو ڈپٹی صاحب سے بالکل نہیں ملا۔ آج صبح سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔

ابھی یہ مکالمہ یہاں تک پہنچا تھا کہ سرکاری وکیل کمرے میں آپہنچے، صاحب بہادر نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے تاریخ سماعت مقدمہ سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

نامہ نگار: جناب نے دیکھا کہ کس طرح ہر ایک ذمہ دار صاحب لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ سرکاری وکیل صاحب کو بھی تاریخ سماعت مقدمہ کا علم نہیں۔

مجسٹریٹ: آپ مطمئن رہیں میں آپ کو جس طرح ہو سکے گا تاریخ سماعت سے مطلع کر دوں گا۔ کیا آپ کے دفتر میں ٹیلیفون ہے؟

نامہ نگار: نہیں صاحب میرے دفتر میں ٹیلیفون نہیں ہے۔

جب معاملہ نے اس قدر طول کھینچا اور جناب کورٹ انسپکٹر نے واپس تشریف لانے میں دیر لگائی تو نامہ نگاران اخبارات باہر نکل آئے تاکہ مجسٹریٹ صاحب کے کمرے میں سکوت ہو جائے۔

باہر سینکڑوں آدمی منتظر تھے۔ ہر ایک پوچھتا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ مقامی اخبارات کے نامہ نگاروں اور کئی اصحاب نے تمام مکالمہ سنا دیا اور کوشش کی کہ یہ سب اصحاب رخصت ہو جائیں تاکہ کمرے کے ارد گرد شور نہ ہو۔

نامہ نگار زمیندار پر نوازش

جب کورٹ انسپکٹر صاحب واپس تشریف لائے اور یہ طے کر گئے کہ مقدمہ ۲ اپریل کو پیش ہوگا۔ تو صاحب مجسٹریٹ نے پیر ولی اللہ صاحب مخدومی سے دریافت فرمایا کہ نامہ نگار زمیندار کہاں ہیں۔ انہیں یہاں لے آؤ تاکہ انہیں تاریخ سماعت بتا دوں۔ پیر ولی اللہ صاحب مخدومی باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ جناب کا نزول یاد فرماتے ہیں۔ تمام اخبارات کے نامہ نگار کمرے میں جا پہنچے۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ ۲ اپریل کو مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب کے مقدمہ کی سماعت ہو گی۔

نامہ نگار: کیا آپ مہربانی سے یہ بھی بتا دیں گے کہ ان پر حکومت کی طرف سے کیا الزام عاید کیا گیا ہے؟

مجسٹریٹ صاحب: میرے پاس تو خلاف قانون باغیانہ کے کاغذات پہنچے ہیں۔ مجھے تو اسی مقدمہ کی سماعت کرنا ہے۔ اور کوئی مقدمہ اور کوئی کاغذات تک میرے پاس نہیں پہنچے۔

نامہ نگار: شاید جناب کورٹ انسپکٹر صاحب کو علم ہو۔ چنانچہ کورٹ انسپکٹر صاحب سے دریافت کیا گیا

لیکن کورٹ انسپکٹر صاحب نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ "میں جواب نہیں دے سکتا"۔ نامہ نگار نے مسٹر کا نزور مجسٹریٹ کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب کورٹ انسپکٹر صاحب تو جواب نہیں دے سکتے۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ افواہ ہے کہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور مولوی عطار اللہ شاہ صاحب پر جرم بغاوت بھی تھوپا گیا ہے۔

مجسٹریٹ صاحب: مجھے اب تک کوئی علم نہیں میرے پاس صرف خلاف ورزی قانون مجالس باغیانہ کے کاغذات پہنچے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے ۱۲۴۔الف تعزیرات ہند کے کاغذات نہیں ہیں۔

چنانچہ صاحب بہادر نے کاغذات متعلقہ مقدمہ بغور دیکھ کر فرمایا کہ مقدمہ کی سماعت ۲۱ اپریل کو ہوگی اور مقدمہ خلاف ورزی قانون مجالس باغیانہ کی وجہ سے چلایا گیا ہے۔

نامہ نگار نہایت ادب سے جناب مجسٹریٹ صاحب کی توجہ فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوا۔

(نامہ نگار)

"زمیندار" جلد ۸، شمارہ ۹۰، چہار شنبہ ۲۲ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۱ء

مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی گرفتاری

اہل لدھیانہ کی ہمدردی ● "زمیندار" کے نام خاص تار

لدھیانہ ۳۱ مارچ: اہل لدھیانہ نے ایک جلسہ منعقد کرکے سید عطار اللہ صاحب بخاری کی گرفتاری پر ان کے اعزہ و اقربا کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے اور حکومت کی موجودہ روش کو ایک قرارداد میں ناپسندیدہ و تشدد آمیز ٹھہرایا ہے۔

(عبدالرؤف سیکرٹری خلافت کمیٹی لارڈ گنج)

"زمیندار" شمارہ ۹۰ جلد ۸، ۲۲ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۱ء

مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب کا مقدمہ

۱۲ اپریل کی کارروائی

زمیندار کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے

اگرچہ ۱۳ مارچ کو جناب کانزرتے بعد از تدقیق و تحقیق بالصراحت فرما دیا تھا کہ صاحب موصوف کی کچہری میں صرف ایک مقدمہ زیر دفعات ایکٹ امتناع مجالس باغیانہ زیر سماعت ہے۔ لیکن آج ایک نیا گل کھلا اس مقدمہ کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا اور صاحب موصوف بھی شاید بھول گئے۔ پولیس نے اس مقدمہ کو ملتوی کرا دیا اور مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری پر زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند (جرم بغاوت) مقدمہ چلانا شروع کیا۔

حسب معمول مسلح پولیس ہر گوشہ میں ہر طرف استادہ تھی۔ بندوقیں پستول۔ گولیاں سب سامان موجود تھا۔ بہت سے باخلاص مسلمان۔ سکھ۔ ہندو صاحبان سماعت مقدمہ کے لیے تشریف لائے تھے کمرہ کچہری سے دور روک دیئے گئے تھے۔ کمرہ میں ڈاکٹر کچلو، مولوی ثناء اللہ صاحب، وکلائے مقامی میں سے چند اور نامہ نگاران اخبارات موجود تھے ساڑھے گیارہ بجے اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعروں نے اعلان کیا کہ جناب مولانا تشریف لے آئے۔ چنانچہ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب کمرے میں تشریف لائے اور حاضرین کو السلام علیکم کہہ کر تشریف فرما ہوئے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب نے علمائے امرتسر کی طرف سے ایک نکتہ پیش کیا تھا جس پر غور کرنے کے لیے مولانا عطاء اللہ صاحب نے مولانا ثناء اللہ صاحب۔ شفاعت اللہ خان صاحب۔ ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو کو طلب کیا اور اس نکتہ پر مولانا عطاء اللہ صاحب کے حسب مرضی فیصلہ کیا گیا۔ یعنی گواہوں پر جرح تک نہ کی جائے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ دیہات کے آدمی بلائے گئے ہیں۔ جرح میں حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ لیکن ضرورت کیا ترک موالات کرنا ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ حکام کو حقیقت معلوم

ہو سکے۔ اگر انصاف کا اقتضاء ہے تو خود معلوم کریں کہ پولیس اور پولیس والے کیا جال بچھایا کرتے ہیں۔

گیارہ بج کر پینتیس منٹ پر کارروائی مقدمہ شروع ہوئی سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع امرتسر نے انگریزی میں بیان کیا کہ میں ایک استغاثہ دائر کر چکا ہوں جس کے ساتھ وہ منظوری بھی منسلک ہے جو ہز ایکسی لینسی گورنر باجلاس کونسل کی طرف سے اس امر کے لیے موصول ہوئی ہے کہ مولوی عطاء اللہ صاحب کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند مقدمہ چلایا جائے گا۔

نامہ نگار: افسوس ہے کہ نقل استغاثہ ہاتھ نہ آئی اور نہ ہی فہرست گواہاں مل سکی۔ ظفر الملت مولانا ظفر علی خان صاحب کے مقدمہ میں تو سب سامان تیار تھا لیکن یہاں وہ انتظام نہ تھا۔

سرکاری وکیل: یہ استغاثہ آپ نے اپنی طرف سے دائر کیا ہے یا کچھ اطلاعات آپ کو موصول ہوئی ہیں؟

سپرنٹنڈنٹ: ہاں! مجھے خود بھی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں ملازمان پولیس کی مرتبہ رپورٹوں سے بھی مجھے مدد ملی ہے۔

گواہ نمبر ۱۔ غلام محی الدین ہیڈ کانسٹیبل متعینہ کوتوالی کا بیان

۵/ مارچ کا ذکر ہے کہ بعد نماز جمعہ اڑھائی تین بجے کے قریب میں مسجد خیر دین مرحوم گیا تھا میں مولوی عطاء اللہ صاحب کی تقریر سننے گیا تھا میں نے تقریر کے نوٹ نہیں لکھے۔ گھر پر آکر نوٹ لکھے وہاں نہیں لکھے (نوٹ دکھلاتے گئے) یہ نوٹ میں نے کوتوالی جا کر لکھے تھے۔ یہ سب میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

سرکاری وکیل: یہ دو حصوں میں کیوں ہیں؟

گواہ: میں نے چند فقرات نہیں سنے تھے۔ میں نے ایک اور شخص سے سنے تھے اس لیے میں نے علیحدہ لکھ لیے۔

سرکاری وکیل: کس نے بتلائے تھے؟

گواہ: اسد اللہ کانسٹیبل نے بتلائے تھے میں نے رپورٹ مکمل لکھی۔

سرکاری وکیل: وہاں کتنے آدمی ہوں گے؟

گواہ: لڑائی تو ہوئی نہیں لیکن اس سے نفرت کا احساس میرے دل میں تو ضرور پیدا ہوگیا۔ اور دل کی نسبت میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

سرکاری وکیل: تم نے رپورٹ میں جو لکھا ہے درست ہے؟

گواہ: جو کچھ لکھا ہے سوچ کر لکھا ہے۔

سرکاری وکیل: کوئی ایزادی تو نہیں کی؟

گواہ: ایزادی تو نہیں کی۔

سرکاری وکیل: تم نے آگے بھی کوئی رپورٹ لکھی ہے۔

گواہ: آگے تو کبھی نہیں لکھی۔ شاید ایک دفعہ پہلے لکھی ہے۔

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آپ کوئی سوال کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی سوال نہیں۔

گواہ نمبر ۳ نذیر احمد سب انسپکٹر کوتوالی کا بیان

سرکاری وکیل: آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے؟

نذیر احمد: میں نے جموں کالج سے بی۔ اے پاس کیا ہے۔

سرکاری وکیل: تقریر پی۔ بی۔ سی۔ پی کا ترجمہ آپ نے کیا ہے؟

نذیر احمد: ہاں میں نے ترجمہ کیا ہے پی۔ ڈی ان دونوں کا ترجمہ ہے۔

گواہ نمبر ۴ عبداللہ فوق مارشل لاء والے مہربان وطن کا بیان

سرکاری وکیل: آپ کا نام؟

گواہ: میرا نام محمد عبداللہ فوق ولد منشی محمد بخش عمر ۲۷/۲۸ سال سکنہ امرتسر۔ ایمان سے سچ کہوں گا۔

۲۵ تاریخ کو مارچ کی ۲۵ کو جمعہ کی نماز کے بعد خیر دین کی مسجد میں گیا مجھے معلوم ہوگیا کہ وہاں وعظ ہوگا۔ جب میں وہاں پہنچا تو مولوی عطاء اللہ وعظ سنا رہے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ فرعون نے اپنے دشمن سے

بچنے کے لیے جامع بندی کر دی تھی۔ انگریز تو صرف زبان بندی کرتے ہیں۔ جب ایسا ظالم بادشاہ تباہ ہوگیا تو ان کی کیا حقیقت ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ موسیٰ کے مارنے کے لیے فرعون نے حکم دیا تھا کہ جتنے بچے پیدا ہوں قتل کر دیئے جائیں لیکن فرعون کو بتایا تھا کہ موسیٰ گھر میں پرورش پائے گا اور اس کی ڈاڑھی نوچے گا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے صندوق میں بند کر کے اُن کو دریا میں ڈال دیا۔ صندوق فرعون کے محل کے نیچے لگا۔ اس کی لڑکی نے اُسے اٹھایا اس میں سے ایک بچہ نکلا۔ سب دیکھ کر خوش ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دودھ پلانے کے لیے دائی منگوائی جائے چنانچہ دائیاں بلائی جاتی تھیں موسیٰ ان کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ کیونکہ ان کے بچے قتل کیے جا چکے تھے۔ پھر ایک خبر رساں نے خبر دی کہ ایک عورت ہے اسے بلایا جائے۔ چنانچہ موسیٰ کی والدہ کو بلایا گیا اور انہوں نے ان کا دودھ پیا اور ان ہی کے مکان پر رکھے گئے۔ اس جگہ رپورٹری کا ذکر ہوا تھا تو کہا تھا کہ رپورٹر اس زمانے میں بھی ہوتے تھے لیکن ایسے نہیں ہوتے تھے جو دس دس روپے کے لیے اپنے بھائیوں کا گلا کٹواتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے ہاتھ کوڑھی ہو جائیں گے۔ ان کے نامۂ اعمال ان کی گردن میں ہوں گے۔ اس کے بعد ذکر کیا کہ جس طرح فرعون نے بچنے کے لیے بچوں کو قتل کرنے کی تجویز کی تھی۔ انگریزوں نے ہم کو قتل کرنے، تباہ کرنے کے لیے یہ تجویز کی کہ بچوں کو تعلیم دی جائے اس تعلیم سے ہم اس قدر بے غیرت ہو گئے ہیں۔ روحانیت اور قومیت بالکل گم ہو گئی ہے کہ ہم نے جنگ میں اپنی گولیوں سے اپنے بھائیوں کے سینے چھید سے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی خانہ کعبہ کے غلاف میں اپنی گولیوں سے چھید کیا۔ پھر کہا کہ لائڈ جارج جو ہے اُس میں اس قدر فرعونیت آگئی ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ سارے جہان کو ہڑپ کر جائے۔ انہوں نے کئی شہروں کے نام بتائے کہ "وہ چاہتا ہے کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے۔ وہ بڑا لالچی ہے۔" پھر کہا کہ "جرمنی نے چالیس؟ سال انگریزوں سے جنگ کرنے کی تیاری کی لیکن اُسے شکست ہوئی۔ کوئی عجب نہیں کہ انہیں بھی شکست ہو اور پتا بھی نہ لگے۔ پھر کہا کہ "جیسے فرعون کے گھر میں موسیٰ نے پرورش پائی تھی۔ مہاتما گاندھی نے بھی ان ہی کے اسکولوں میں تعلیم پائی انگریزوں کو پتا بھی نہ لگا کہ ان کے گھر میں ہم کو بے زہر منہ سے دکھا کر بتایا) ۔ آگے یہ کہا کہ جیسے فرعون کی سلطنت کو موسیٰ نے تباہ کیا تھا اسی طرح مہاتما گاندھی ان کی سلطنت کو تباہ کرے گا، کیونکہ بلا تشبیہ اور بے تمثیل مہاتما کا میم اور

موسیٰ کا ہیم برابر ہے۔ ہر فرعونے را موسیٰ۔ جب موسیٰ جوان ہوئے اپنی قوم کے آدمیوں کی سفارش کیا کرتے تھے اور اپنی قوم کی امداد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ غصہ میں آکر حضرت موسیٰ نے مُکا مارا تھا۔ جلال کی نشان خدا کو بہت پسند ہے اُن کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ سُرخ رنگ خدا کو بہت پسند ہے۔ کپڑے سرخ ہوں۔ چہرہ بھی سُرخ ہو گریبان بھی سُرخ ہو۔ میری تعلیم مجھے یہ کہتی ہے کہ میں بھی ایسا بنوں اور امام حسین کے پہلو میں چلا جاؤں میرے کپڑے بھی اسی طرح سُرخ ہوں۔" آگے چل کر عورتوں کے اسکولوں کا ذکر کیا اور کہا کہ۔ اس میں جو کالے کالے منہ والی نن ہوتی ہیں۔"

مجسٹریٹ نے سوال کیا کہ کون سے اسکولوں سے مُراد ہے۔ سرکاری اسکولوں سے مراد ہے ؟

گواہ: نہیں عام اسکولوں سے مُراد ہے

"یہ کالے منہ والی نن شیطان کی نانیاں ہوتی ہیں۔ وہ ہماری بھولی بھالی لڑکیوں کے اخلاق خراب کرتی ہیں۔ ماں کو چائے۔ انڈے۔ انگور کھلا کر اپنے گھر کے کاروبار سے محروم کر دیتی ہیں وہ گھر بار کے لائق نہیں رہتی ہیں۔ ان کے اخلاق پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ اوروں کے ساتھ نکل جاتی ہیں۔ پنجابی لفظ یہ ہے "اُدھالے" ہو جاتی ہیں۔ مولوی ابراہیم سیالکوٹ والے کا ذکر ہے کہ اس کی بھتیجی باہر بھاگ گئی۔

فرانس، یورپ کا اس تعلیم سے یہ منشا ہے کہ عورتوں کے اخلاق کو خراب کیا جائے۔ تاکہ جو اولاد پیدا ہو وہ غلام پیدا ہو اور بے غیرت پیدا ہو۔ چنانچہ اتنی بے غیرتی بڑھ گئی ہے کہ سلیشیا میں مسلمان عورتیں سپاہیوں میں راشن کی طرح تقسیم کی گئیں۔ بدفعل کے کرانے کے واسطے ایک ایک عورت دس دس سپاہیوں کو دی گئی۔

اس کے بعد ذکر کیا کہ جو انگریز ہیں اور ہندوستان کی جو انگریزی گورنمنٹ ہے یہ سفید منہ والی شہد کی مکھی کی طرح ہے اگر اسے چھوا جائے تو کاٹتی ہے اُن کو اڑانے کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ گندھک اور ہڑتال کی دُھونی دی جائے۔

مجسٹریٹ: ہڑتال کے کیا معنی ہیں؛

گواہ: ہڑتال دوا ہوتی ہے انہوں نے ذومعنی لفظ استعمال کیا تھا شاید یہ جو ہڑتالیں ہوتی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ مطلب ہے کہ یہ پھوٹ جائیں گی۔ ایک ایک دو دو کر کے چھتے پر سے اڑیں گی۔ اور بوریا بستر

باندھ کر بمبئی کی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہو کر جائیں گی تو اس وقت جس طرح بنی اسرائیل کے سامنے فرعون غرق ہوا تھا ہم کہیں گے اَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ۔

مجسٹریٹ : اس کے کیا معنی ہیں؟

گواہ : مجھے معنی نہیں آتے مطلب یہ ہے کہ یہ غرق ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ جہاں جرمن سے جنگ کا ذکر کیا تھا۔ وہاں یہ بھی کہا تھا کہ ہم اس طرح جنگ کی تیاریاں نہیں کر سکتے۔ بلکہ عدم تعاون پر عمل پیرا ہوں گے۔ عدم تعاون کے معنی ہیں۔ ناک میں دھونی دینا یعنی۔ اکاؤ ناہنگ کرنا۔ یہ جو ہماری رپورٹیں لکھتے ہیں۔ اگر یہ بھی عدم تعاون کر لیں تو پھر گورے ولایت سے آ کر لکھیں گے یا لائڈ جارج لکھیں گے؟

اگر ہم کھدر استعمال کریں گے تو ولایت کے کارخانوں کا دیوالا نکل جائے گا۔ انجمن اسلامیہ کے کارکنوں نے وار فنڈ میں پچھتر ہزار ۵۰۰۰ روپیہ چندہ دیا۔ تم ابھی ان کے اسکولوں میں پڑھتے ہو۔ انہوں نے اس روپے سے گولیاں خرید کر اپنے بھائیوں کے سینے میں ماریں اور تم ابھی ان کے اسکول میں پڑھتے ہو۔ انگریزوں نے ہم کو ہر طریق سے تباہ کرنے کی کوشش کی۔ کچھ آدمی جنگ میں مارے گئے۔ کچھ جلیانوالا باغ میں مارے گئے۔ کچھ مارشل لا کی نذر ہوئے کچھ قید کر دیئے گئے۔ کچھ پھانسی دیئے گئے۔ باقی سے وار فنڈ میں چندہ لے کر انہیں غریب کر دیا۔ مسجد کی مرمت کے واسطے کچھ چندہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اب چونکہ سیڈیشن میٹنگ ایکٹ ہے مسجدیں ہماری پشت پناہ ہیں۔ کلمۃ الحق کا اعلان اسی جگہ کرنا ہے ہم نے اسی جگہ لیکچر دینے ہیں۔ اس کی مرمت کے واسطے جو چندہ ہو سکے دیجیے۔ دعا مانگی گئی اور وعظ ختم ہوا۔

سرکاری وکیل : تم پہلی دفعہ ہی وعظ سننے گئے تھے۔

گواہ : میں ہمیشہ جب وعظ ہوتا ہے سننے جاتا ہوں جب کبھی امرتسر میں ہوتا ہوں ضرور جاتا ہوں۔ یہ کچھ تیز بیانی ہی کرتے ہیں۔

سرکاری وکیل: تیز بیانی کے کیا معنی؟

گواہ : جوش دلانے والی تقریر کرتے ہیں۔ فحش الفاظ بھی ان کی تقریروں میں ہوتے ہیں۔ تقریر کا مجمع پر خراب اثر ہوا۔ جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ لوگ گورنمنٹ کو اچھا نہیں دیکھتے تھے۔

ملازموں کو جو وہاں موجود تھے برا سمجھتے تھے۔

سرکاری وکیل : تم امرتسر میں کیا کام کرتے ہو؟

گواہ : میں بٹالہ کا رہنے والا ہوں۔ امرتسر میں ۶ سال سے رہتا ہوں۔ دوائی کی دکان کرتا ہوں۔ تجارت کرتا ہوں۔ سونے چاندی کی دکان ہے۔ انکم ٹیکس نہیں دیتا ہوں۔ معاملہ دیتا ہوں۔

سرکاری وکیل : کس قدر معاملہ دیتے ہو؟

گواہ : یہ تو مجھے یاد نہیں بٹالہ میں میرا بھائی ہے وہ ہی معاملہ دیتا ہے۔

مجسٹریٹ نے مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ کوئی سوال کرنا ہے۔ مولانا نے خاموشی اختیار کر لی اور بالکل خاموش رہے۔

گواہ نمبر ۵ مولوی نور احمد

غیر حاضر

گواہ نمبر ۶

مولوی خورشید عالم امام مسجد خیر دین۔ لازم میونسپل کمیٹی کا بیان۔ مولوی خورشید عالم ولد حکیم سلطان محمد ذات قریشی عمر ۴۴ سال

جو بات کہوں گا سچ کہوں گا۔

سرکاری وکیل : آپ امام مسجد خیر دین ہیں؟

گواہ : ہاں میں امام مسجد خیر دین ہوں۔

سرکاری وکیل : ۲۵ مارچ کا جمعہ کس نے کرایا تھا؟

گواہ : میں نے کرایا تھا۔ میری شہادت پولیس کے بند کمرے میں قلمبند کرائی جا چکی ہے اب بھی میرا بیان وہی ہے۔

جمعہ میں نے پڑھایا۔ فریضۂ نماز ادا کرنے کے لیے جب مجمع ہُوا۔ تو مولوی داؤد صاحب نے کہا۔ طلعت
پاشا مارا گیا ہے۔ اُس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ میں نے نماز ختم کی۔ دُعا کی۔ یعنی جمعہ کی آخری دعا
کی۔ دُعا سے فارغ ہو کر میں اپنے حجرہ کی طرف چلا آیا۔ مولوی داؤد صاحب نے وعظ کیا۔ مولوی عطار اللہ
صاحب آگئے۔ منبر پر چلے گئے۔ وعظ کلام پاک سے شروع کیا اور قرآن کی آیات پڑھنے لگے۔ کلام مجید کی آیات
پڑھیں۔ جس میں بنی اسرائیل اور فرعون کا ذکر تھا۔ میں وعظ کے مقام سے فاصلہ پر تھا۔ فاصلہ اچھا تھا۔ مولوی
صاحب نے آیات کا ترجمہ شروع کیا۔

مجسٹریٹ نے سوال کیا کہ۔ ترجمہ کیسا؟

مولوی صاحب نے کہا کہ قرآن شریف عربی میں ہے میرے کان تک یہ آواز پہنچی کہ فرعون کا دارومدار
نجومیوں پر تھا اور یورپ والوں کا ڈاکٹروں پر ہے۔ ایسے الفاظ تھے جن کا یہ مفہوم ہے میں فاصلہ پر تھا۔ میں
اپنے کام پر چلا جاتا ہوں۔ قریباً دو تین ہزار آدمی تھے میرے پاس گنتی نہیں۔

سرکاری وکیل: کیا آپ کا بیان پہلے میاں محمد شریف صاحب کے سامنے ہُوا تھا؟

گواہ: ہاں میرا بیان محمد شریف کے سامنے پولیس کے کمرے میں لیا گیا تھا۔ بیان مجھے سنا دو تاکہ میں دیکھ لوں
کہ کیا کیا لکھا ہے؟

گواہ نمبر

شمس الدین (کبھی کنجر کبھی شیخ جانداد کا مقدمہ دائر) گواہ شمس الدین ولد فتح دین قوم شیخ بریال عمر
۵۵ سال۔ امرت سر

ایمان سے کہوں گا سچ کہوں گا۔

سرکاری وکیل: کیا کرتے ہو؟

گواہ: ملازمت کانپور فیکٹری میں۔

سرکاری وکیل: امرت سر میں یا کانپور میں؟

گواہ : کانپور میں۔

سرکاری وکیل : آج کل کس طرح آئے ہو؟

گواہ : چھٹی پر

سرکاری وکیل : تم نے کیا سنا؟

گواہ : میں نے شیخ بڈھا کی مسجد میں نماز پڑھی تھی ۵ ۲ تاریخ کو وہاں سے گھر جانے کو تھا کہ معلوم ہوا کہ خیر دین کی مسجد میں مولوی عطاء اللہ صاحب کا وعظ ہے جب وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ چار، پانچ سو آدمیوں کا مجمع تھا کچھ لفظ مجھے سنائی دیتے ہیں کچھ نہیں۔ جب میں پہنچا تو مولوی صاحب وعظ کر رہے تھے مولوی صاحب نے کہا کہ فرعون کے صلاح کار نجومی تھے۔ انگریزوں کے صلاح کار ڈاکٹر۔ گورنر۔ کمشنر۔ ڈپٹی کمشنر ہیں۔ پھر میں نے سنا کہ فرعون کو نجومیوں نے ایسا کہا کہ تمہاری سلطنت میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا جو تمہاری سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ اس وقت اس نے حکم دیا کہ جو لڑکا میری سلطنت میں پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔ لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ وہ لڑکا میرے گھر میں پرورش پائے گا اور میری داڑھی نوچے گا۔ ایسا ہی انگریزوں کو بھی معلوم نہیں کہ وہ مہاتما گاندھی لڑکا جس نے ہمارے شہر میں تربیت پائی خطابات حاصل کیے۔ ہماری سلطنت میں تعلیم پائی اور ہم سے خطابات حاصل کیے وہ ہمارے گھر میں ہمارا الٹو کو ہے۔ موسیٰ کے نام سے پہلے میم ہے اسی طرح مہاتما گاندھی کے نام کے پہلے میم ہے۔ لاٹ جارج کو یہ بھی کہا کہ "جارج بھکیا" بھوکے جا پیٹ بھر، انگریزوں نے اسکولوں میں کالجوں میں ایسی تعلیم جاری کی ہے جس سے ہماری قومی طاقت اور حمیت سلب ہوگئی اور روحانیت کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ خداوند کریم کو سرخ رنگ بہت پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بھی کپڑے سرخ ہوں اور امام حسین کی طرح میں بھی شہید ہوں۔ لاٹ جارج نے عرب شام کو ہڑپ کر لیا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں تمام دنیا کا مالک بن جاؤں جرمن نے چالیس سال جنگ کی تیاری کی، لیکن اس نے شکست کھائی۔ انگریزوں کو بھی ایسی شکست ہو گی۔ اب ہم کو عدم تعاون اور سودیشی پر عمل کرنا چاہیئے عدم تعاون کو دعوتی کہتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کو ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں۔ اگر وہ ملازم پولیس ہو کر نو روپیہ پر اپنے بھائیوں کے گلے نہ کٹائیں تو دیکھیں کہ لاٹ جارج کس طرح رپورٹ تیار کرا سکے گا۔

انجمن اسلامیہ کے سکول میں مسلمان لڑکے پڑھتے ہیں۔ انہوں نے پچھتر ہزار (75000) فنڈ میں دے کر تمہارے بھائیوں کے گلے کٹوائے۔ اگر حج کے لیے یا مسجد کے واسطے کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم غریب ہیں ہمارے بھائیوں نے فوج میں نوکر ہو کر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ جا کر اپنے بھائیوں کے سینے چھیدے اور کعبۃ اللہ شریف میں جا کر غلاف میں چھید کیے۔

انگریز سفید منہ کی مکھیاں شہد کی ہیں اگر تم ان کو ڈھیم (پتھر) مارو گے تو یہ تمہیں کاٹیں گی اگر ان کو ہڑتال کی دھونی دو گے تو آہستہ آہستہ یہ اپنا بوریہ بندھنا باندھ کر بمبئی کے جہاز سے چلی جائیں گی پھر ہم کہیں گے اُغْرِقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ یہ سن کر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

سرکاری وکیل کے سوال پر کہا کہ میں اس آیت کا ترجمہ نہیں جانتا۔

گواہ: اس وقت میں نے سنا کہ مولوی صاحب نے کہا پھر تم مزے کرو گے شہد کھاؤ گے۔

سرکاری وکیل: تمہاری تنخواہ کیا ہے؟

گواہ: پچھتر (75) تنخواہ ملتی ہے ایک سو پچھتر سالانہ انعام ملتا ہے۔

سرکاری وکیل: آپ جب بیٹھے سن رہے تھے تو آپ پر اور لوگوں پر کیا اثر ہوا۔

گواہ: جب میں نے اُغْرِقْنَا سنا تو مجھے معلوم ہوا کہ انگریزوں کے خلاف ہے۔

سرکاری وکیل: تمہارا اس سے پہلے یہ خیال نہ تھا؟

گواہ: میرا خیال تو پہلے ہی یہ تھا یہ سن کر چل دیا۔

سرکاری وکیل: کل انگریزوں کے برخلاف؟

گواہ: میرا خیال تو یہی ہے کہ کل انگریزوں کے برخلاف ہے۔

سرکاری وکیل: لوگوں کا کیا حال تھا؟

گواہ: میں دوسروں کا نہیں کہہ سکتا کہ کیا اثر ہوا؟

سرکاری وکیل: آپ کا بیان محمد شریف کے سامنے لکھا گیا تھا؟

گواہ: ہاں میرا بیان محمد شریف کے سامنے ہوا تھا۔ بیان پڑھ کر سنایا گیا تو کہنے لگا کہ ڈاکٹر کا لفظ اور لکھو:

اس بیان میں موجود نہیں ہے۔

گواہ نمبر ۸

ایک دیہاتی کا بیان

کرم دین ولد ناظر قوم کمبوہ باشندہ چک ڈوگراں ضلع امرتسر عمر ۵۴ سال

ایمان سے سچ کہوں گا۔

انگریزی کی ۲۵ کو جمعہ کے دن نماز کے بعد ایک مولوی صاحب تھے مسجد خیر دین میں۔ نماز کے بعد مولوی صاحب نے اُٹھ کے وعظ کیا کہ دعا مانگو کہ ایران کے بادشاہ کو کسی نے گولی ماری تھی اس کے حق میں دعا مانگو ادھر نہیں ایمان کے ملک میں گولی ماری تھی۔ اس کے لیے دعا کرو۔ اس کے بعد کہا کہ جانا نہیں مولوی عطاء اللہ صاحب وعظ کریں گے۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کے متعلق دو تین سورتیں پڑھیں۔ اس سے پہلے میں نے مولوی عطاء اللہ کو نہیں دیکھا سورتیں قرآن کی تھیں اور کہا کہ انگریز ڈپٹی کمشنر کمشنر لاٹ کے کہنے پر چلتے ہیں ان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں ہم سے چندہ لیا۔ بندے لیے آٹھ آٹھ نو نو روپے تنخواہ پر جا کر خانہ کعبہ پر گولیاں چلائیں۔ عورتیں جو وہاں موجود تھیں خانہ کعبہ کی عورتیں راشن کی طرح تقسیم کی گئیں۔ ایک عورت دس دس آدمیوں کو دی گئی۔ انگریزوں کے سپاہیوں کو جو وہاں تھے، فرعون کو کہا گیا تھا کہ ایک لڑکا ہو گا۔ نجومیوں نے کہا تھا کہ ایک لڑکا ہو گا۔ وہ سلطنت تباہ کرے گا وہ لڑکے مروا دیتا تھا۔ اس نے لڑکے مروانے شروع کر دیئے۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ اسی کے محلوں میں لڑکے کی پرورش ہوئی ایسے ہی ان کے گھر میں ایک ٹھوکو پیدا ہوا۔ ان کے گھر ہی میں اس نے تعلیم پائی تھی۔ ان ہی سے خطاب لیے۔ اب ان ہی کو فنا کر رہا ہے اس کا نام "مہاتما گاندھی" ہے۔ چالیس سال جرمنی جنگ کا سامان کرتا رہا وہ ناکامیاب رہا۔ ہم اتنی طاقت تو نہیں رکھ سکتے۔ مگر ہمارے پاس یہ ہے کہ دیسی کپڑے پہنو اور دیسی چیزیں استعمال کرو۔ یہ ایک قسم کی دھونی ہے۔ خود بخود دھوکے ہو کر چلے جائیں گے۔ اگر ڈاکٹر ان سے کہے کہ یہ جگہ خراب ہے اسے چھوڑ دو یہ فوراً جگہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ولایت میں کوئی ایسا ڈاکٹر پیدا ہو جیسے ہندوستانی دو چار لاکھ روپیہ دے دیں وہ ان کو کہہ دے کہ تم کو ہندوستان کی ہوا اچھی نہیں رہ سکتی

جل دبں ہماری دعا ہے کہ یہ وہاں غرق ہو جائیں یہ شہد کی کھیاں چھتے منہ والی ہیں ان کو ڈھیم (پتھر) یا روڑا
ملا جائے تو یہ ڈنک مارنے یا کاٹنے کو تیار ہو جاتی ہیں ان کو ایسی دھونی ہڑتال حرمل کی دی جائے کہ یہ خود بخود
بھاگ جائیں یہ جو پولیس والے ہیں یہ ہمارے دشمن ہیں اگر یہ خبریں نہ دیں تو انگریز کہاں سے خبریں حاصل کریں'
اور بہت سی باتیں تھیں جو مجھے یاد نہیں۔ باتیں بڑی جوش والی تھیں۔ دیواروں اور درختوں کو جوش آرہا تھا۔
آواز پُرتاثیر تھی۔

سرکاری وکیل: تم کو پولیس والوں نے کس طرح بلایا ؟

گواہ : میں ایک دن پہلے اپنے کام کے لیے آیا ہوا تھا۔ مجھے کسی پولیس والے نے دیکھ لیا اور پھر بلا
لیا۔ میرا گاؤں امرت سر سے ۵ میل دور ہے۔ میرا بیان محمد شریف صاحب مجسٹریٹ کے سامنے ہوا تھا۔ جمعہ کے
دوسرے دن میرا بیان ہوا تھا۔

سرکاری وکیل : تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہوا ؟

گواہ : میرے دل میں ہتک پیدا ہوئی

سرکاری وکیل : ہتک کیوں پیدا ہوئی ؟

گواہ : جرمن نے انگریزوں سے شکست کھائی اس سے ہتک ہوئی (اس جواب پر کمرہ میں وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ
تمام کمرہ گونج اٹھا مجسٹریٹ صاحب بھی اس گواہ کے بیان پر خوب ہنسے) جب قہقہہ کی گونج ختم ہو چکی تو
گواہ نے محسوس کر کے کہا کہ

ایسا آدمی پیدا ہو کہ انگریزوں کا کوئی طاقت والا ہو۔ اللہ چاہتا ہے ایسا کوئی طاقت والا پیدا ہو کہ
انگریز شکست کھائیں۔

سرکاری وکیل : جمعہ پڑھنے آئے تھے یا کہیں جانا تھا؟

گواہ : لاہور جانا تھا۔ جمعہ پڑھنے ٹھہر گیا۔

سرکاری وکیل : پولیس نے تمہیں کس طرح ڈھونڈا ؟

گواہ : سپاہی مجھے گھر سے بلا لایا۔ کہ تم اس روز یہاں تھے میں نے اُن کو بتا دیا کہ میں نے کہا سنا تھا میاں

محمد شریف کے سامنے میرا بیان ہوا تھا۔

گواہ نمبر ۱۰

عبدالسبحان غیر حاضر۔

گواہ نمبر ۱۱

ہیڈ کانسٹیبل پولیس کی گواہی
شیخ اسد اللہ ہیڈ کانسٹیبل ۵۸۲ متعینہ کی گواہی
ایمان سے سچ کہوں گا

جمعہ کے دن ۲۵ تاریخ کا ذکر ہے کہ مولوی عطاء اللہ نے کوچہ جیل خانہ کی مسجد میں جسے احمد دین والی مسجد کہتے ہیں۔ میں وہیں نماز پڑھتا ہوں۔ یا خیر دین کی مسجد میں۔ مولوی عطاء اللہ اسی مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں انہوں نے اس مسجد میں کہا۔ کہ "اے مسلمانو! شرم کرو۔ تم نے انگریزوں کو مدد دے کر مکہ پر قسطنطنیہ پر گولیاں چلائیں اور خلیفۃ المسلمین اور مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کو بھرتی شدہ مسلمانوں نے خراب کیا بلکہ ایک عورت دس دس آدمیوں کو راشن میں دی گئی کہ انہیں خراب کریں۔ پھر خیر دین کی مسجد میں گئے میں بھی پیچھے پیچھے گیا میں باہر کھڑا ہو گیا اور مولوی صاحب نے اس طرح آغاز کیا کہ مسلمانوں کے بچے ——

سرکاری وکیل : تم ساتھ گئے تھے؟

گواہ : میں ذرا ٹھیر گیا تھا۔ جب میں پہنچا تو مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کے بچے ابھی تک اسلامیہ انجمن کے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ اس انجمن نے پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) روپیہ دیا جس کی گولیاں خریدی گئیں مسلمانوں کے گلوں پر چلائی گئیں۔ انہوں نے یعنی سرکار نے ہمیں ہر طریقے سے مارنا چاہا۔ کچھ جنگ میں مروا دیئے۔ کچھ جلیانوالے میں مروا دیئے۔ اے بھائیو! سجیشن ایکٹ جاری ہے۔ مسجدیں تقریر کرنے کے لیے پشت پناہ ہیں۔ اس واسطے برائے مہربانی مرمت کے لیے چندہ دو۔

سرکاری وکیل : چندہ کا ذکر آیا؟
گواہ : ہاں تقریر کرتے وقت چندہ کا ذکر آیا۔
سرکاری وکیل : تم نے یہ واقعہ کسے بتایا؟
گواہ : میں نے غلام محی الدین ہیڈ کانسٹیبل کو بتایا
سرکاری وکیل : غلام محی الدین کہاں تھا؟
گواہ : مجھے مسجد میں ملا تھا میں نے اُسے بتایا تو اُس نے کہا کہ کوتوالی جا کر لکھوں گا۔

مجسٹریٹ نے کہا کہ عبدالسبحان کو پولیس والے پیش نہیں کرنا چاہتے۔ اس کی گواہی نہیں۔ مولوی نور احمد کی گواہی ہونی ہے۔ مقدمہ پیر کے دن چار اپریل کو پیش ہو۔

(زمیندار جلد ۸ شمارہ ۸۲ ۲۵ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۲۱ء)

مولوی سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری

اہل ہوشیار پور کا جلسہ

مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب کی گرفتاری کا حال اخبار "زمیندار" میں پڑھا افسوس ایک اور سرگرم خادم خلافت ظلم کا شکار ہو گیا۔ مولوی ظفر علی خاں کی گرفتاری اور آغا صاحب کی زبان بندی کے بعد مولوی عطاء اللہ صاحب ہی ایک قابل واعظ باقی رہ گئے تھے افسوس ان کے مواعظ حسنہ سے مسلمان محروم ہو گئے۔ یہاں تو پہلے ہی قحط الرجال ہے۔ یہی چند ایک ہستیاں تھیں جو مسلمانان پنجاب کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کر رہی تھیں اور پنجاب میں تحریک خلافت جتنی کچھ بھی ہے انہی کی ان تھک مساعی کا نتیجہ ہے۔

خبر آتے ہی شہر میں منادی کر دی گئی اور رات ایک زبردست جلسہ زیر صدارت لالہ رام لعل صاحب میونسپل کمشنر کمیٹی گنج میں منعقد ہوا۔ میاں طفیل احمد خان صاحب بیرسٹر۔ لالہ راجو دھیا پرشاد صاحب وکیل۔ شیخ معراج دین صاحب۔ پنڈت شام لعل صاحب اور راقم نے مولوی عطاء اللہ صاحب کی خدمات کا ذکر کیا اور

حاضرین کو عدم تعاون کے پروگرام پر عمل کرنے کی ترغیب دی حسب ذیل ریزولیوشن اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

"باشندگانِ ہوشیار پور کا یہ جلسہ مولوی عطار اللہ صاحب بخاری کی خدماتِ جلیلہ کا دلی اعتراف کرتا ہے جو انہوں نے اسلام اور ملک کی کی ہیں اور حکومت کے اس غیر منصفانہ فعل پر اظہار نفرت کرتے ہوئے مولانا کو ان کی قربانی پر جو راہِ حق میں انہوں نے کی ہے مبارکباد دیتا ہے اور خداوند کریم سے دعا کرتا ہے کہ مولانا کو اس امتحان میں استقلال اور ثبات قدم بخشے"۔

محرک: طفیل احمد خاں بیرسٹر

مؤید: لالہ اجودھیا پرشاد وکیل۔ شیخ معراج دین صاحب۔ پنڈت شام لعل صاحب

(مرسلہ: فیروزالدین از ہوشیار پور ۳۰ مارچ ۱۹۲۱ء)

(زمیندار جلد ۸ شمارہ ۸۲، شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۲۱ء)

فردِ جرم کا اطلاق

مولوی عطار اللہ شاہ صاحب پر عدالت نے بغاوت یعنی ۱۲۴-الف، تعزیرات ہند کا جرم عاید کر دیا ہے۔ اسے سن کر مولوی صاحب نے فرمایا کہ

"بہت اچھا جو جی چاہے کیجیے۔ میں وہی کروں گا جو میرا اللہ اور رسول مجھے حکم دیتے ہیں"۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ۱۸ اپریل کو مولوی نور احمد صاحب نے گواہانِ استغاثہ کی حیثیت سے شہادت دی ہے جو زیادہ تر مولوی عطار اللہ شاہ صاحب کے حق میں ہے۔

امرتسر

مسجد خیر دین میں نمازِ جمعہ کے بعد وعظ

اسی مسجد میں جہاں بعد نمازِ جمعہ وعظ کرنے اور مطالب و معارف قرآن پاک بیان کرنے کے جرم حکومت

میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو خلاف ورزی قانون امتناع مجالس باغیانہ کے لیے گرفتار کیا جا چکا ہے۔ جمعۃ المبارک بتاریخ یکم اپریل ۱۹۲۱ء بعد نماز جمعہ قرآن کریم کی آیاتِ پاک کے مطالب و معارف بیان کیے گئے اور مسلمانان امرتسر کو احکام الٰہی سے مطلع کیا گیا۔

نماز سے فارغ ہو چکنے پر ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب نے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا تھا جس کا ایک ایک لفظ قرآن مجید کی آیاتِ پاک کا ترجمہ بامفہوم تھا۔ آپ نے مطالب کو عام فہم بنانے اور قرآن مجید کو زندہ جاوید ثابت کرنے کے لیے ان واقعات کو بیان فرما کر دکھایا۔ کہ واقعاتِ حاضرہ سے کس قدر تطابق ہے۔ یہ کوئی جرم نہ تھا۔ لہٰذا مسلمانانِ امرتسر ان کے لیے دعا کریں۔

مولوی صاحب ابھی دعا ختم نہ کرنے پائے تھے کہ ایک صاحب کوٹ پہنے صلیبی نشان یعنی نکٹائی لگائے کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنی مسجد میں نماز پڑھا کرتا ہوں لیکن پچھلے جمعہ کے واقعہ سے متاثر ہو کر آج یہاں آیا ہوں پچھلے جمعہ کے دن تو میں امرتسر میں نہ تھا۔ میں مسلمان ہوں میرے دل میں اسلام کا درد ہے میں اسلام کی ہر طرح خدمت کرنے کے لیے تیار ہوں چنانچہ میں نے آج اپنا فرض سمجھا ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

میں چاہتا ہوں کہ وعظ ہو وعظ کرنا جرم نہیں لیکن قرآن مجید کا ترجمہ سنائیے اور مطالب بیان کیجیے۔ سیاست کے متعلق کچھ نہ کہا جائے۔ ادھر ادھر کی باتیں نہ ہوں۔ یہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کرنے پائے تھے۔ کہ لوگوں نے جزاک اللہ جزاک اللہ کے نعرے بلند کیے۔ سفید ریش بزرگ کوٹ ٹائی سے مزین مطلب سنا کر گئے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ سفید ریش بزرگ کوٹ ٹائی سے مزین میاں نظام الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر ہیں۔

اس کے بعد مولوی عبدالواحد صاحب نے خطبۂ مسنون کے بعد قرآن شریف کی آیاتِ پاک تلاوت فرما کر ان کے مطالب و معارف بیان کرنا شروع کیے۔ اور حضرت موسیٰ، بنی اسرائیل اور فرعون کے قصہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا تمہید میں جناب مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ قرآن مجید میں اس قصہ کو اس لیے بیان

کیا گیا ہے۔ کہ مسلمان سمجھ جائیں کہ جبر و استبداد کا حشر کیا ہوتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اپنے راہِ راست پر چلنے والوں کو کس طرح عزت عطا فرمایا کرتا ہے۔ مولوی صاحب نے خدا کے فضل سے ترجمہ بیان کرتے ہیں وہ وہ مطالب بیان فرما دیئے جو حاضرین کے دلوں پر نقش ہو گئے۔ قصہ آیندہ جمعہ کے وعظ کے لیے ملتوی کیا گیا اور دعائے خیر کے بعد وعظ ختم ہوا۔

میاں نظام الدین صاحب مسجد خیر الدین میں کیوں آئے

آنریری مجسٹریٹوں کے فرائضِ سرکاری میں تازہ اضافہ

میاں نظام الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ سیکرٹری انجمن اسلامیہ امرتسر فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن ڈپٹی کمشنر امرتسر کی طرف سے ایک حکم بوساطت افسران پولیس ضلع امرتسر موصول ہوا جس کی رُو سے جناب میاں نظام الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ، جناب میاں حسام الدین صاحب سیکرٹری کشمیری کانفرنس جناب شیخ علی بخش صاحب۔ جناب سید بڈھے شاہ صاحب کو حکم دیا گیا یا اُن سے استدعا کی گئی تھی۔ کہ یہ حضرات مسجد خیر دین واقع امرتسر جائیں اور دیکھیں کہ بعد نماز جمعہ کوئی ایسا وعظ نہ ہو جس میں سیاست حاضرہ کا ذکر ہو۔ کوشش کریں کہ ایسے وعظ کو روک دیں اور اگر ممکن نہ ہو سکے تو رپورٹ لکھیں۔

میاں حسام الدین صاحب تو مکان پر تشریف نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے ان کو اس حکم کی اطلاع نہ ہو سکی سید بڈھے شاہ صاحب امرتسر میں تشریف فرما نہ تھے چنانچہ میاں نظام الدین صاحب اور جناب شیخ علی بخش صاحب حسب الحکم ڈپٹی کمشنر صاحب مسجد خیر دین میں پہنچے اور میاں نظام الدین صاحب نے وعظ سے پہلے اعلان کیا کہ کوئی سیاسی تقریر نہ ہو اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کی جائیں۔

مسلمانوں کا خیال ہے کہ ان کے مذہب میں سیاست اُن کے قرآن پاک میں ہر ایک زمانہ اور ہر ایک وقت کے احکام موجود ہیں۔ مسلمانوں کو احکام قرآن مجید اور آیات شریف سے اپنا دستور العمل مُستنبط

کرتا ہونا ہے۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ اکثر مقامات پر اس بات کا چرچا تھا۔

(زمیندار جلد ۸ شمارہ ۸۵ سہ شنبہ ۲۶ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۲۱ء)

مولوی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری

جمعیۃ العلماء ہند کا پیغام

زمیندار کے نام خاص تار

گجرات ۶ اپریل، گجرات میں ایک غیر معمولی عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تاکہ حکومت کے موجودہ جابرانہ طرز عمل کے خلاف اظہار نفرت کیا جائے۔ حاضرین نے جس جوش اور ہمدردی کا ثبوت دیا وہ حد بیان سے باہر ہے۔

جلسہ میں جمعیۃ العلماء ہند کا وہ پیغام سامعین کو سنایا گیا جو مولوی سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری پر اُن کو ارسال کیا گیا ہے اور پیغام حسب ذیل ہے۔

"کلمہ حق کے کہنے پر آپ پر جو مصیبت ڈھائی گئی آپ نے اُس کو صبر و شکر سے برداشت کیا ہے اس پر جمعیۃ العلماء آپ کو مبارکباد دیتی ہے اور خدائے عز اسمہٗ سے دست بدعا ہے کہ آئندہ بھی آپ کو ثبات قدم عنایت فرمائے (آمین)، نیز جمعیۃ العلماء حکومت کے اس فعل کو مذہب میں دست اندازی سمجھتی ہے جس کا نتیجہ حکومت کے لیے ضرور مضر ثابت ہوگا۔" (خلافت کمیٹی)

قومی مسلم یونیورسٹی کے پیغامات ہمدردی

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری

زمیندار کے نام خاص تار

علی گڑھ یکم اپریل: سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی گرفتاری کی خبر کے موصول ہونے پر ارکان

"قومی مسلم یونیورسٹی" نے "مجلس خلافت" گجرات کی معرفت سید صاحب اور ان کے اعزّہ و اقارب کو ہمدردی اور مبارک بادی کا پیغام برقی ارسال کیا کریں"۔ (رجحات)

علی گڑھ، ۱۱ اپریل۔ علی گڑھ قومی یونیورسٹی کے ارکان نے حسب ذیل پیغام برقی مجلس خلافت گجرات کو ارسال کیا ہے۔

"علی گڑھ قومی یونیورسٹی کے ارکان مسٹر محمد جان خان اور ان کے رفقا کے ایثار اور خدمات جلیلہ کو بہ نظر پسندیدگی دیکھتے ہیں۔ اور ملک و ملت کی خاطر جس قربانی کی مثال انہوں نے اپنے ابنائے وطن کے سامنے پیش کی ہے اس پر انہیں مبارک باد دیتے ہیں۔ براہ نوازش آپ ہمارا یہ پیغام ان حضرات کو اور ان کے اعزہ و اقارب کو پہنچا دیں۔ خدائے عزّاسمہ کی جناب میں ہم دست بدعا ہیں کہ وہ دیگر خدام قوم کو بھی ایسا ہی استقلال اور سچا جوش عنایت فرمائے (آمین) (رجحات)

مولوی عطاء اللہ شاہ کا مقدمہ

۱۴ اپریل کی کارروائی

(بسلسلہ اشاعت سابقہ)

عطاء اللہ شاہ عمر ۳۰ سال ساکن تاگڑیاں ضلع گجرات

مجسٹریٹ: آپ نے ۲۵ مارچ کو مسجد خیر دین میں تقریر کی تھی؟

عطاء اللہ شاہ: میں نے وہاں بھی قرآن کریم پڑھا اور یہاں بھی ایک آیت قرآن کریم کی پڑھتا ہوں۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ	سو تو کر گزر جو تجھے کرنا ہے۔ تو فیصلہ کرے گا اسی دنیا
هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا	کی زندگی میں۔ بیشک ہم دل ستان چکے ہیں اپنے پالنہار
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا	کو تاکہ وہ بخشدے ہمارے گناہ اور جو کچھ تو نے زبردستی کرا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى	دیا ہم سے جادو کا کام اور اللہ سب سے بہتر ہے اور سدا باقی ہے ۱۲

(پ ع)

کچہری میں گھبراہٹ طاری تھی۔ حکام ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

مجسٹریٹ : آپ لکھ کر دے دیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ : جس نے وہاں میرا قرآن نوٹ کیا ہے وہی لکھے اگر یہاں درست نہیں نوٹ کر سکے تو وہاں کس نے درست نوٹ کیا ہو گا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا کہ : لکھ کر دے دو۔

مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ کو ملزم سے باتیں کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

مولوی عطاء اللہ صاحب نے فرمایا : میں لکھنا نہیں چاہتا۔ میری خواہش نہیں میں پڑھنا چاہتا ہوں۔

مجسٹریٹ : آپ کا بیان

مولانا عطاء اللہ صاحب : میرا بیان وہی ہے۔

سرکاری وکیل نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے استغاثہ کا ترجمہ سنایا۔ جس کا مفاد یہ ہے :-

مولوی عطاء اللہ صاحب ایک ذی عزت آدمی ہیں آپ بھی اور ان کے والد بھی ذی عزت آدمی ہیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ جو لفظ منہ سے نکلتے ہیں۔ ان کا اثر ہو گا۔ ان کو علم تھا کہ ایسی تقریروں کا کیا اثر ہو گا۔ پہلے بھی ان کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایسی تقریروں سے منع کیا ہوا تھا۔ یہ تقریر جو انہوں نے جمعہ کے دن وعظ کی صورت میں کی تھی۔ قرآن شریف کی آڑ میں انہوں نے اپنی پولیٹیکل خواہش کو پورا کرنا چاہا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کہا اُس سے ان لوگوں کے دلوں میں جو سننے والے تھے بُرے خیالات پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ انہوں نے مسجد میں کہا کہ کہ معظمہ پر گولیاں چلائی گئیں اس طرح لوگوں کے دلوں میں نفرت اور جوش پیدا کیا انہوں نے کہا کہ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی اور وہ بطور راشن کے سپاہیوں کو دی گئیں۔ دس دس آدمیوں کو ایک عورت دی گئی اور ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں عورتوں کی عزت و حرمت بہت بڑی ہے انہوں نے کہا۔ ریزیہ لڑائی کے لیے ہم سے لیا گیا مسلمانوں سے لیا گیا گولیاں خریدی گئیں ہمارے اپنے بھائی ان سے مارے گئے۔ ایسی تقریر تھی جو بے علم لوگوں پر جن کو واقفیت بُرا اثر پیدا کر سکتی تھی۔ اور گورنمنٹ کے خلاف تھی۔

جب وعظ کے طور پر ایک جمعہ میں یہ الفاظ کہہ رہے تھے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مبالغہ قابل معافی اور جھوٹ بولنا واجب و جائز ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ وہ کس قسم کے آدمیوں کو سنا رہے ہیں۔ ایسی بات سن کر وہ فساد کرنے لگتے ہیں جس سے قتل وغیرہ کا احتمال ہے۔

حسب ذیل امور اس تقریر میں جرم ماتحت ۱۲۴ الف تعزیرات ہند عاید ہوتے ہیں:۔

۱۔ فرعون اور حکومت کے مابین مقابلہ کیا گیا یہ کہ انگریز یہ چاہتے ہیں کہ کل دنیا کو عیسائی بنالیں۔ انگریز کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہ برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ لاٹ کمشنر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ موسیٰ اور فرعون کا ذکر کیا موسیٰ نے فرعون کی سلطنت کو تباہ کر دیا وہ بچوں کو تباہ کرتا تھا۔ حکومت طریقۂ تعلیم سے وہی بات کرتی ہے۔

۳۔ پولیس والے تو ۱ تو ۲ روپے لے کر اپنے بھائیوں کے گلے کاٹتے ہیں۔ فرعون کے بھی مخبر تھے۔ لیکن انہیں زیادہ تنخواہ ملتی تھی۔ موسیٰ نے ایک شخص کو مارا خدا کو غصہ پسند ہے۔ خدا سرخ رنگ، سرخ چہرے، سرخ کپڑے پسند کرتا ہے۔ میری تعلیم بھی یہی بتاتی ہے۔ کہ سرخ کپڑے ہوں میں امام حسین کے پہلو میں چلا جاؤں۔

۴۔ ہمارے بھائی بھرتی ہو کر مدینہ منورہ گئے اور بھائیوں کو مارا خانہ کعبہ کے غلاف میں چھید کیا۔ حج کے لیے غربت کا عذر پیش کیا جاتا ہے لیکن مذکورہ بالا کام قلیل تنخواہ پر کیا گیا ہے۔

۵۔ زنانہ مدارس لڑکیوں کو تباہ کرتے ہیں۔ چائے۔ انڈے۔ انگور کھلا کر خراب کرتے ہیں، وہ گھر کے کام کے قابل نہیں رہتیں۔ بے شرم ہو جاتی ہیں جس طرح مولوی ابراہیم کی بھتیجی عیسائی ہو گئی اور برقعہ اتار کر عدالت میں کھڑی ہو گئی۔ سیلیشیا میں مسلمان عورتوں کو راشن کے طور پر تقسیم کیا گیا۔

۶۔ انگریز مکھیوں کی طرح ہیں۔ اگر تم لڑو گے تو وہ ڈنک ماریں گے۔ ان کو ہڑتال کی دھونی دو۔ اس طرح وہ بوریا بستر اٹھا کر چل دیں گے۔ بمبئی کی بندرگاہ سے سوار ہو کر چلے جائیں گے۔ ہم کنارے پر کھڑے ہو کر غرق ہونے کی دعا کریں گے اور شہد کھائیں گے۔

۷۔ افسوس ہے کہ ہمارے بچے ابھی تک انجمن اسلامیہ کے اسکول میں پڑھتے ہیں جس نے پچھتر ہزار روپیہ (۷۵۰۰۰) دیا جس سے گولیاں خریدی گئیں اور ہمارے بھائیوں پر گولیاں چلائی گئیں۔

۸۔ انگریزوں نے ہمیں ہر طرح دباؤ میں رکھنا چاہا بھرتی کیا۔ لڑائی میں مروایا۔ جلیانوالہ باغ میں مارا قید کیا، پھانسیاں دیں۔ لڑائی کا چندہ لے کر لوٹ لیا۔

چونکہ سیڈیشن میٹنگ ایکٹ نافذ ہے مسجدیں اپنی امن کی جگہ ہیں۔

۹۔ ننز وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے ان کو "شیطان کی نانیاں" کہا ہے۔

فردِ جرم لگادی گئی

مجسٹریٹ (مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب سے) آپ نے ۲۵ مارچ کو ایک تقریر کی جس کی رپورٹ او۔ پی۔ سی میں درج ہے۔ اس میں آپ نے حکومت کے خلاف نفرت یا حقارت پیدا کی۔ یا اسی کا اقدام کرایا۔ دشمنی کے خیالات کا جوش پیدا کیا اور برٹش گورنمنٹ انڈیا کے برخلاف حقارت پھیلائی۔

مجسٹریٹ: آپ نے جرم کیا ہے

مولوی صاحب: جرم ہرگز نہیں کیا۔ قرآن شریف پڑھا۔ قرآن شریف پڑھنا جرم نہیں ہے۔

مجسٹریٹ: مکرر جرح کے لیے گواہ بلانے ہیں؟ صفائی کے گواہ دو گے؟

مولوی صاحب: میں ترکِ موالات کا پابند ہوں، قرآن صفائی ہے، قرآن گواہ ہے، قرآن مذہب ہے، قرآن دین ہے۔

(فیصلہ ۸ تاریخ کو سنایا جائے گا) (روزنامہ زمیندار۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۱ء)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری

تین سال قید ● تین ماہ حبسِ تنہائی

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر نے ۸ اپریل کو فیصلہ سنا دیا اور

تین سال قید اور تین ماہ قید تنہائی کی سزا دے دی۔

اب وہ زمانہ تو گذر چکا ہے کہ ہم اس قسم کی اطلاعات پر اظہار افسوس کریں یا حالاتِ مقدمہ پر نقد و نظر کی ضرورت سمجھیں۔ لہذا ہم مولانا موصوف کی خدمت میں تہ دل سے ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں اور حکومت کو بطور احتجاج یہ جتا دیتے ہیں کہ ایک عالم دین کو مسجد میں وعظ کرنے کے جرم میں ماخوذ کرکے سزا دینا اسلام کی سخت توہین ہے اور اس سے پنجاب کے قصبات و دیہات میں خصوصاً جہاں مولانا سید عطاء اللہ شاہ کا بہت بڑا اثر ہے سخت بے چینی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

مولانا فیصلہ سننے کے وقت نہایت ہشاش بشاش تھے۔ جب پولیس ان کو جیل کی طرف لے گئی تو وہ نہایت تسکین و اطمینان سے دعا مانگ رہے تھے۔ خدا تعالیٰ ثبات و استقامت میں اضافہ فرمائے۔ آمین

زمیندار جلد ۸ شمارہ ۸۷ یک شنبہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۲۱ء

مولانا سید عطاء اللہ شاہ سنٹرل جیل میں

ع: ظُلم اپنے مُجرموں کو پا بجولاں لے چلا

پھنائی جا رہی ہیں عالمانِ دیں کو زنجیریں ÷ یہ زیور سیّدِ سجاد عالی۔ کی وراثت ہے

ایک نامہ نگار رقم طراز ہے کہ مورخہ ۹ اپریل ۱۹۲۱ء کی صبح کو مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب امرت سری پولیس کی مکمل گارد کے ماتحت امرت سر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچائے گئے۔ پولیس لاٹھیوں سے مسلح تھی۔ اور مولانا ہتکڑی بیڑی میں مقید تھے۔ امرت سر کے ریلوے اسٹیشن پر ہزارہا کی تعداد میں مخلوق خدا جمع تھی۔ اور اکثر رقیق القلب حضرات زار زار رو رہے تھے۔ پولیس والوں کے زرد اور مرعوب چہرے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مجبوراً حق و صداقت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ورنہ اندر سے جی نہیں چاہتا۔ کہ اپنا ناگوار فرض ادا کریں۔

مولانا ٹرین میں سوار ہوئے ہزارہا مسلمانوں اور ہندوؤں اور سکھوں کے نالہ و فغاں کے درمیان ٹرین لاہور کی طرف روانہ ہوئی ہر سٹیشن پر لوگوں کا بہت ہجوم ہو جاتا تھا مولانا ہر ایک سے کشادہ روئی اور تبسم سے گفتگو فرماتے تھے سب کو یہی نصیحت کرتے تھے کہ کام کرو مجھے دیکھ کر کیا کرو گے؟ ایک شخص نے قرآن مجید کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ مجھے قید کرنے والا مقدس وارنٹ ہے۔ میں اسی کے پڑھنے کے جرم میں قید ہوا ہوں میں اس کے ایک نقطہ کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ ہاں اس کے لیے جیل میں جا سکتا ہوں اور جا رہا ہوں اور وہاں مجھے اس کے پڑھنے کا کافی موقع مل جائے گا۔

پٹھان کوٹ کی ایک عورت مولانا کی زیارت کے لیے آئی مولانا نے نہایت تسکین آمیز لہجے میں اس سے گفتگو کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

لاہور پہنچ کر پولیس کی مسلح گارد کی حراست میں مولانا سنٹرل جیل پہنچا دیئے گئے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ کے مقدمے کا فیصلہ

بعدالت مسٹر ایف اے کانر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر

قیصر ہند بنام مولوی عطاء اللہ ولد حافظ ضیاء الدین قوم سید ساکن تاگریاں

جرم زیر دفعہ ۱۲۴۔ الف مجموعہ تعزیرات ہند

تاریخ اجرائے مقدمہ ۲؍اپریل ۱۹۲۱ء

فیصلہ: اس مقدمہ میں امرت سر شہر کا ایک مولوی عطاء اللہ ملزم ہے۔ یہ شخص زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند ایک وعظ کی بنا پر گرفتار کیا گیا ہے۔ جو اس نے شیخ خیر دین کی مسجد واقع امرت سر میں بروز جمعہ ۲۵؍مارچ ۱۹۲۱ء کو کثیر التعداد جماعت کے سامنے بیان کیا تھا استغاثہ کا بیان ہے کہ اس وعظ سے حکومت کے خلاف جو بروئے قانون قائم ہے نفرت و حقارت پھیلنے کا احتمال ہے۔

یہ استغاثہ حکومت کی منظوری لینے کے بعد دائر کیا گیا ہے۔

استغاثہ کے دس گواہوں نے یہ وعظ سنا ان میں ایک غلام محی الدین کانسٹیبل رگواہ استغاثہ نمبر ۲)

تھا جو وعظ سننے کے بعد کوتوالی پہنچا اور اِس نے وعظ کے نوٹ تیار کر کے اپنے حکام کے پاس بھیجے وعظ کا ترجمہ مختصراً درج ذیل ہے:۔

ا۔۔۔ ہندوستان کی موجودہ حکومت کا مقابلہ فرعون سے کیا گیا اور مسٹر گاندھی کی موسٰی سے مثال دی گئی۔

ا۔۔۔ فرعون کی سلطنت برطانیہ کی نسبت بڑی اور طاقتور تھی۔ فرعون منجموں سے صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا اور انگریز ڈاکٹروں سے مشورہ لیتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں جگہ رہنا صحت کے لیے مُضر ہے تو انگریز فوراً اس جگہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں کوئی ایسا ڈاکٹر پیدا کر دے جو ہندوستانیوں سے تین چار لاکھ روپیہ لے کر انگریزوں کو یہ سمجھا دے کہ ہندوستان کی آب و ہوا خراب ہے۔

ب۔۔۔ فرعون تو یہ دعوٰی کرتا تھا کہ وہ کائنات کا خُدا ہے اور انگریز یہ کہتے ہیں کہ دنیا پر امن و امان پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ تمام نسل انسانی کو عیسائی بنا لیا جائے۔

ج۔۔۔ ان انگریزوں کے صلاح کار لائڈ جارج (رجا ! رَج بھکھیا۔ یعنی اے بھوکے جا اور اپنا پیٹ بھر) گورنر کمشنر اور دوسرے لوگ ہیں۔

د۔۔۔ فرعون کے مُنجموں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہو گا جو فرعون کی سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ اس فرعون نے موسٰی کو تباہ کرنے کے لیے یہ حکم دیا کہ جو بچہ پیدا ہو وہ پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے۔ فراعنۂ یورپ (ہندوستان کی انگریزی حکومت سے مراد ہے) نے اخلاق کو تباہ کرنے والے اور غلام بنانے والے نظام تعلیم سے ہندوستانیوں کی قومی رُوح اور مذہبی سرگرمی کو برباد کر دیا ہے نتیجہ یہ ہُوا کہ ہمارے بھائیوں نے نو نو روپے کی ذلیل تنخواہ پر فوج میں بھرتی ہو کر مکہ اور مدینہ میں خانہ کعبہ کو اور اپنے بھائیوں کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ لیکن جب حج کا سوال پیدا ہو تو ہمارے بھائی مفلسی و ناداری کا عذر پیش کرتے ہیں۔ لڑکیوں کے لیے سکول کھول رکھے ہیں اور یہ سیاہ نتیں دشیطان کی نانیاں، سفید لباس میں دیہات کی لڑکیوں کو انگور کھلاتی اور لپٹن کی چائے پلاتی ہیں۔ اور لپٹن کی لپیٹ میں لا کر گھر کے کام کاج کے ناقابل بنا دیتی ہیں۔ چنانچہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی

کی بھتیجی کا حال دیکھ کر اس نے بر سرِ عدالت اپنا برقع اتار کر اپنے باپ کے منہ پر مارا۔ یہاں کی ابتدائی تعلیم اور کالج کی پڑھائی انسان کو غلام بنا دیتی ہے۔ یورپ کا فرعون ہندوستانی عورتوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تاکہ اُن کی اولاد غلام بنی رہے۔ سلیشیا میں ہماری عزت و حرمت کو اس طرح ذلیل کیا گیا کہ ایک مسلمان عورت دس دس سپاہیوں کو راشن کی طرح دی گئی

ﻫ ــــ فرعون کو خبر نہ تھی کہ وہ بچہ جس کی نیا ڈھی کو اُس نے اپنا مقصد قرار دے رکھا ہے خود اُسی کے شاہی محل میں پرورش پائے گا۔ اور اُس کی ڈاڑھی نوچے گا۔ اسی طرح مہاتما گاندھی بھی برطانی ہند میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم پائی۔ یہیں کے تعلیمی اعزازات حاصل کیے اور اب انگریزوں ہی کو برباد کرنے پر کمربستہ ہیں لیکن انگریز اپنے ہی گھر میں اس "گھر ٹھوکو" کو دیکھ نہیں سکے۔

نوٹ (لفظ گھر ٹھوکو" کہتے ہوئے ملزم نے منبر پر ایک نہایت فحش اور مکروہ اشارہ کیا دیکھو بیانِ گواہ استغاثہ نمبر۴)

مہاتما گاندھی اور موسیٰ دونوں کے نام حرف میم سے شروع ہوتے ہیں۔

لارڈ جارج پر ایک شخصی حملہ کیا گیا جس کا یہاں ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

و ــــ فرعون نے سی۔آئی۔ڈی کی مدد سے ایک ایسی دایہ تلاش کی جسے شیر خوار موسیٰ نے پسند کیا۔ موجودہ سی آئی۔ڈی کے آدمی تو روپے کی ذلیل رقم کے لیے اپنے بھائیوں کا گلا کاٹتے ہیں۔ خدا کرے ان کے ہاتھوں میں جذام ہو جائے۔ قیامت کے دن ان کا سیاہ نامۂ اعمال ان کی گردن میں لٹکایا جائے گا (اس موقع پر ملزم نے پولیس کے ان سفید پوش آدمیوں کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت موجود تھے) اگر یہ لوگ اس قسم کا کام چھوڑ دیں تو انگریزوں کو یہی کام خود کرنا پڑے۔

ز ــــ جب موسیٰ جوان ہوئے تو انہوں نے ایک مصری کو جوشِ جلالت میں مار ڈالا۔ خدا ایسے جیالوں کو پسند کرتا ہے۔ خدا سُرخ رنگ، سُرخ کپڑوں، سُرخ چہرے اور سُرخ گریبان پر خوش ہوتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی اپنے کپڑوں پر سرخ چھینٹے دیکھوں۔ تاکہ مجھے جنت الفردوس میں حضرت امام حسینؓ کی آغوش میں جگہ ملے۔

ملزم کے وعظ میں مندرجہ ذیل اشارات بھی تھے ۔

۲ـــــ جرمنوں نے چالیس سال تک جنگ کی تیاری کر کر کے بالآخر شکست کھائی۔ کاش انگریزوں کو بھی اسی طرح کسی کے ہاتھوں شکست کھانی پڑے۔ ہندوستانی جرمنوں کی طرح جنگ کی تیاریاں نہیں کرسکتے اس لیے انہیں چاہیئے کہ "تاک دھونی" کا طرزِ عمل اختیار کریں۔ انگریز شہد کی مکھیوں کی مانند ہیں۔ یہ سفید رنگ کی مکھیاں ہیں۔ ان پر کوئی چیز نہ پھینکو ورنہ یہ مکھیاں کاٹنے دوڑیں گی۔ اگر یہ تمہارے چہرے پہ بیٹھ جائیں تو تم انہیں ہٹا سکتے ہو اور ایک دو کو مار بھی سکتے ہو لیکن یہ بہت طاقتور ہوتی ہیں اور انسان کا خون پی لیتی ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو "عدم تعاون" اور "ہڑتال" کی دھونی دو۔ پس پھر یہ اپنا بوریا بندھنا باندھ کر بمبئی سے روانہ ہو جائیں گے اور ہم کہیں گے کہ اَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ یعنی خدا فرعون کی اولاد کو غرق کرے (؟)

۳ـــــ اگر ہندوستانی صرف کھدر کا کپڑا ہی پہننا شروع کر دیں تو انگریزوں کا دیوالا نکل جائے ۔

۴ـــــ نہایت افسوس کی بات ہے کہ مسلمان بچے اب تک انجمن اسلامیہ کے سکول میں جاتے ہیں۔ حالانکہ انجمن نے سرمایۂ جنگ میں پچھتر ہزار روپیہ دیا تھا تاکہ ان کے بھائیوں کے سینے چھلنی کرنے کے لیے اس روپے سے گولیاں خریدی جائیں۔

۵ـــــ انگریزوں نے ہر ممکن طریق سے ہندوستانیوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہت سے فوج میں بھرتی کر لیے گئے تاکہ مارے جائیں۔ بعض جلیاں والا باغ میں ذبح کر دیئے گئے۔ بعض مارشل لا میں قید کر دیئے گئے اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ جو باقی رہ گئے ان کا مال و متاع سرمایۂ جنگ کے لیے لوٹ لیا گیا اور وہ افلاس کے گڑھے میں پھینک دیئے گئے۔

۶ـــــ جب سے "قانونِ امتناعِ مجالسِ باغیانہ" نافذ ہوا ہے صرف مسجد ہی ایک مقامِ امن ہے۔ لہٰذا عوام کو چاہیئے کہ مسجد کی مرمت کے لیے دل کھول کر چندہ دیں۔

یہ اقتباسات کافی ہوں گے۔ میرے روبرو ملزم نے بیان کیا ہے کہ اس نے محض قرآن کریم پڑھا۔ ملزم نے کوئی جوابِ استغاثہ اس بنا پر پیش نہیں کیا کہ وہ "عدم تعاون" کا پابند ہے ۔

فیصلہ کے لیے پہلا سوال یہ ہے کہ آیا ملزم نے یہ وعظ کہا تھا جو اُس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؟ گواہان استغاثہ نے جو کچھ کہا اُسے مبالغہ کے ساتھ بیان کرنے میں اُن کا کوئی خاص مقصد نہیں اور جس طریقے سے اُنہوں نے اپنے بیانات دیئے اُن سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دانستہ ایک فرضِ ناگوار انجام دے رہے تھے گواہ استغاثہ نمبر ۱ مولوی نور احمد نے جو ملزم کا ہم پیشہ مولوی ہے حتیٰ الامکان ملزم کو مدد دینے کی کوشش کی ہے اور اس واقعہ پر از خود زور دیا ہے کہ سامعین کی جماعت دورانِ وعظ میں جوش سے بھری ہوئی معلوم نہ ہوتی تھی لیکن یہ امر خارج از بحث ہے کیونکہ جرم زیرِ غور یہ نہیں کہ تقریر کا حقیقی اثر کیا ہوا؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ الفاظ سے کس قسم کا جذبہ پیدا کرنا مقصود تھا؟ گواہ مذکور اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ سامعین مولوی عطاء اللہ کا وعظ نہایت توجہ سے سُن رہے تھے۔ ملزم نے قرآن کریم سے چند آیات پڑھیں اور حاضرینِ مسجد کو ان کی تشریح و تفسیر کر کے سنائی۔ گواہ نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ وعظ کا مضمون "فرعون و موسیٰ کے متعلق تھا اور ملزم نے کہا تھا کہ مہاتما گاندھی کا نام بھی موسیٰ کی طرح حرفِ میم سے شروع ہوتا ہے"۔ گواہ نے تسلیم کیا ہے کہ ملزم نے حکومت کا مقابلہ "شہد کی مکھیوں" سے کیا اور گواہ نے "سودیشی دُھواں" کے الفاظ بھی سُنے ہیں۔ اس کے علاوہ مذکور نے ڈاکٹروں کی رشوت کے متعلق بھی کچھ سُنا تھا۔ گواہ نے از خود یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُس نے کوئی ایسی بات نہیں سُنی جس سے بدنظمی پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ لیکن ساتھ ہی گواہ کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ ایک ملحقہ حجرہ میں پچھلی طرف بیٹھا تھا اور وعظ کے پہلے حصے میں موجود بھی نہ تھا۔ سب سے اخیر وہ کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور مجھے ثقلِ سماعت کی تکلیف ہے۔ اس کا بیان دورانِ تحقیقات میں ایک اول درجے کے مجسٹریٹ نے قلم بند کیا تھا۔ دیکھو نقشہ پی۔ جے (P-و) وہ کہتا ہے کہ میں انگریز کا لفظ زبان پر نہیں لایا جیسا کہ بیان مذکور میں درج ہے۔ باقی امور میں وہ بیان صحیح ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اسی بیان میں گواہ نے کہا ہے کہ ملزم نے "فرعون" کے ہمراہیوں کی غرقابی کا تذکرہ کیا۔ مگر چونکہ گواہ مولوی ہے یہ قدرتی بات ہے کہ اسے اس قسم کی شہادت خلافِ مرضی دینی پڑی ہو اور ممکن ہے کہ اسے ڈرایا دھمکایا بھی گیا ہو۔ چونکہ وہ وعظ میں موجود تھا۔ استغاثہ نے مناسب نہیں سمجھا کہ اسے شہادت میں پیش نہ کرے۔ شہادت دیتے ہوئے اسے جو روحانی کوفت ہوئی وہ بھی اس کے طرزِ عمل اور اس بات سے ہویدا ہوتی تھی کہ اس نے کئی مرتبہ برف آب کے جرعے پیئے اور

گواہوں کے کٹہرے میں ایک خادم بھی ہمراہ رکھا۔ بہ حالات نیز گواہ کا یہ عذر کہ میری سماعت میں فرق ہے میں بیمار ہوں اور مسجد میں دیر سے پہنچا تھا بہت کچھ معنی خیز ہیں۔

میں بلا تامل اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ملزم نے اسی طرح سے وعظ کیا جس طرح سے نقشہ جات ملحق اور سی میں درج ہے اور گواہان استغاثہ نمبر ۲ سے ۸ تک نے بیان کیا ہے اور اس سے بس یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا تصفیہ طلب امر یہ ہے کہ ملزم نے جو کلمات کہے آیا وہ باغیانہ ہیں یا نہیں؟ آیا ان سے نفرت و حقارت کے جذبات پھیلتے ہیں یا نہیں؟ آیا ان سے اس حکومت کے خلاف جو برو‌ئے آئین برطانی ہند میں قائم ہو چکی ہے بد دلی پھیلتی ہے یا نہیں؟ آیا وہ جذبات نفرت و حقارت کو برانگیختہ کیے بغیر حکومت پر معقول نکتہ چینی کی حد میں آ سکتے ہیں یا نہیں؟ فرعون کے ہاتھ سے بچوں کے اتلاف کا جو مقابلہ حکومت کے مروجہ طرز تعلیم کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے بظاہر حکومت کی حقارت مقصود ہے۔ پھر اس کا یہ کہنا کہ انجمن نے سرمایہ جنگ میں جو چندہ دیا تھا اس سے گولی بارود خرید کر ہمارے بھائیوں کو ہلاک کیا گیا اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی گئی ہے یہ اس غلط بیانی اور دروغ بافی کی مثال ہے جو اس شخص نے مذہب کی آڑ میں منبر سے تلقین کی تاکہ حکومت کے خلاف نفرت و بد دلی پھیلائی جائے۔ اسی طرح سے وہ اپنے مسلمان سامعین سے استدعا کرتا ہے جن کے نزدیک عورت کی عزت و حرمت سب چیزوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اس غلط بیانی سے کام لیتا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کے اخلاق بگاڑے جا رہے ہیں تاکہ ان کی اولاد حلقہ بگوش ہو۔ وہ کہتا ہے کہ مسلمان عورتیں شہوت رانی کے لیے سپاہیوں کو مہیا کی جاتی ہیں۔ سامعین میں زیادہ تر جاہل لوگ تو اس کا یہی مطلب سمجھیں گے کہ حکومت نے نہایت مذموم کارروائی کی ہے اور کیونکہ ملزم یہ باتیں وعظ میں کہہ رہا تھا اس لیے وہ عذر بھی پیش نہیں کر سکتا کہ مبالغہ قابل عفو اور دروغ بیانی جائز ہوتی ہے۔

پولیس کے متعلق بھی اس کے الفاظ بہاں طور پر ایسے ہیں جن سے پولیس کے دلوں میں حکومت کی طرف سے بد دلی پھیل سکتی ہے اور اس کا اثر خود غلام محی الدین ہیڈ کانسٹیبل نے محسوس کیا ہے۔

پھر اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکومت ہر ممکن ذریعہ سے ہندوستانیوں کا استیصال چاہتی ہے یعنی انہیں مروانے کے لیے فوج میں بھرتی کرتی ہے۔ جلیاں والا باغ میں کشت و خون کا بازار گرم کرتی ہے۔

مارشل لا کے ماتحت قید کرتی اور پھانسی دیتی ہے، روپے پیسے سے محروم کرتی ہے۔ یہ باتیں بھی صریح غلط بیانیاں ہیں جن سے حکومت کے خلاف حقارت و بد دلی پیدا کرنا اور سامعین کو عمل کے لیے ابھارنا مقصود ہے۔

مسٹر گاندھی اور حضرت موسیٰؑ کے تقابل کے متعلق اس شرمناک اشارہ کی بابت کچھ لکھنا غیر ضروری ہے جس سے اس نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسٹر گاندھی حکومت کو کس طرح دق اور پریشان کر رہا ہے۔ یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ موسیٰ نے فرعون کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ موسیٰ کا ایک مصری کو مار ڈالنا اور سُرخ رنگ کا حوالہ صاف طور پر خونریزی کا اشتعال ہے اور اس کے وعظ کے دوسرے حصوں کی طرح یہ باتیں بھی اس ملک کی موجودہ حکومت کے خلاف کہی گئی ہیں۔ اس کی یہ آرزو کہ انگریزوں کو جرمنوں کی طرح شکست ہو اور اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ کی بد دعا جو بقول اس کے اس وقت زبان پر لائی جائے گی جس وقت انگریز سواحل ہند سے روانہ ہوں گے حقارت و بد دلی کی حقیقی مثالیں ہیں جو اسے سامعین کے دلوں میں پیدا کرنی مقصود تھی۔

ملزم کا اپنے برادرانِ دینی کو یہ ملامت کرنا کہ جب حج کے لیے کہا جاتا ہے تو تم غربت کا عذر پیش کرتے ہو درانحالیکہ اُس نے خود حج نہیں کیا۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ خلوص کی ایک اور مثال ہے اس کا مرمت مسجد کے لیے چندے کی درخواست کرنا جس میں وہ خود وعظ کر رہا تھا اور یہ کہنا کہ قانون مجالس باغیانہ کی وجہ سے مسجد ہی ایک پناہ کی جگہ رہ گئی ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تعلیمات کو سیاسی اغراض میں برت رہا ہے اور یہی نیت اُس کے تمام وعظ سے مترشح ہوتی ہے۔

تخیل کو خواہ کتنی ہی وسعت کیوں نہ دیں، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ملزم کا وعظ محض حصول سوراج کی خواہش پر مبنی تھا اور نہ ملزم نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چنانچہ میں تو تسلیم کرتا ہوں کہ ملزم نے جو تقریر کی ہے اُس سے ایک ایسی حکومت کے خلاف جو برطانی ہند میں ہر روئے قانون قائم ہو چکی ہے۔ نفرت و حقارت اور بد دلی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، وعظ مذکور حکومت یا کسی سرکاری افسر کے کسی خاص فعل یا کارروائی کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے کوشش کی گئی تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اس نظام ترکیبی کے خلاف نفرت پیدا کی جائے جس کے ماتحت وہ رہتے ہیں

اور اسے بدل دیا جائے۔ موجودہ نازک ساعت میں مذہب کے نام سے ایک غیر تعلیم یافتہ اور اشتعال انگیز مجمع کے سامنے کوئی تقریر کرنا ایسا ہے کہ اس سے بحیثیت مجموعی دلوں میں ایسی تلخی پیدا ہو سکتی ہے اور ایسے جذبات برانگیختہ ہو سکتے ہیں کہ لوگ فوراً عملی کارروائی شروع کر دیں۔ سامعین میں سے اگر کوئی شخص ملزم کا وعظ سننے کے بعد باہر آتا اور پہلا انگریز جو اُسے ملتا اس پر بر سر بازار حملہ کر دیتا۔ تو یہ چنداں باعث تعجب نہ تھا۔

میں بلا تامل ملزم کو زیر دفعہ ۱۲۴ الف، تعزیرات ہند مجرم قرار دیتا ہوں۔ جون ۱۹۲۰ء میں اُسے تنبیہ ہو چکی ہے۔ اس لیے وہ اس قسم کی تقریر کرنے کے نتائج و عواقب اور سزا سے بخوبی آگاہ تھا قانون کے رُو سے زیادہ سے زیادہ سزا "حبس دوام بعبور دریائے شور" کی ہو سکتی ہے۔ لیکن میں ملزم کو تین سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔ جس میں تین ماہ کی قید تنہائی ہو گی۔

دستخط:

ایف۔ اے کانر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (امرتسر) ۸ اپریل ۱۹۲۱ء

("زمیندار" جلد ۸، شمارہ ۸۹ مورخہ ۳ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۲۱ء)

مولانا شوکت علی کا برقی پیغام

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو مبارکباد

مجلس خلافت پنجاب کو مولانا شوکت علی صاحب نے ذیل کا برقی پیغام بھیجا ہے:۔

"میرٹھ ۱۰ اپریل: مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری پر اُن کو مبارکباد پہنچا دیجیے کہ ان کی دلی آرزو بار آور ہوئی جس ہمت، شجاعت اور خندہ پیشانی سے انہوں نے اس گرفتاری کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہے حقیقت میں وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔"

("زمیندار" ۱۲ اپریل ۱۹۲۱ء)

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کا مقدمہ

اور

ایک عظیم افتراء

روزانہ اخبار "زمیندار" مورخہ ۵ اپریل میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ میں گواہ نمبر ۲ عبداللہ ذوق نامی کے بیان میں خاکسار کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے کہ "مولوی ابراہیم سیالکوٹ والے کا ذکر ہے کہ اس کی ایک بھتیجی باہر بھاگ گئی"۔ یہ بالکل افترا اور سراسر بہتان ہے۔ میری پانچ بھتیجیاں ہیں، ایک کم سن ہے اور چار بڑی شادی شدہ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ سب نے اپنے گھر میں قرآن شریف اور پنجابی اور اردو کتب دینیہ کی تعلیم حاصل کی ہے اور سینا پرونا دستکاری سیکھی ہے۔ خدائے تعالے کا سایۂ رحمت ہے کہ ہمارے گھر میں ایسا ناشدنی واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ گواہ کا یہ بیان سراسر بہتان ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے ایسا بے بنیاد کذب کبھی بیان کیا ہو کیونکہ قرآن شریف میں وارد ہے

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب پ۲۲)

یعنی، جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ایسے کاموں کے سبب سے ایذا دیتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیے تو وہ بہتان اور صریح گناہ اٹھاتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:-

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ

یعنی جس بات کا تجھ کو علم نہیں اس کی پیروی نہ کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل سب سے قیامت

مسئولاً (بنی اسرائیل پ ۱۵) کے دن پرسش ہوگی۔

جب قرآن میں یہ احکام ہیں تو ہم کس طرح باور کرسکتے ہیں کہ ایک واعظ عین حالت وعظ میں خود قرآن کے مخالف چل کر اپنی عاقبت برباد کرے گا۔ یہ سب یاروں کا ساختہ ہے۔

(عبدہٗ ابراھیم میر سیالکوٹی ۷؍اپریل ۱۹۲۱ء)

زمیندار: اگر مذکورہ بالا بیان صحیح ہے تو ہمیں افسوس ہے کہ ایک مقدمہ میں بالکل ہی غیر متعلق بات باندھنے سے مولوی صاحب کو خواہ مخواہ رنج پہنچایا گیا۔

(زمیندار جلد ۸ شمارہ ۸۹ مورخہ ۳ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۱۹۲۱ء)

شیخ جان محمد جونیجو کی وفات حسرت آیات

جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ کا جلسہ تعزیت (خاص تار بنام زمیندار)

علی گڑھ ۱۲؍اپریل: جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسرز اور طلبہ نے ایک عام جلسہ منعقد کیا جس میں سردار جان محمد صاحب جونیجو رئیس المہاجرین کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اور مرحوم کی اسلامی خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا گیا نیز مرحوم کے پسماندوں میں اظہار ہمدردی ہوا اس جلسہ میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی عظیم قربانی پر انہیں مبارکباد دی گئی اور مجسٹریٹ کے وحشیانہ حکم کے ظلم کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔

(محمد حیات رجسٹرار)

(زمیندار جلد ۸ شمارہ ۹۲ ۶ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۵؍اپریل ۱۹۲۱ء)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ کی گرفتاری

اہل لدھیانہ کا جلسہ عام ● خاص تار بنام "زمیندار"

لدھیانہ ۱۲؍اپریل یہاں ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب کو ان کی سزا یابی پر مبارکباد دی گئی اور دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں موجودہ ابتلا میں صبر و استقامت عطا فرمائے۔ مولانا موصوف پر مقدمہ چلا کر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے مذہب میں دخل دیا ہے اس لیے عوام حکومت کے اس فعل کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

(محمد شریف سیکرٹری خلافت)

مقدمہ ثانیہ
حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر شریعت پنجاب

صدر احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کا مقدمہ

فرد جرم عاید کردی گئی • ملازمان پولیس اور قادیانی گواہوں کے بیانات

اگر میں کانفرنس میں شریک ہوتا تو بخاری کو وہیں قتل کر دیتا (محمد نذیر قادیانی)

مولانا مظہر علی اظہر کی زبردست بحث

گورداسپور ۲ مارچ: آج پھر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا مقدمہ دیوان سکھانند سپیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے سرکاری وکیل اور قبلہ شاہ صاحب کی طرف سے مولانا مظہر علی اظہر شریف حسین خان صاحب، ملک عبد العزیز صاحب وکیل اور گورداسپور کے دیگر معزز وکلاء پیش ہوئے۔

عبد الحفیظ کانسٹیبل کی شہادت

کارروائی مقدمہ سننے کے لیے پٹھان کوٹ، سوجان پور، دینا نگر، بٹالہ، قادیان، امرت سر، لاہور، ڈیرہ غازی خان و دیگر اطراف و اکناف سے مسلمان کافی تعداد میں آئے ہوئے تھے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر مجلس احرار اسلام ہند بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔

استغاثہ کی طرف سے متعدد گواہ پیش ہوئے جن کی شہادتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ عبد الحفیظ ہیڈ کانسٹیبل بٹالہ نے باقرار صالح بیان کیا کہ میں ۱۹۳۴ء میں بٹالہ میں متعین تھا جو اشتہار منعقدہ احرار کانفرنس قادیان شائع ہوئے ہیں میں نے مرزا عطاء اللہ انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی کو دیئے۔ جو

تعداد میں ۵ تھے۔ موجودہ اشتہارات وہی ہیں جو میں نے مرزا صاحب موصوف کو دیئے تھے۔

(۲) آغا رشید احمد سب انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے کہا میں عرصہ ۱۴ سال سے پولیس میں ملازم ہوں اور ۱۲ سال سے سپیشل ڈیوٹی پر خفیہ پولیس کا کام کرتا ہوں۔ اور پولیٹیکل کانفرنس میں حکومت کی طرف سے بطور رپورٹر جاتا رہا ہوں۔ شارٹ ھینڈ کے ذریعہ ڈائری لکھتا رہا ہوں۔ میں بی اے۔ ایل ایل۔ بی منشی فاضل اور ادیب فاضل ہوں۔ احرار کانفرنس قادیان میں میں ۲۱-۲۲-۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو موجود تھا۔ میں نے باقاعدہ سٹیج ٹکٹ حاصل کیا ہوا تھا جو انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی کو دے دیا گیا۔ ٹکٹ داخلے کا تھا۔ سید صاحب کے ابتدائی ایڈریس کے نوٹ میں نے شارٹ ھینڈ میں لیے تھے جو میں نے شروع میں نوٹ لکھے ہیں۔ میں یہ نوٹ دفتر سی۔ آئی۔ ڈی سے باجازت گزیٹڈ آفیسر لایا ہوں۔ ملزم کی تقریر صفحہ ۱ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۴۱ پر ختم ہوتی ہے۔ لفافہ کو مہریں لگی ہوئی ہیں۔ جو درست ہیں۔ چونکہ عبارت شارٹ ھینڈ میں لکھی ہوئی ہے اور تقریر کو نوٹ کیے دو ماہ ہو چکے ہیں اس لیے میں بغیر مطالعہ کے تقریر نہیں بنا سکتا لہٰذا مجھے مطالعہ کے لیے وقت ملنا چاہیئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں مطالعہ کے لیے کتنا وقت لوں۔ پھر گواہ نے شاہ صاحب کی تقریر کے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ بعد ازاں گواہ نے کہا یہ کاپی میں نے ایک کانسٹبل کے ذریعے سی۔ آئی۔ ڈی خفیہ پولیس کو بھیج دی۔ میں نے تمام اجلاس کی کارروائی کی نقل کانسٹبل کو دی تھی۔ صفحہ ۳ کے اخیر پر ایک لفظ درمیان میں تھوڑا اور صحیح پڑھا نہیں جاتا۔ صفحہ ۲۳ پر چند باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں جو میں پڑھ نہیں سکا۔ صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۲۳ پر متعدد الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ مجھے یاد نہیں کہ جب صاف عبارت اردو میں لکھی گئی۔ تو یہ الفاظ جو میں اب نہیں پڑھ سکا وہ میں نے اس وقت پڑھ لیے تھے یا نہیں $\frac{4}{1}$ تا $\frac{4}{3}$ میرے سامنے لکھی گئی۔

(۳) بخشی بدری ناتھ انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے کہا میری ڈیوٹی جلسہ گاہ میں لگی ہوئی تھی۔ آغا رشید احمد نے احرار کانفرنس قادیان کے نوٹ شارٹ ھینڈ میں میری موجودگی میں لیے تھے جس کتاب میں نوٹ لیے تھے۔ اس کے ہر ایک صفحہ پر میں نے دستخط کیے تھے۔ شارٹ ھینڈ کا اردو ترجمہ کیا گیا۔ اس پر میرے ہاتھ کا ایک نوٹ ہے جو صفحہ ۴۲ پر ہے۔

بابو فقیر محمد کا بیان

بابو فقیر محمد گواہ نے باقرار صالح بیان کیا کہ میں خفیہ پولیس برانچ میں ہیڈ کانسٹیبل ہوں۔ تقریروں کا ترجمہ پولیس برانچ آفس میں میری نگرانی میں ہوا۔ اس کے ایک حصہ کا میں نے ترجمہ کیا تھا۔ چند اور مترجم تھے۔ یہ ترجمہ میں نے اپنی قابلیت کے مطابق کیا تھا۔ زمیندار اخبار مورخہ ۴ ۱۲/۳۴ کا ترجمہ بھی میری موجودگی میں ہوا ۲۰ ۱۱/۳۴ کا ترجمہ ہمارے دفتر میں ہوا۔ الفضل اخبار ۲۲ ۱۱/۳۴ کا ترجمہ بھی ہماری موجودگی میں ہوا اور الحکم اخبار ۷ ۱۱/۳۴ کا ترجمہ بھی کیا گیا۔

ملک عبدالرحمٰن خادم متعلم لاء کالج نے کہا میں مرزائی ہوں۔ گجرات پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ موجودہ خلیفہ محمود ہے۔ اور مرزا غلام احمد بانی موجودہ خلیفہ کا والد تھا۔ میں اس کی رسوائی کو اپنی جماعت کی رسوائی سمجھتا ہوں۔ میں نے خطبہ صدارت زمیندار میں پڑھا۔ مشتعل ہوا۔ میں اس دن قادیان میں موجود تھا۔ میں خلیفہ کے حکم کے مطابق کانفرنس میں نہیں گیا۔

اس کے بعد عدالت کل کے لیے برخاست ہوئی۔

۱۹ دسمبر کی کارروائی

گورداسپور ۱۹ دسمبر۔ حسب معمول شاہ صاحب کا مقدمہ دیوان سکھانند صاحب سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں پیش ہوا۔ وکلاء صاحبان و دیگر برادران ملت کارروائی مقدمہ دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔

فیروزالدین کانسٹیبل ۵۱۱ کا بیان

میں مرزائی نہیں ہوں۔ میں اردو شارٹ ہینڈ لکھنا جانتا ہوں۔ میں بطور رپورٹر ۱۹۲۴ء سے کام کرتا ہوں۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں کانگرس کے جلسوں کے پٹھان کوٹ اور گورداسپور میں نوٹ لیتا رہا ہوں۔ احرار اور اکالی تحریک میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ۱۹۳۲ء میں اردو شارٹ ہینڈ کا امتحان پاس کیا اور تب سے کام

کرتا ہوں۔ میں نے احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کی رپورٹ لی مجھے جناب کپتان صاحب بہادر پولیس گورداسپور
نے اس ڈیوٹی پر تعینات کیا تھا۔ میں نے ۲۱/۱۰ کی احرار تبلیغ کانفرنس قادیان کی میٹنگ جس میں ملزم نے تقریر کی
شمولیت کی تھی۔ تقریر ۹ بجے رات کو شروع ہو کر ۱۲ بجے رات کو ختم ہوئی۔ ملزم کے پہلے نوٹ جناب آغا
رشید احمد صاحب سب انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی لاہور نے لیے تھے اور کچھ نوٹ میں نے کیوں کہ آغا صاحب نے
کوئی ضروری کام کرنا تھا۔ اس واسطے وہ چلے گئے تھے۔ ملزم نے کچھ اردو اور کچھ پنجابی میں تقریر کی جس وقت
تقریر ہوئی۔ اس وقت ۹-۱۰ ہزار آدمی تھے۔ جو زیادہ تر دیہات کے لوگ تھے۔ حاضرین پر اچھا اثر ہوتا تھا۔
دوران تقریر میں نعرے لگائے جاتے تھے۔ سید صاحب کی تقریر مرزائیوں کے خلاف تھی۔ مرزائیوں کو خنزیر
سے تشبیہ دی تھی۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کے بغیر دُم کے کتے کہا گیا وغیرہ وغیرہ اور کہا:

مار دیا ہم کو لفظ تبلیغ نے اور غیر سیاسی مجلس نے اگر واگاں کھلیاں ہوندیاں۔ مرزائیو! پھر کہہ دیا
ہاں کہ اجے بھی ہوشیار ہو جاؤ تسیں اتنے بھی نہیں جتنی پنجاب دی جھگ ہوندی اے۔ نبوت تے خلافت
حکومت برطانیہ دے کلے تے ہے۔ تہانوں کی پتہ اے کہ ایہ کلت پولیس ۵ سال بعد ساڈے قبضے وچ
ہوئے گی۔ جو پانچویں جماعت فیل ہو جاندا اے۔ اوہ نبی بن جاندا اے۔ ایہ مثال ہندوستان دی اے۔ جو
فیل ہو جائے اوہ نبی بن جاندا اے۔ اوہ نبی بھلا ہوندا اے۔ غریب شاہ مجلس احرار کے رضاکار کو مارا۔ اے
مسیح کی بھیڑو۔ تہانوں کوئی فکر یا نہیں۔ سمجھا ہو جہاں نال لگا اے اوہ مجلس احرار ہے یہ تمہارے لیے عذاب ہے

بجواب جرح گواہ نے کہا کہ غریب شاہ کو عرصہ ایک سال کا ہو گیا۔ مرزائیوں نے مارا تھا۔ وہ تھانہ گیا تھا۔
میں اس وقت بٹالہ میں تھا۔ محمد حسین عبدالکریم ایڈیٹر مباہلہ کا رشتہ دار تھا۔ مولوی عبدالکریم قادیان میں
رہتے تھے۔ انہوں نے اپنا مکان احرار کو ہبہ کر دیا ہوا ہے۔ مولوی عبدالکریم پہلے مرزائی تھے۔ اور اب وہ
اہل سنت والجماعت ہیں۔ سید صاحب کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ شاہ صاحب نے کہا تھا۔ جے
نبی بھیڑیا بنیاں ایہناں کو کی نشان تے رکھو۔ ایہ نبوت دا دعویٰ کیتا ای تے برطانیہ دا کتا بن۔ مرزا
غلام احمد کہتا ہے۔ مجھے سب مسلمان مانتے ہیں اور دعوت قبول کرتے ہیں۔ مگر حرامی نہیں مانتے۔ جس طرح انہوں
نے دودھ سے مکھن کی طرح نکال دیا ہے۔ اسی طرح تم ان کو مکھن سے بال کی طرح نکال دو۔ اگر تم نیک نامی

چاہتے ہو۔ تو ہم سے کوئی آدمی قادیان میں نہ جائے۔ کیا دیکھنے جانتے ہو جتنوں نے ہم اتنا خذ کرانی ہے۔ کوئی مرزائی تم سے کسی قسم کی گفتگو کرنی چاہیئے تو ایک کو کوئی حق نہیں۔ ان کو کہو کہ عطاء اللہ شاہ بخاری۔ حبیب الرحمان اور مولوی مظہر علی سے فیصلہ کر لو۔ اور اشتعال میں نہ آنا۔ فیروز الدین گواہ کی گواہی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ جب سرکاری وکیل نے گواہ پر سوال کیا کہ شارٹ ہینڈ نوٹ اور صاف نوٹ جو ہر دو کا بیان عدالت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ بعد مقابلہ یہ بتاؤ۔ کیا ان میں کوئی تفاوت ہے اگر ہے تو کیوں۔ اس پر ملزم کے وکیل نے درخواست پیش کی کہ پیشتر اس کے کہ گواہ کو عدالت اجازت مقابلہ دے۔ شارٹ ہینڈ نوٹ لفظ بلفظ مسل پر آ جانے چاہئیں۔ اگر گواہ کو صاف کاپی دیکھنے کی اجازت دی گئی تو بہت سے مقام جو وہ نوٹ میں نہیں پڑھ سکا۔ پڑھ کر بنا دے گا اور عدالت۔ وکیل استغاثہ اور وکیل ملزم بوجہ ناواقفیت علم مختصر نویسی قاصر رہیں گے کہ آیا جو تفاوت گواہ بیان کرتا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ عدالت نے درخواست وکیل ملزم کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا۔ کہ وکیل استغاثہ مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ تمام کے تمام شارٹ ہینڈ نوٹ مسل مقدمہ پر لے آئے جو مقامات وہ قابل اعتراض سمجھتا تھا۔ وہ اس نے لکھوا دیئے ہیں۔ اگر وکیل ملزم یہ چاہے کہ شارٹ ہینڈ نوٹ تمام کے تمام مسل پر لانے چاہئیں تو وہ اب جرح میں کر سکتا ہے۔

اس کے بعد گواہ کو ہر دو نوٹ مقابلہ کے لیے دیئے گئے۔ دیکھنے کے بعد گواہ نے کہا۔ یہ لفظ بلفظ نہیں لکھے گئے۔ بلکہ مفہوم ایک ہے۔ پنجابی کا اردو کیا ہوا ہے۔ رف نوٹ میں پنجابی ہے اور صاف میں اس کا اردو کیا گیا ہے۔ تقریر کا وہ حصہ جو رف نوٹ میں موجود ہے اور صاف میں نہیں۔ غیر ضروری خیال کرتے ہوئے صاف نوٹ میں نہیں لکھا گیا۔

۲۰ دسمبر کی کارروائی

رسالدار رنجور سنگھ کا بیان

رسالدار رنجور سنگھ ولد سردار سنت سنگھ نے بیان کیا کہ میں ۲۱ کو احرار کانفرنس قادیان میں موجود تھا۔ میں نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی صداقتی تقریر سنی۔ تقریر احمدیوں کے خلاف

تھی۔ میں چند الفاظ بتانے کے قابل ہوں۔ جو لزم نے کہے تھے یعنی خلیفہ قادیانی نبی کا لڑکا ہے اور میں نبی کا نواسہ ہوں۔ مرزا (قادیان) میرے ساتھ علمی مباحثہ کرلے جس طرح کا چاہے مقابلہ کرلے۔ اب گیارہ بجے ہیں۔ اگر گورنمنٹ غیر جانبدار ہو جائے تو سات گھنٹے کے عرصہ میں دیکھ لے کہ صبح تک منارہ صاف ہو جاتا ہے۔

جس وقت لزم نے تقریر کی۔ اس وقت ۸-۹ ہزار آدمی جلسہ میں تھے جو اکثر دیہاتی تھے دوران تقریر نعرے مارتے تھے۔ میرا گاؤں ۹-۱۰ میل دور قادیان سے ہے۔ احمدیوں اور احراریوں کے تعلقات ناخوشگوار ہیں اور ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔

باوا سنگھ ممبر سمال ٹاؤن کمیٹی قادیان کا بیان

میں احرار کانفرنس قادیاں میں موجود تھا۔ میں نے ۲۱/۱۰/۳۴ کو عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سنی۔ جو لزم نے جلسہ میں کی۔ وہ تقریر مرزا کے خلاف تھی۔ تقریر کا اثر مرزا صاحب کے خلاف ہوتا تھا۔ مجھے لزم کے کچھ کچھ الفاظ یاد ہیں۔ جو اس نے کہے تھے۔ لزم نے کہا تھا کہ مرزا صاحب نبی نہیں ہیں۔ جو اس پر ایمان لائے گا وہ مومن نہیں رہے گا اور کہا تھا۔ کہ خلیفہ قادیان میرے مقابلے میں سامنے آئے اور تقریری مقابلہ کرلے اور کہا جس طرح میں تقریر کرتا ہوں وہ آزمائش کرے اور تقریر کے ساتھ مقابلہ کرے۔ میں ثابت کردوں گا مرزا کی کتابوں سے کہ مرزا غلام احمد نبی نہیں ہے۔ لزم کی تقریر ۹ بجے رات شروع ہو کر دو بجے رات کو ختم ہوئی۔ گرد و نواح کے ہندو سکھ آریہ جلسہ میں آئے ہوئے تھے جلسہ آریہ سکول قادیان میں ہوا تھا۔ احرار اور احمدیوں کی آپس میں مخالفت ہے۔

علاقہ مجسٹریٹ کا بیان

خاں صاحب چودھری حسین علی علاقہ مجسٹریٹ بٹالہ نے بیان کیا۔ کہ میں مئی ۱۹۳۳ء سے بٹالہ میں تعینات ہوں۔ احرار کانفرنس قادیان ۲۱ سے ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک رہی۔ میرے قیام تک احمدیوں اور احراریوں کے تعلقات کبھی بھی پسندیدہ نہیں ہوئے۔ اس کانفرنس کے شروع ہونے سے پیشتر ہی تعلقات خراب تھے کیونکہ قادیانیوں کے خیال میں احرار کانفرنس کے انعقاد سے نقص امن کا خطرہ تھا۔

احرار کانفرنس کے جلسوں کی تقاریر جو احرار لیڈروں نے کیں اس سے زیادہ کشیدگی بڑھ گئی۔

محمد نذیر قادیانی کا بیان

محمد نذیر خاں ولد محمد وزیر خاں قوم پٹھان عمر ۲۶ سال سپرنٹنڈنٹ احمدیہ ہوسٹل لاہور نے بیان کیا کہ میں احمدی ہوں۔ مرزا محمود احمد ہمارا خلیفہ ہے۔ اس سلسلہ کا بانی مرزا غلام احمد موجودہ خلیفہ کا باپ تھا۔ میرے اپنے اندازے میں تمام صوبہ بھر میں ۴۰-۵۰ لاکھ کے درمیان احمدیوں کی تعداد ہوگی۔ خدا کے بعد ہم خلیفہ کا رتبہ تمام سے افضل اور برتر خیال کرتے ہیں۔ اگر کوئی خلیفہ کی رسوائی اور بے عزتی کرے تو وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں نے صداقتی تقریر ملزم کی پڑھی مجھے نہایت جوش آیا اور خون کھولنے لگا میں اگر وہاں ہوتا تو بخاری کو وہیں قتل کر دیتا۔ گورنمنٹ جو چاہتی میرے ساتھ سلوک کرتی۔

حضرت شاہ صاحب کا بیان

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ولد حافظ ضیاء الدین بخاری ذات سید پیشہ تبلیغ اسلام سکونت امرتسر نے بیان کیا کہ میں نے احرار کانفرنس قادیان منعقدہ ۲۱-۲۲-۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی صدارت کی اور تقریر کی تھی۔

سوال عدالت: کیا آپ نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ استعمال کیے کہ یہ فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے۔
انشاء اللہ یہ تخت رہے گا نہیں؛

جواب: یہ میری تقریر کے وہ بگاڑے ہوئے فقرات ہیں۔ جنہوں نے میرے الفاظ، معانی، مفہوم و مقصد کو برباد کر دیا ہے۔

سوال: یہاں حکومت کے اندر ایک اور حکمران پیدا ہو گیا ہے . . . الخ

جواب: میں زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اگر ضرورت ہوئی تو تحریری بیان داخل کر دوں گا۔

سوال: بعض ایسے ہیں جو مرزا غلام احمد کو جانتے بھی نہیں بعض ایسے ہیں جو اس کو کافر سمجھتے ہیں۔

جواب : یقیناً یہ الفاظ میں نے کہے ہیں۔

سوال : وہ نبی کا بیٹا ہے یں نبی کا نواسہ

جواب : یہ بھی بگاڑے ہوئے فقرات ہیں

سوال : یہ حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو .... الخ

جواب : جواب متذکرہ بالا ہی خیال کیا جائے

عدالت : ابھی گیارہ بجے ہیں صبح تک .... الخ

جواب : متذکرہ صدر ہی خیال کیا جائے۔

سوال : کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرزا صاحب اور احمدیوں کے متعلق ہے؟

جواب : میں نہیں کہہ سکتا جب تک میری صحیح تقریر میرے سامنے نہ ہو۔ میں نے سوائے تمہیدی بیان کے باقی تمام تقریر خالی ہیں کی تھی۔

سوال : کیا آپ نے یہ کہا کہ جو پانچویں جماعت میں فیل ہو جاتا ہے وہ نبی بن جاتا ہے۔

جواب : میرا وہی جواب ہے۔

سوال عدالت : پیغمبر کبھی چالباز نہیں ہوتا .... الخ

جواب : ہاں درست ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی پیغمبر چالباز نہیں ہوتا۔

عدالت اور وکیل صفائی میں جھڑپ

اس مرحلہ پر عدالت اور وکیل صفائی کے درمیان کچھ گرم گفتگو ہوئی۔ اور عدالت نے کہا کہ میں رولنگ کرتا ہوں۔ کہ جو میرا دل چاہے گا ملزم پر سوال کروں گا۔ وکیل صفائی نے کہا کہ بے شک آپ سوال کر سکتے ہیں مگر خلاف قانون نہیں کر سکتے۔ عدالت کے الفاظ تحکمانہ تھے۔

سوال عدالت : کیا یہ لفظ غلام احمد کے متعلق تھے کہ پیغمبر چالباز نہیں؟

جواب : تمام پیغمبروں کے متعلق الفاظ کہے تھے کسی خاص کے متعلق نہیں کہا تھا۔

سوال: اگر نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریز کا کتا نہ بنتا۔

جواب: سابقہ جواب

سوال: اسلام کے دو حصے ہیں ایک خدا کی اطاعت دوسرے انگریز کی

جواب: یہ الفاظ پاگل کہہ سکتا ہے میں نے ان کا استعمال نہیں کیا۔

سوال: جس طرح انہوں نے دودھ سے مکھن کو نکالا ہے تم مکھن سے بال کی طرح ان کو نکال دو۔

جواب: اگر ضرورت ہوئی تو تحریری بیان داخل کر دوں گا۔

سوال: کیا آپ نے ایسی تقریر کی جس سے احمدیوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان منافرت یا دشمنی پھیلے۔

جواب: خطبۂ صدارت تبلیغ کانفرنس کا تھا کسی نفرت کانفرنس کا خطبہ تو نہیں تھا میں نے تقریر تبلیغ اسلام کے لیے کی۔

سوال: کیا احمدیوں کے تعلقات کانفرنس سے پہلے ناخوشگوار تھے؟

جواب: مرزائی دنیا کے ان تمام ۴۰ کروڑ مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے کافر کہتے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اپنے تمام تعلقات مسلمانوں سے منقطع کر لیے ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں منقطع ہو گئی ہیں وہ لڑکی نہیں دیتے۔ مرزائی مسلمانوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ ہمارے معصوم بچوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ وہ ہم کو خنزیر کہتے ہیں۔ ہماری ماؤں، بہنوں، معصوم بیٹیوں کو کتیوں سے بدتر سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے تعلقات منقطع کر لیے ہیں۔

سوال: آپ کے خلاف مقدمہ کیوں چلایا گیا اور شہادتیں دی گئیں؟

جواب: میں تحریری بیان داخل کروں گا۔

۲½ بجے دوبارہ مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ سرکاری وکیل اور شاہ صاحب کے وکیل مولوی مظہر علی صاحب اظہر نے بحث کی۔

عدالت نے چار بجے تک مقدمہ ملتوی کر دیا۔

فردِ جرم عاید کر دی گئی

مولوی محمد شریف سیکرٹری مجلس احرار اسلام گورداسپور کا بیان ہے کہ مسٹر سکھانند سپیشل مجسٹریٹ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت پنجاب پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔الف کے تحت فرد جرم عائد کر دیا۔ اور گواہانِ استغاثہ پر مکرر جرح کے لیے ۴ اور ۵ جنوری ۱۹۳۵ء مقرر ہوئیں اور مقدمہ ملتوی ہوا ؛

حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے وکیل مولانا مظہر علی اظہر کو قتل کی دھمکی

حضرت مولانا کا اعلانِ حق

لاہور ۱۸ دسمبر :- مولانا مظہر علی اظہر ایم۔ایل۔سی۔ایڈووکیٹ لاہور کو ایک شخص مسمّی احمد دین کی طرف سے بیرنگ خط موصول ہوا ہے جس میں انہیں قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ مولوی صاحب نے اس خط کے جواب میں اعلان کیا ہے کہ میرے نزدیک ایسی چٹھیاں فرضی ہوتی ہیں اور غالباً احمد دین کا نام فرضی ہے۔ نیز موت کی ساعت کسی کے بس میں نہیں۔ لیکن اگر احمد دین صاحب کو کسی معاملہ کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا ہو تو وہ آجائیں۔ مجھے اُن سے کسی قسم کا خطرہ کبھی نہیں ہوا ؛

یہ تمام تفصیلات متعلقہ مقدمہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہفت روزہ "آفتاب" ملتان محررہ ۲۳ رمضان المبارک مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۳۴ء سے لی گئی ہیں۔ "آفتاب" ملتان بسید ولایت شاہ بخاری کی ادارت میں شائع ہوتا تھا ؛

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا مقدمہ

گورداسپور ۲۵ فروری : آج مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر شریعت و صدر احرار تبلیغی کانفرنس قادیان کے مقدمہ کی تاریخ پیشی تھی۔ کارروائی مقدمہ سننے کے لیے اطراف واکناف سے فدایان اسلام تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعد الغفران سرتاج العارفین حضرت مولانا سید محمد قیوم صاحب سجادہ نشین درگاہ مکان شریف بھی مع اپنے مریدوں کے رونق افروز تھے۔ چونکہ مسل مقدمہ ابھی تک ہائی کورٹ سے واپس نہیں آئی تھی۔ اس واسطے بغیر کسی مزید کارروائی کے مقدمہ ۲۳ ۳/۲۵ کے لیے ملتوی ہو گیا (نامہ نگار)

{روزنامہ زمیندار۔ لاہور مورخہ ۲۲ ذوالقعدہ ۱۳۵۳ھ
جلد ۲۲ شمارہ ۴۷ یوم چہارشنبہ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۳۵ء}

گورداسپور میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تاریخی مقدمہ کی سماعت

گواہ صفائی موسیو بشیر الدین محمود پر وکیل صفائی کی دلچسپ جرح

موسیو محمود ۲۵ مارچ کو پھر گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے

(زمیندار کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے)

گورداسپور ۲۳ مارچ : آج دیوان سکھانند سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف احرار کانفرنس قادیان کے موقعہ پر تقریر کے سلسلہ میں مقدمہ زیر دفعہ ۱۵۳ (الف) تعزیرات ہند کی سماعت تھی۔ آپ کے خلاف الزام یہ ہے کہ آپ نے احرار کانفرنس میں اپنی تقریر کے دوران میں مرزا غلام احمد کے عقائد کے متعلق چند ایسے الفاظ کہے۔ جن سے دو فرقوں کے درمیان نفرت پھیلنے کا احتمال تھا۔ چونکہ شاہ صاحب نے اپنے مقدمے میں مرزا بشیر الدین محمود

خلیفہ قادیان کو بطور گواہ صفائی طلب کیا تھا۔ اس لیے کئی روز پہلے سے مرزا صاحب کی طرف سے خاص تیاریاں کی جارہی تھیں۔ اس لیے آج آپ کے معتقدین و متبعین کی بیشتر تعداد گورداسپور پہنچی ہوئی تھی ان کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز تھی خلقت کے اس قدر اجتماع سے چونکہ فساد کا احتمال تھا۔ اس لیے پولیس کا خاص انتظام تھا۔ اور ضلع گورداسپور کی مقامی پولیس کے علاوہ لاہور، امرتسر، لائل پور، کانگڑہ وغیرہ مختلف اضلاع سے ریزرو پولیس کی کافی تعداد بغرض انتظام گورداسپور آئی ہوئی تھی۔ کار خاص اور سی۔ آئی۔ ڈی پولیس بھی کافی تعداد میں تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں گذشتہ شب ۲۵۔ ۲۵ پولیس کانسٹیبلوں کی نفریاں لاہور امرتسر سے بٹالہ بھیجی گئی تھیں۔ قریباً ایک صد لاہوری مرزائی بھی رات اور صبح کی گاڑی سے گورداسپور پہنچ گئے تھے۔ اس کے علاوہ مضافات گورداسپور سے بھی مرزائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد جو دو ہزار سے زیادہ تھی۔ گورداسپور پہنچی ہوئی تھی۔ امیر جماعت احمدیہ کی طرف سے احمدی مہمانوں کی رہائش اور کھانے کا انتظام مولوی محمد نصیب کی کوٹھی میں کیا گیا تھا۔ جو اس مقصد کے لیے چند روز پہلے کرایہ پر لی گئی تھی۔ کوٹھی کے باہر ایک شامیانے کے نیچے کھانے پینے کا انتظام تھا۔ اس غرض کے لیے دیگر سامان کے علاوہ یک صد کے قریب دیگیں مہمانوں کا کھانا وغیرہ تیار کرنے کے لیے لائی گئی تھیں جن پر بیان کیا جاتا ہے کہ تیس روپے محصول چنگی لگا ہے۔

پولیس کا پہرہ اور قادیانیوں کا مظاہرہ

نہری روڈ پر کئی میل تک سڑک کے دو رویہ احمدی جماعت کے افراد جو تمام لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح تھے، چار چار پانچ پانچ قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ خاص خاص چوکوں اور اہم مقامات پر پولیس کے سپاہی بھی بغرض انتظام موجود تھے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس قسم کا پہرہ قادیان سے گورداسپور تک تھا۔

مولوی بشیر الدین کی آمد کا منظر

ساڑھے نو بجے قادیان سے ایک سپیشل ٹرین قریباً ایک ہزار قادیانیوں سے لدی ہوئی گورداسپور

پہنچی۔ اور ٹھیک دس بجے مرزا صاحب کی موٹر گورداسپور پہنچ گئی۔ اس سے پیشتر چودھری ظفر اللہ خاں کی کار پہنچ چکی تھی مرزا صاحب کی کار کے ساتھ اور آگے اور پیچھے دو سو سائیکل سواروں کے تین گروہ تھے۔ اور ان کے آگے پیچھے دو موٹریں تھیں جن میں مرزا صاحب کے لواحقین اور باڈی گارڈوں کی کافی تعداد تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ احمدی جماعت کے اتنے اجتماع کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن بحیثیت امیر جماعت ہونے کے اس مظاہرے اور نمائش سے عوام کو مرعوب کرنا مقصود تھا۔

اِحاطہ عدالت کا نظارہ

ڈنڈا پولیس کا شہر میں اور مختلف راستوں اور چوکوں پر خاص انتظام تھا۔ سائیکل سوار باوردی اور بلاوردی پولیس بھی گشت پر تھی۔ اس کے علاوہ احاطہ کچہری میں جہاں مقدمے کی سماعت ہوتا تھی۔ پولیس کا نہایت زبردست پہرہ تھا اور حکام پولیس جن میں مسٹر ٹی۔ آر۔ بیسٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس خان صاحب شیخ برکت علی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ رائے صاحب لالہ جواہر لال ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور چودھری نذیر احمد انسپکٹر پولیس قابلِ ذکر ہیں مصروف انتظام تھے اور سوائے متعلقین مقدمہ کو ان کے لیے ایک محدود تعداد کو عدالت کی طرف سے پاس ملے ہوتے تھے کمرہ عدالت کے قریب بھی جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک خاص حلقہ چھوڑ کر فاصلے پر چاروں طرف موٹے موٹے رسوں سے راستے کو روکا ہوا تھا۔ رستے کی دوسری طرف مرزا صاحب کے چیلے جو پانچ ہزار سے زائد تھے کھڑے تھے۔

مقدمہ کی پیروی کرنے والے وکلاء

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف سے صرف چند افراد جن کو ان سے خاص لگاؤ تھا یا مجلس احرار کے رکن تھے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ملتان سے بھی مجلس احرار کے کارکن آئے ہوئے تھے باقی ایک ہزار کے قریب شہر گورداسپور اور نواحی علاقہ کے مسلمان تھے لیکن سوائے ان اشخاص کے جو بطور گواہان طلب کیے گئے تھے یا سوا اخباری نمائندوں کے کسی کو کمرۂ عدالت میں جانے کی اجازت

نہ تھی۔

شاہ صاحب کی طرف سے میاں محمد شریف ایڈووکیٹ جالندھر۔ بابو شریف حسین صاحب اور کشوری لال صاحب ایڈووکیٹ اور شیخ چراغ الدین صاحب پیروی کر رہے تھے۔ اور استغاثہ کی طرف سے مالک رام چند بیتی پبلک پراسیکیوٹر۔ چودھری ظفر اللہ خاں۔ مرزا عبد الحق پلیڈر اور چودھری نصیر احمد تھے۔

مقدمہ کی کارروائی کا آغاز

مقدمہ کی کارروائی ٹھیک ساڑھے دس بجے شروع ہوئی۔ شاہ صاحب کٹہرہ ملزمان میں کھڑے تھے اور مرزا بشیر الدین محمود بطور گواہ صفائی مقابل کے کٹہرے میں۔ تھے مرزا صاحب کو کرسی بھی دی گئی تھی لیکن دورانِ شہادت میں آپ نے اپنے بیانات حسب ضابطہ کھڑے ہو کر دیئے۔ جو متعلقین و سامعین کمرہ عدالت میں موجود تھے ان کی تعداد پچاس سے متجاوز نہ تھی۔ چودھری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی بھی تشریف فرما تھے۔

مرزا بشیر الدین محمود پر میاں محمد شریف کی جرح

مرزا بشیر الدین محمود پر میاں محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ نے جرح کی جس کا جواب آپ نے باقرار صالح دیا۔

سوال: کیا آپ کو اس امر کا علم ہے کہ قادیان میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی تھی؟

جواب: ہاں قادیان میں احرار تبلیغ کانفرنس ماہ اکتوبر میں ہوئی تھی۔

سوال: کانفرنس کے انعقاد سے کتنے دن پیشتر آپ کو اس کا علم تھا؟

جواب: غالباً دو ہفتہ پیشتر مجھے اس کے انعقاد کا علم ہو گیا تھا لیکن میں نے ذاتی طور پر اس کے روکنے کے مسئلہ پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اور نہ کسی دوسرے شخص کو کانفرنس کے روکنے کے لیے کہا فرزند ملتجان امور عامہ کے انچارج ہیں اور احمدیہ ٹرسٹ کے سیکرٹری بھی ہیں۔

ؒ موصوف بعد ازاں پاکستان میں چیف جسٹس کے معزز عہدہ سے ریٹائر ہوتے ہیں ۱۲

قادیانی نمائندہ کی پُراسرار نقل و حرکت

سوال: کیا فرزند علی صاحب شملے گئے تھے؟

جواب: ہاں وہ شملے گئے تھے لیکن مجھے اس کا علم نہیں کہ وہ کس غرض کے لیے گئے تھے

سوال: کیا انہوں نے کمشنر لاہور سے ملاقات کی اور کانفرنس کے روکنے کے لیے کہا؟

جواب: مجھے یہ علم ہے کہ وہ ان دنوں لاہور ہی میں تھے اور کمشنر نے ان کو ملاقات کے لیے بلایا تھا۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ جب احراری جماعت اپنے جلسے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ تو آپ نے حکام کو اس مضمون کی چٹھیاں بھیجیں کہ کانفرنس کے انعقاد سے پہلے اسے روکنے کی کوئی عملی کارروائی کی جائے کیونکہ اس کے انعقاد سے فساد کا اندیشہ ہے؟

جواب: میں نے پہلے چٹھیوں کے لکھنے کا حکم دیا تھا لیکن بعد میں انہیں حکماً روک دیا گیا۔ کیوں کہ ایک ذمہ دار شخصیت نے اس امر کا اطمینان کرا دیا گیا تھا کہ احرار کانفرنس پر پولیس کا کافی انتظام ہوگا۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ آپ احراریوں کو دشمن سمجھتے ہیں؟

جواب: میں ذاتی طور پر ان کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ ممکن ہے میں نے ان کے متعلق لفظ "دشمن" بعض خاص موقعوں پر استعمال کیا ہو۔

سوال: کیا اخبار "الفضل" آپ ہی کا آرگن یا گزٹ ہے؟

جواب: "الفضل" صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملکیت ہے۔

سوال: کیا "الفضل" آپ کے حکم اور آپ کے اختیار سے (جو آپ کو بحیثیت امیر جماعت حاصل ہیں) نکلتا ہے؟

جواب: میں نے یہ پرچہ خود جاری کیا تھا اور وہ میری مرضی سے چل رہا ہے۔ میں اسے بند کرنا چاہوں تو بند کر سکتا ہوں۔

سوال: کیا اس میں آپ کے خطبات چھپتے ہیں؟

جواب: میرے اکثر خطبے اسی میں شائع ہوتے ہیں۔ اکثر مرتبہ ان میں غلطی بھی ہو جاتی ہے جس سے واقف ہو کر میں آئندہ پرچے میں یا زبانی طور پر تصحیح کر دیتا ہوں۔

احرار کانفرنس پر قادیان میں اسلحہ کی فراہمی

سوال: کیا ان ہی ایام میں جبکہ کانفرنس منعقد ہونے والی تھی۔ آپ کے قادیان میں خانہ تلاشیاں ہوئیں اور نیزے اور دیگر اسلحہ برآمد ہوئے۔ اور آپ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ اسلحہ وغیرہ کے لائسنس حاصل کریں؟

جواب: مجھے نیزوں کی برآمد کے متعلق ذاتی طور پر کچھ علم نہیں اور نہ ہی لوگوں کو اس امر کی ترغیب دی گئی کہ وہ لائسنس کے لیے درخواستیں کریں اور تلوار وغیرہ رکھیں۔

سوال: کیا قادیان میں ایام کانفرنس میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوا؟

جواب: میں نے دفعہ ۱۴۴ کے متعلق سنا تھا لیکن کسی افسر نے ذاتی طور پر مجھے اس کے متعلق نہیں کہا۔

احراری اور قادیانی کی نسبت

سوال: کیا آپ نے احرار کانفرنس سے تھوڑا عرصہ پہلے احراریوں کے خلاف تقریر کی اور کہا کہ یہ چیونٹیاں ہیں اور ہم ہاتھی اور ایک احمدی ہزار غیر احمدیوں پر بھاری ہے؟

جواب: اس کے متعلق مجھے یاد نہیں جب تک میری کوئی خاص تحریر میرے سامنے نہ آئے۔

غلط بیانی کی حد ہو گئی

مرزا صاحب کے سامنے اخبار الفضل مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۴ء کا ایک پرچہ پیش کیا گیا جس میں آپ نے اپنے خطبے میں اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ہر قادیانی سو غیر قادیانیوں پر بھاری ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے جواب میں کہا کہ یہ الفاظ میرے نہیں۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے قرآن کریم کی ایک آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ قرآن میں بھی اس امر کا ذکر ہے کہ ہر مومن غیر مومنوں پر کئی گنا بھاری ہے۔

سوال : کیا احرار کانفرنس کے افتتاح کے بعد آپ نے ۲۷ راکتوبر کو اپنے خطبہ میں حکام متعلقہ کے خلاف تقریر کی اور اپنی جماعت کو ڈائنامیٹ سے تشبیہ دی۔ اور کہا کہ برطانیہ نے ہمارے پیچھے احراری کتے چھوڑے ہوئے ہیں؟

(عدالت نے اس سوال کی اجازت نہ دی)

سوال : کیا لفظ ڈائنامیٹ کو کبھی کانفرنس سے پہلے بھی جماعت احمدیہ کے حق میں استعمال کیا گیا تھا؟

جواب : مجھے یاد نہیں

مو سیو بشیر الدین محمود کو منافقین کا کھٹکا

سوال : کانفرنس سے پہلے آپ کو اپنی جماعت کے متعلق یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ کہ اس میں منافق ہیں۔ اور اس کا ذکر آپ نے اپنے خطبہ میں بھی کیا اور کہا کہ ایسے منافقوں کا پتہ لگاؤ؟ (اس کے حوالے میں الفضل کا پرچہ پیش کیا گیا)

جواب : ایسے آدمی ہو سکتے ہیں جو میری جماعت میں ہوتے ہوئے منافقت سے کام لیں۔ یہاں یہ لفظ میں نے اپنی جماعت کے متعلق استعمال کیا تھا۔ منافقت کا مطلب جھوٹ بولنا اور خیانت کرنا ہے۔

سوال : آپ کو معلوم ہے کہ اس کانفرنس سے پہلے ۱۹۳۳ء میں کوئی جلسہ ہوا اور علماء کو اس میں مار پڑی؟

جواب : میں نے سنا ہے لیکن ذاتی طور پر مجھے یاد نہیں

سوال : کیا آپ مولوی محمد حسین کو جو قادیان میں شہید ہوئے جانتے ہیں؟

جواب : میں نے اسے دیکھا نہیں۔

سوال : اس کے قتل کے مقدمہ میں جو ملزم تھا۔ وہ آپ کی جماعت کا تھا اور اسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی اور کیا ملزم کا نام محمد علی تھا؟

جواب : ہاں یہ درست ہے

سوال : کیا جب محمد علی کو پھانسی دی گئی۔ تو آپ نے جنازہ میں شرکت کی اور کندھا دیا اور بابعد اسے

بہشتی مقبرے میں دفن کیا گیا؟

جواب: ہاں میں نے جنازے میں شرکت کی تھی۔ یہ یاد نہیں کہ اسے کندھا دیا یا نہیں۔ اس کی تدفین بہشتی مقبرے میں ہوئی تھی۔

سوال: کیا بہشتی مقبرہ ایک خاص مقام ہے جہاں آپ کے خاص مریدان عقیدت مند دفن ہوتے ہیں؟

جواب: اس مقبرے میں وہ لوگ دفن ہوتے ہیں جنہوں نے اس بارہ میں وصیت کی ہو اور ساتھ ہی اپنی جائداد یا ملکیت میں سے ۱/۱۰ حصہ وقف کیا ہو۔

سوال: محمد علی نے بھی کوئی وصیت کی تھی یا کوئی رقم انجمن کو بطور وقف دی تھی؟

جواب: مجھے یاد نہیں اس کے متعلق صدر انجمن کو پتہ ہو گا۔

سوال: عنایت شاہ اور غریب شاہ جو احرار پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے وہاں احرار کا دفتر کھولا تھا انہیں کس جرم میں پیٹا گیا؟

جواب: ان کے متعلق میں نے کچھ سنا تھا لیکن پیٹنے کے متعلق مجھے کچھ یاد نہیں۔

سوال: آپ عبدالکریم کو جانتے ہیں جس نے آپ کو مباہلے کا چیلنج دیا تھا؟

جواب: میں نے مباہلہ کے چیلنج کو اس لیے نامنظور کر دیا کہ وہ قرآن کے احکام کے مطابق نہ تھا۔

"مجھے یاد نہیں" کی گردان

سوال: کیا ۲۲ یا ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو عبدالکریم کے مکان کو آگ لگی تھی؟

جواب: مجھے ٹھیک طور پر یاد نہیں کہ اپریل ۱۹۳۰ء کے آخر میں میں نے اس کا جلا ہوا مکان دیکھا یا نہیں اسی مکان کی جگہ اب احمدیہ جماعت کی عمارت ہے جو ۱۹۳۳ء کے آخر یا ۱۹۳۴ء کے آغاز سے احمدیہ جماعت کے پاس ہے۔ محمد ابن مجاہد کو میں جانتا ہوں وہ ۱۹۴۰ء میں ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔

{اس کے بعد ایک بجے عدالت لنچ کے لیے

برخاست ہو گئی}

ابا جان کے عقیدہ سے اختلاف

سوال: آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ آپ حضرت محمدؐ کو سب چیزوں سے اعلیٰ اور ارفع سمجھتے ہیں۔ اگر ان کی نبوت کے متعلق کوئی شخص شک و شبہ کا اظہار کرے اور انہیں آخری نبی تسلیم نہ کرے تو پھر؟

جواب: میرے نزدیک جو شخص مسلمان ہو کر یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ رسول کریمؐ تمام انبیاء سے افضل تھے وہ غلطی کرتا ہے اور اسلام کے خلاف چلتا ہے اور جو شخص یہ تسلیم نہیں کرتا کہ رسول اللہ کی نبوت قیامت تک ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ کی نبوت ختم ہو کر کسی اور کی نبی کی ضرورت ہوگی غلطی کرتا ہے۔

میرے اباجان دین قائم رکھنے کے لیے آئے

سوال: کیا "الفضل" مورخہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۴ پر آپ کا ہی خطبہ مندرج ہے؟

جواب: "الفضل" میں جتنے خطبے ہوتے ہیں وہ میرے ہی ہوتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ محمدؐ آخری نبی نہیں تھے؟

جواب: میرا عقیدہ یہ ہے کہ محمدؐ آخری نبی تھے۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ میرے والد مرزا غلام احمد صاحب ان کے بعد ان کا دین قائم رکھنے کے لیے آئے۔

سوال: کیا عام مسلمان بھی اس بات کو مانتے ہیں؟

جواب: ہاں بہت سے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بہت سے نہیں۔

قادیانیت اور علمائے اسلام

سوال: کیا جمعیۃ علمائے ہند دہلی۔ دیوبند۔ بریلی۔ فرنگی محل اور لکھنؤ والے بھی آپ کے والد صاحب کو نبی مانتے ہیں؟

جواب: جمعیۃ علمائے ہند دہلی ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے۔ فرنگی محل والے دیوبندی اور بریلوی

علماء کو بھی اسی طرح ہم سے اختلاف ہے۔

سوال: کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ مسلمان حضرت محمدؐ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں؟

جواب: ہم بھی حضرت محمدؐ کو اپنی جان اور تمام چیزوں سے افضل اور عزیز تر سمجھتے ہیں۔

سوال: کیا چند احمدی ایسے بھی ہیں جو حضرت محمدؐ کو ایسا نہیں سمجھتے؟

جواب: بہت سے غیر احمدی ایسے ہیں جو ہمارے عقائد کو اچھا سمجھتے ہیں اور بعض اچھا نہیں سمجھتے۔

سوال: حضور محمدؐ کے متعلق اگر کوئی بُرا لفظ کہے تو آپ کو اس کا صدمہ ہوگا؟

جواب: ایسا ہونے سے میرے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچے گا۔

ختمِ رسالت کے متعلق استفسار

سوال: کیا یہ ٹھیک ہے کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی آسکتا ہے حالانکہ دوسرے لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے؟

جواب: میرا اور چند خاص مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ کے بعد پیغمبر آئے گا مگر اُن کی مطابقت کے لیے اور اُن کے دین کو قائم رکھنے کے لیے۔

سوال: آپ بتا سکتے ہیں کہ "ہمارے" اور "آپ" کے درمیان کیا فرق ہے۔

جواب: میرے نزدیک چند اصولی اختلافات ہیں۔

سوال: کیا آپ کی جماعت کی دو پارٹیاں ہو گئی ہیں ایک لاہوری دوسری قادیانی؟

جواب: میرے والد کے دوسرے جانشین کے زمانے میں احمدی جماعت کی دو پارٹیاں ہو گئی تھیں۔ دوسری پارٹی مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا رتبہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بڑھ کر ہے تو آپ کیا کہیں گے؟

جواب: میں اس کو غلط قرار دیتا ہوں اور اس کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زندگی

سوال : کیا یہ ٹھیک ہے کہ نبی کا اخلاق عام مسلمانوں سے اعلیٰ تر ہوتا ہے ؟

جواب : نبی کی زندگی بالکل قانع ہوتی ہے اور اخلاقی طور پر کامل اور مکمل ہوتی ہے۔

سوال : کیا یہ بھی درست ہے کہ نبی اپنی زندگی سادہ بسر کرتا ہے اور رسول کریمؐ کی زندگی نہایت سادہ تھی اور آپؐ جو کی روٹی کھاتے تھے ؟

جواب : ہاں یہ درست ہے لیکن آپ ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی جو کی روٹی کھاتے تھے۔

سوال : یعنی آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اُن کی زندگی جیسی بھی تھی نہایت اچھی تھی ؟

جواب : ہاں اُن حالات کے پیش نظر جو اس وقت درپیش تھے۔ آپؐ کی زندگی نہایت سادہ اور اچھی تھی۔

سوال : کئی ملک فتح کرنے پر بھی آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے رہے ؟

سرکاری وکیل نے کہا کہ مسز سالا انجہانی اس زمانے میں نہیں تھے۔

اس پر عدالت میں زبردست قہقہہ بلند ہوا۔

"میرے اور ابا کے خیال میں انگریز حد درجہ انصاف پسند ہیں"

سوال : یہ درست ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے ڈرے ؟

جواب : ہاں یہ درست ہے۔

سوال : کیا یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو اس پر ناز ہے کہ وہ حکومت انگلشیہ کے بڑے خیر خواہ ہیں ؟

جواب : ہاں مجھے اس پر ناز ہے کہ میرے والد نے اور میں نے انگریزوں کی اس لیے تعریف کی کہ انھوں نے ہندوستان میں نہایت منصفانہ حکومت کی ہے۔

سوال: جہاد کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ (اس سوال کی عدالت نے اجازت نہ دی)

ابا جان کی پچاس الماریاں

سوال: تریاق القلوب کتاب میں مرزا صاحب نے صفحہ ۲ پر یہ لکھا ہے کہ میری عمر کا اکثر حصہ حکومت انگریزی کی تعریف میں گذر گیا ہے اور میں نے ان کی تعریف میں اتنی کتابیں لکھیں کہ ان سے پچاس الماریاں پُر ہو سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ اور کیا یہ بھی درست ہے کہ انگریز سے آپ کو ہمیشہ فائدے پہنچے ہیں؟

جواب: ہم صرف حکومت انگریزی کے انصاف کے مداح ہیں۔

سوال: کیا لفظ "کتا" گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کبھی نااہل صفت کی طرح بھی لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: ایسے شخص کے لیے جبکہ دوسرے شخص نے اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کیے ہوں۔

سوال: کیا کتے کی صفت وفاداری گنی جاتی ہے۔

جواب: گر لفظ "کتا" صفت کے طور پر اس وقت استعمال ہوگا۔ جب کہ موصوف اس لفظ کے کہنے والے کی نسبت اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کر چکا ہوں۔ یہ لفظ ان لوگوں کے لیے کہے گئے ہیں جنہوں نے ان سے بھی سخت الفاظ مرزا صاحب کے حق میں کہے۔

غیر احمدیوں سے رشتہ کے متعلق استفسار

سوال: کیا آپ کی جماعت غیر احمدیوں کے ساتھ رشتہ کا لین دین نہیں کرتی؟

جواب: ہماری جماعت میں دوسروں کی لڑکی لے لیتے ہیں لیکن اپنی لڑکی غیر احمدی کو نہیں دیتے۔ اب تین سال سے لڑکی کا دینا بھی عارضی طور پر جاری کر دیا ہے۔ کیونکہ ہماری جماعت میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔ اس میں بھی عقائد کا خیال رکھا جاتا ہے۔

سوال: جو احمدی نہیں ہیں ان کے پیچھے آپ نماز پڑھیں گے؟

جواب: ہم غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

سوال: اگر آپ کے پیچھے غیر احمدی نماز پڑھے تو اس کو بھی آپ روکیں گے؟

جواب: نہیں۔ اگر ہمارے پیچھے کوئی نماز پڑھے تو ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں۔

سوال: کیا آپ نے تبلیغ احمدیہ کا کام شروع کیا ہوا ہے اور یوم تبلیغ بھی مناتے ہیں؟

جواب: ہاں ہم تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم میرا عقیدہ ہے کہ مذہبی اختلافات کے باوجود کسی دوسرے فریق کو گالی نہ دی جائے۔

ترکِ مرزائیت

سوال: کیا یہ بھی درست ہے کہ آپ کے کئی آدمی جو پہلے آپ کی جماعت میں شامل تھے دوسروں میں جا ملے ہیں؟

جواب: ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ سال میں دو یا چار احمدی جماعت کو ترک کر کے چلے جاتے ہیں اور یہ بھی ہر سال نہیں ہوتا۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ سیّد رسولؐ کے نواسے ہیں؟

جواب: چند سیّد رسولؐ کا نواسہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

سوال: آپ کو معلوم ہے کہ مجلس احرار کے پاس کوئی سرمایہ نہیں؟

جواب: اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

میاں بشیر کی خانہ ساز کچہری

سوال: کیا آپ نے اپنی جماعت میں ایسے محکمے قائم کیے ہیں جن میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں؟

جواب: ہاں! میں نے محکمہ قضاۃ قائم کیا ہوا ہے۔ جو ناقابل دست اندازی پولیس تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی دیوانی فیصلے بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا۔

سوال: آپ نے اس محکمے میں درخواست کرنے کے لیے کوئی خاص کاغذ مقرر کیے ہیں؟

جواب: جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس قسم کا کوئی کاغذ مخصوص نہیں کیا گیا جس پر عرضی وغیرہ لکھی جائے (اس موقع پر ایڈووکیٹ موصوف نے ایک کاغذ جس کی قیمت ایک آنہ تھی عدالت میں پیش کیا) اس پر گواہ نے کہا کہ یہ کاغذ لوکل احمدیہ جماعت کا کاغذ ہے جس کا محکمہ قضاۃ سے کوئی تعلق نہیں۔ مرزا بشیر احمد میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا کہ احمدی غیر احمدی سے چیزیں نہ خریدیں۔ قادیان میں بہت سے ایسے آدمی ہیں جو غیر احمدیوں اور ہندوؤں سے چیزیں خریدتے ہیں۔ ایک دو ہندوؤں سے ہم بھی اشیاء خریدتے ہیں۔ میں اللہ دتہ میراثی کو نہیں جانتا۔ مرزا حیات بیگ کو جانتا ہوں وہ درزی ہے اور اس نے بہت سے شاگرد رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے قادیان میں کوئی وزیر نہیں۔ جو کام کرتا ہوتا ہے۔ انجمن احمدیہ کنٹرولنگ ایڈمنسٹریٹو باڈی (مجلس انتظامیہ) ہے۔ اس کے عہدیدار میں مقرر کرتا ہوں لیکن اس کی ذمہ داری صدر انجمن پر ہوتی ہے صدر انجمن نے والنٹیر کور بنائی ہوئی تھی۔ میں والنٹیر کور کے کاموں سے اور ان کے فرائض سے آگاہ نہیں مجھے دو سال سے اس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ ہے یا نہیں۔ غلام نبی اور محبت اللہ کے نام سے واقف ہوں۔ اول الذکر دفعدار ہے اور دوسرا ڈرل انسٹرکٹر۔

سوال: کیا آپ نے اپنی جماعت کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ فوجی پریڈ۔ تلوار اور بندوق کا استعمال سیکھیں؟

جواب: میں نے اپنے مریدوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ضرور ایسا کریں۔

سوال: کیا آپ کا اعلان ہے کہ آپ تمام دنیا کو تبلیغ کریں گے؟

جواب: ہاں میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہم سچائی پر ہیں اور تمام لوگ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ اور یہی عقیدہ تمام جماعتوں کا ہونا چاہیئے۔

اخیر میں مرزا صاحب نے عدالت کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا کہ محمد علی کے متعلق مجھے اب یاد ہے۔ کہ اس وقت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ چونکہ ان کا فرضہ ان کے مال سے زیادہ ہے۔ اس لیے حسب قاعدہ ان کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔

سماعت مقدمہ کا التواء

اس کے بعد وقت چونکہ ختم ہو چکا تھا اور پانچ بج گئے تھے۔ اس لیے مقدمہ ۲۵ مارچ پر ملتوی ہوا۔

اس دن بھی مرزا صاحب پر حسب معمول جرح ہوگی۔

اختتام اجلاس پر مرزا صاحب نے اپنے مریدوں میں جا کر ایک تقریر کے دوران میں ان کا شکریہ ادا کیا۔ دوسری طرف سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ایک مختصر سے جلسے میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں غریب ہوں اور میرے پاس نمائش کا کوئی سامان نہیں میں مقدمے کے نتائج کو پہلے سے جانتا ہوں آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے تبلیغی مدرسے کو جو قادیان میں قائم کیا ہے جاری رکھیں۔

۶ بجے شام کو مرزا صاحب بذریعہ موٹر قادیان واپس چلے گئے اور دوسرے اشخاص سپیشل ٹرین میں گئے۔

(منقول از روزنامہ "زمیندار" لاہور بابتہ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء بروز یک شنبہ شمارہ ۶۸ جلد ۲۲)

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کی سماعت

معلوم نہیں کہ کذاب مسیلمہ کے نام کا جزو ہے یا نہیں ایڈیٹر پیغام صلح

گورداسپور ۲۹ مارچ: حضرت مولانا بخاری شاہ صاحب کے مقدمہ کی تاریخ پیشی تھی۔ استغاثہ کی طرف سے سرکاری وکیل اور حضرت شاہ صاحب کی طرف سے شیخ چراغ دین وکیل، چودھری غلام فرید وکیل، مدلیشور سری لال وکیل گورداسپور کے وکلا پیروی مقدمہ کے لیے موجود تھے۔ امرتسر کے شاعر مرتب۔ خواجہ عبدالرحیم صاحب وآجر۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ شیخ عبدالجبار صاحب۔ چودھری عبدالحق صدر مجلس احرار دسوہہ، حکیم جمال دین صدر مجلس احرار چک جمرہ، نومسلم ٹھاکرات دا کاناں سے معززین کارروائی مقدمہ کی سماعت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ کارروائی مقدمہ قریباً گیارہ بجے شروع ہوئی۔

میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الفاروق کا بیان

میر قاسم علی ایڈیٹر الفاروق گواہ صفائی نے باقرار صالح یہ بیان کیا کہ میں ۱۹۰۱ء میں تب سے قادیان میں رہتا ہوں۔ جب سے میں نے مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ میں مرزا غلام احمد صاحب کے صحابہ میں سے ایک ہوں۔ میں نے اپنا مکان بنانے کے لیے زمین مرزا شریف احمد سے خریدی

تھی۔ بیع نامہ نہیں ہوا تھا۔ انتقال میرے نام ہوا تھا۔ زمین مزروعہ تھی۔ میں نے اخبار "الفاروق" جاری کیا تھا۔ یہ میرا پرائیویٹ اخبار ہے۔ میں اکتوبر ۱۹۳۳ء و نیز اگست ۱۹۳۴ء تک لوکل انجمن احمدیہ قادیان کا صدر رہا ہوں۔ لوکل انجمن احمدیہ قادیان رجسٹرڈ باڈی نہیں ہے۔ جو احمدی قادیان میں رہتے ہیں۔ سب اس کے ممبر ہیں۔ ایگزیکٹو کمیٹی کے ۱۰ اور ۱۵ کے درمیان ممبر ہیں۔ لوکل انجمن احمدیہ قادیان، صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ماتحت ہے۔ تمام فیصلے لوکل انجمن کرتی ہے۔ اس کے اپنے قاضی مقرر کردہ ہیں علاوہ کوئی قاضی مقرر نہیں ہے۔ اللہ دتہ میراثی احمدی نہیں ہے۔ میں نے اگزبٹ $\frac{D.Z}{38}$ قادیان دیکھ لی ہے۔ اس پر اس وقت عمل درآمد ہوتا تھا۔ جس وقت میں لوکل انجمن احمدیہ کا صدر تھا۔ یہ کاغذ لوگوں کی حسب خواہش چھپوایا گیا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی قیمت ادا کرنے پر رضامند تھے تاکہ درخواست وغیرہ لکھنے میں تکلیف نہ ہو۔ اس اگزبٹ کا نمونہ کاغذ میں نے اپنی مرضی سے بنایا تھا۔ یہ کاغذ اکثر دوکانداروں کو کمیشن پر بیچنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ کوئی دیگر کاغذ قیمتی ۲ر آنے یا ۴ر آنے کا نہیں ہے اگزبٹ $\frac{D.Z}{38}$ میرے نام آئی تھی۔ میں اخبار الفاروق ۱۹۲۸ء کا فائل لایا ہوں۔ لوکل انجمن احمدیہ کی طرف سے کوئی معاہدہ متعلقہ بائیکاٹ غیر احمدیوں کا نہیں ہے۔ فاروق پریس میرا تھا۔ میرے ذریعہ اس معاہدہ پر کوئی روپیہ جمع نہیں کیا گیا۔ جبکہ میں صدر لوکل انجمن احمدیہ قادیان تھا میں نے اگزبٹ $\frac{D.Z}{48}$ دیکھ لی ہے۔ میں اس دستاویز کے متعلق جو فاروق پریس میں چھپی ہے کچھ کہہ نہیں سکتا کیوں کہ وہ عرصہ ۸-۹ سال سے بند ہے۔ احرار کانفرنس قادیان کے جلسے کا حال میں نے اخبار "الفاروق" میں چھاپا تھا۔ میں تاریخ نہیں بتا سکتا۔ احرار تبلیغی کانفرنس قادیان کا جلسہ دیکھنے بیرون جات سے کوئی احمدی نہیں آئے تھے۔ میں اب بھی "الفاروق" کا ایڈیٹر ہوں۔ لفظ گرم ہادی سگ دیوانہ" بر صفحہ ۲ اخبار الفاروق مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۲۶ء ظفر علی خاں ایڈیٹر "زمیندار" کی نظم کے جواب میں اس کے متعلق لکھا گیا تھا۔ یہ اگزبٹ $\frac{D.77}{44/1}$ میں اگزبٹ $\frac{D.77}{44/2}$ میں اسی سلسلہ میں مضمون ہے اگر سخت کلامی کے بدلے سخت کلامی سے جواب دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ سخت کلامی ہمارے بانی سلسلہ اور موجودہ خلیفہ کے خلاف کی گئی تھی۔ میں لوکل انجمن احمدیہ قادیاں کا آنریری صدر تھا۔

بہ سوال سرکاری وکیل بیان کیا۔ جو مضامین "الفاروق" میں لکھتا ہوں۔ اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ جماعت نہیں کیوں کہ یہ اخبار جماعت کی ملکیت نہیں ہے۔ مقامی اور بیرونی احمدی کی نعش کا جنازہ اکثر حضرت صاحب پڑھا

کرتے ہیں اور کندھا بھی دیا کرتے ہیں۔ اگزبٹ $\frac{D.Z}{38}$ تقریباً ۵۰۰ چھپوائی تھی۔ یہ کاغذ لاہور موچی دروازہ پریس میں چھپوائے تھے۔ اس کاغذ کی فروخت کا کوئی حساب نہیں رکھا جاتا۔

بر جرح وکیل صفائی گواہ نے کہا میں اس پریس کا نام نہیں جانتا۔ بیان سن کر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگزبٹ $\frac{D.Z}{38}$ کا نمونہ لوگوں نے تجویز نہیں کیا تھا میں نے خود تجویز کیا تھا اور یہ کاغذ ختم ہو گیا۔ جب میں اگست ۱۹۳۴ء پریذیڈنٹی سے علٰحدہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایسے کاغذ نہیں چھپوائے گئے۔

بر جرح وکیل صفائی بیان کیا۔ اخبار "الفاروق" پر یہ الفاظ درج ہیں "یہ عہد خلافت تائید سلسلہ احمدیہ عالیہ" اگزبٹ D.Z کا سب سے پہلا ہفتہ وار اخبار ۷ اپریل ۱۹۳۴ء کے اور ۱۹۲۶ء کے ٹائٹل صفحہ پر دیکھ لیا ہے۔ درست ہے۔ مگر اس اخبار کا احمدیہ جماعت کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ مگر اس اخبار کے ذریعہ احمدیت کا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ اس واسطے یہ الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ اس اخبار کی پالیسی میرے اختیار میں ہے۔

پنڈت مول راج ہیڈ کانسٹیبل پولیس ریکارڈ کیپر گورداسپور نے کہا۔ مجھے ابتدائی رپورٹ متعلق جلائے جانے مباہلہ بلڈنگ قادیان طلب کیا گیا ہے میں F.I.R اگزبٹ $\frac{D.Z}{46}$ پیش کرتا ہوں۔ میں قادیان میں متعینات نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس کے متعلق مجھے ذاتی علم ہے۔ کوئی ابتدائی رپورٹ مباہلہ والوں کی طرف سے چلے جانے اور ان کی زندگی خطرہ میں ہے کے متعلق مجھے نہیں ملی اور نہ ہی ریکارڈ موجود ہے۔ کیونکہ ۲ سال کے بعد ریکارڈ سے متعلق رپورٹیں تلف کر دی جاتی ہیں۔

سردار دیویندر سنگھ انسپکٹر سی۔آئی۔ڈی گورداسپور گواہ صفائی کا بیان

میں مارچ اپریل ۱۹۳۰ء میں قادیان تھانہ کا انچارج تھا۔ میں عبدالکریم آف مباہلہ اس کے باپ قتل کریم سعد اس کے بھائی محمد شاہد کو جانتا ہوں۔ میں نے ان لوگوں کے کہنے پر چند احمدیوں کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۱۰۷ عدالت میں چالان کیا تھا۔

مجھے یاد نہیں۔ کہ کوئی شکایت مجھے مباہلہ والوں کے متعلق ملی یا نہیں کہ مرزائی ان کا گھر جلانے والے ہیں اور اس واسطے وہ گھر چھوڑ کر جانے والے ہیں۔ اور نہ مجھے یاد ہے کہ کوئی فرش عبارت مباہلہ بلڈنگ کی

دیواروں پر دیکھی یا نہیں۔ یہ مجھے یاد ہے کہ مباہلہ والوں نے مجھ سے زبانی شکایت کی تھی۔ کہ ہماری زندگی احمدیوں کی طرف سے خطرہ میں ہے۔ یہ رپورٹ موقع پر بنائی گئی۔ میں اس اطلاع پر مباہلہ بلڈنگ پر گیا اور اپنے ساتھ سپاہی اور چوکیدار بھی لے گیا تھا دروازہ اور کھڑکیوں کا کچھ حصہ جل رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ چھت کے شہتیروں کے سرے جل رہے تھے جو فوراً بجھا دیئے گئے۔ اور چھت بدستور قائم تھی۔ جب مکان جل رہا تھا عبدالکریم اور اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی اس جگہ نہیں تھا۔ جو مکان جل رہا تھا وہ شاید دفتر تھا۔ کیوں کہ اس میں سے دفتر کے کاغذات اور کچھ سامان ملا تھا۔ ایک آدمی مہرالدین جو ان کی پارٹی کا تھا اس کے حوالہ کر دیا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ عبدالکریم کا سامان کون لے گیا اور کس طرح سے جایا گیا۔ البتہ عبدالکریم کا کوئی آدمی لے گیا تھا۔ میں نے اگزبٹ $\frac{D-Z}{16}$ فوٹو دیکھا ہے۔ میں اس فوٹو کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ یہ اسی جلے ہوئے مکان کا ہے۔ یا نہیں۔

بسوال سرکاری وکیل گواہ نے کہا کہ جو مکان جل رہا تھا وہ کھلا ہوا تھا اور ایک مقفل تھا۔ شیخ محمد اللہ سپرنٹنڈنٹ ڈی سی آفس گورداسپور نے نقول خط و کتابت متعلقہ شکایت ایڈیٹر اخبار الفضل "متحاب ہند سوسائٹی دربارہ پنڈت لیکھ رام پیش کی اور کہا کہ کاغذات جو چیف سیکرٹری کی طرف سے موصول ہوئے تھے واپس بھیج دیئے ہوئے ہیں۔

محمد انعام الحق ایڈیٹر "پیغام صلح" کا بیان

محمد انعام الحق ایڈیٹر "پیغام صلح" لاہور (لاہوری مرزائی) گواہ صفائی نے بیان کیا۔ کہ میں جماعت لاہوری کا احمدی ہوں ہمارے امیر جماعت مولوی محمد علی ایم۔ اے ہیں۔ ہم مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں۔ مگر قادیانی جماعت مرزا غلام احمد کو نبی مانتی ہے ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ جو مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں ہم ان کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو حضرت محمدؐ کے بعد کسی نبی کے آنے پر یقین رکھے۔ ان کو ہم غلطی پر سمجھتے ہیں۔ یہ میرے خیال میں قرآن شریف میں ہے۔ قرآن شریف کے تمام احکام کے عقاید کی رو سے مسلمان پابند ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے حضرت محمدؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ کذاب کے معنی

جھوٹا کہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کذاب مسیلہ کے نام کا ایک جزو تھا۔ یا اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ جھوٹا تھا۔ حضرت محمدؐ کو آخری نبی ماننا جزوِ ایمان ہے۔ اسلامی اصطلاح میں جزوِ ایمان کے انکار کرنے والے کو "غلطی" پر کہا جا سکتا ہے۔ قرآن شریف میں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ وہ ضروری ہے۔ اگر کوئی قرآن شریف کو یا اس کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے تو وہ کافر ہے۔ "النبوۃ فی الاسلام" جو محمد علی نے کتاب لکھی ہے پڑھی ہے۔ میں اخبار "پیغام صلح" کا کچھ عرصہ پرنٹر اور پبلشر رہا ہوں۔ اس کے بعد نومبر ۱۹۳۲ء سے ایڈیٹر ہوا ہوں۔ اخبار "پیغام صلح" لاہوری جماعت کا پرچہ ہے۔ اگر بٹ $\frac{Z}{49}$ D لیڈنگ آرٹیکل میں نے نہیں لکھا ہے۔ ۱۸ر ستمبر ۱۹۲۸ء میں اسسٹنٹ ایڈیٹر تھا۔ معلوم نہیں اس کا لیڈنگ آرٹیکل کس نے لکھا تھا۔

برجرح سرکاری وکیل گواہ نے کہا ہم مرزا غلام احمد کو مسیح موعود بھی مانتے ہیں اور مجدد بھی مانتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے اپنے آپ کو حضرت رسول کریمؐ سے بڑا تو درکنار برابر بھی نہیں کہا ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو آنحضرتؐ کا غلام بنایا ہے۔

مقدمہ ۳۰ر مارچ کے لیے ملتوی ہوا۔

۳۰ مارچ کی کارروائی

گورداسپور ۳۰ر مارچ ۱۹۳۵ء: آج حضرت قبلہ شاہ صاحب کے مقدمہ کی تاریخ پیشی تھی۔ استغاثہ کی طرف سے سرکاری وکیل اور حضرت قبلہ شاہ صاحب کی طرف سے لالہ ایشوری لال وکیل گورداسپور بابو شریف حسین خاں وکیل گورداسپور و بار روم کے دیگر وکلا پیروی مقدمہ کے لیے موجود تھے۔ مخدوم چودھری عبدالعزیز صاحب بیگووالیہ ممبر کیپور تھلہ۔ شیخ غلام فرید صاحب رئیس اعظم کلانور و دیگر معززین کارروائی مقدمہ سننے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے کارروائی مقدمہ ساڑھے دس بجے شروع ہوئی۔

پادری ایشر داس مشنری ہرچووال گواہ صفائی کا بیان

میں ہرچووال چرچ میں بطور ۱۱ ماہ سے انچارج ہوں۔ اس سے پہلے میں گھنیکے بانگر میں مقیم تھا۔ میں

موضع کالواں میں عرصہ ۱۰ سال تک رہا ہوں۔ قادیان موضع کالواں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ میرے علاقہ میں تھا احمدی مبلغ میری مخالفت بالکل نہیں کرتے۔ دوسروں کے بارے میں میں کہہ نہیں سکتا۔

سردار بھگت سنگھ سکنہ ٹھکر سندھو گواہ صفائی کا بیان

ہمارے گاؤں میں ہر چھے ماہ کے بعد احمدی تبلیغ کے واسطے آتے رہتے ہیں اور سکھوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گورو نانک مسلمان تھے۔ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے احمدیوں کو لیکچر کرتے دیکھا ہے اور ان کا لیکچر سنا ہے۔ احمدی مبلغ کہتے ہیں کہ گورو نانک گائے کا گوشت کھاتے تھے تم بھی کھاؤ۔ یہ الفاظ سن کر ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ احمدیوں کے اس مبلغ کے ساتھ جو ایک دوکاندار ہے اور جس نے گورو نانک کے کھانے کے متعلق کہا تھا جھگڑا ہوا تھا جس کو عرصہ ایک سال کا ہو گیا ہے۔ اس جھگڑے کے دو چار روز بعد میں قادیان گیا تھا۔ اس احمدی مبلغ اور دیگر احمدیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا جس کی رپورٹ میں نے تھانہ میں کر دی تھی۔ یہ سوال سرکاری وکیل بیان کیا کہ میں نے کوئی مقدمہ نہیں کیا تھا۔ مجھے کوئی چوٹ کے نشان نہیں لگے تھے۔ کیونکہ مکا مکی ہوئے تھے۔

غلام محمد ارائیں ساکن تگل باغباناں متصل قادیان گواہ صفائی کا بیان

بوچڑ خانہ جو موضع بھینی کی زمین میں بنا تھا کے گرائے جانے کے بعد تعزیری پولیس کا ٹیکس لگایا گیا تھا۔ جو سوائے احمدیوں کے باقی سب پر لگایا گیا۔ احمدی مبلغ لوگوں کو کہتے پھرتے تھے کہ جو غیر احمدی، احمدی ہو جائے گا۔ اس پر تاوان نہیں پڑے گا جس سے بہت غیر احمدی، احمدی ہو گئے تھے۔ ہمارے گاؤں کے بھی کئی غیر احمدی اسی وجہ سے احمدی ہو گئے تھے۔ میں احرار کانفرنس کی مخالفت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

بر جرح سرکاری وکیل بیان کیا کہ یہ امر واقع ہے کہ جو غیر احمدی، احمدی ہو گئے تھے۔ ان کو تاوان نہیں لگا تھا۔

مولوی نور احمد صاحب رئیس بٹالہ گواہ صفائی کا بیان

میں نے بہت دفعہ احمدی مبلغوں کو تبلیغ کرتے ہوئے قادیان۔ بٹالہ اور کئی دیگر جگہوں میں دیکھا ہے

مرزائیوں کا طریقہ تبلیغ نہایت دل آزارانہ ہوتا ہے۔ احرار کانفرنس سے پیشتر مرزائی مسلمانوں کو قادیان میں تبلیغ کرنے نہیں دیتے تھے۔ میں احرار کانفرنس سے پیشتر کئی دفعہ قادیان گیا ہوں۔ ہم مسلمان حضرت رسول اکرمؐ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والوں کو دجّال اور کذّاب سمجھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نہایت دل آزارانہ اور توہین آمیز الفاظ اپنی کتابوں انجام آتھم، ست بچن، ازالہ اوہام، جنگ مقدس، دافع البلا اور کشتی نوح وغیرہ میں لکھے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کشتی نوح صفحہ ۶۵ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ بہ جرح سرکاری وکیل یہ بیان کیا کہ میں نہ قادیانی احمدی ہوں اور نہ ہی لاہوری احمدی۔ میں احرار کانفرنس کے دنوں میں قادیان گیا تھا اور کانفرنس کے پنڈال تک گیا تھا۔ اس دن پچاس اور ساٹھ ہزار کے قریب آدمی شہری اور دیہاتی کانفرنس کے پنڈال میں موجود تھے۔

اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل کا بیان

اس کے بعد رحمت اللہ شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل قادیان نے بیان کیا کہ مولوی فضل دین نے جو پہلے محکمہ قضاۃ قادیان کے ناظم تھے مجھے تین عدد فائل دے کر عدالت میں پیش کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ ایک فائل مولا بخش بنام غلام رسول، ایک حبیب الرحمٰن خان کابلی بنام گوہر صاحب اور ایک محمد دین بنام زین العابدین ہے۔ باقی دو فائل کے متعلق بتلایا گیا ہے۔ کہ عبد السلام والی فائل تلف کر دی گئی ہوئی ہے۔ اور ایم ایم شیخ یعقوب علی کی فائل ہی مرتب نہیں کی گئی تھی۔ وکلاء صفائی نے فائل دیکھنے کے لیے عدالت کو توجہ کیا۔ عدالت نے اجازت دے دی۔ وکلاء صفائی نے موجودگی رحمت اللہ شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل، تلونڈی میرزا عبد الحق وکیل وصدر انجمن احمدیہ گورداسپور ان فائلوں کو دیکھا اور عدالت لنچ کے لیے برخاست ہوئی۔

میاں مہرالدین گواہ صفائی کا بیان

میرے اجداد قادیان کے رہنے والے تھے اور میں بھی قادیان میں رہتا ہوں۔ میں نے مولوی عبد الکریم

آف مباہلہ کا مکان دیکھا ہوا ہے۔ ان کا مکان چھپڑ میں تھا۔ جو شاملات باشندگان دیہہ کا ہے۔ عبدالکریم نے چھپڑ پُر کر کے اپنا مکان بنایا تھا۔ اور چند احمدیوں نے بھی چھپڑ پُر کر کے اپنے مکان بنا لیے تھے۔ میں نے مع دیگر اشخاص کے دعویٰ استقرار حق برخلاف مرزا بشیر الدین محمود احمد وان کے دیگر برادران عدالت دیوانی میں کیا تھا جس کے فیصلہ کی نقل اگز بٹ D-Z/52/1 پیش کرتا ہوں۔ اس مقدمہ کا فیصلہ مدعیان کے حق میں ہوا تھا اگز بٹ D-Z/52/2 خسرہ نمبر ۸۹۸ ۴/۲ بلڈنگ مباہلہ کا ہے جس وقت ۱۹۳۲ء کو دعویٰ دائر کیا تھا مباہلہ بلڈنگ کھڑی تھی۔ مباہلہ بلڈنگ پچھلے سال گرائی گئی تھی۔ رات کو قریباً ۱۱ بجے میں نے اس بلڈنگ کو گرانے سے[۱]

(اس کے بعد کی کارروائی نہیں مل سکی۔ دوسری اشاعت میں شامل کر دی جائے گی۔ (منقول از زمیندار بابتہ ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۳ اپریل ۱۹۳۵ء یوم چہارشنبہ شمارہ ۲۴ جلد ۲۲)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کی سماعت

آئندہ سماعت ۵ اپریل ۱۹۳۵ء کو ڈلہوزی میں ہوگی

گورداسپور ۲ مارچ، آج مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ کی مزید سماعت ہوئی۔ استغاثہ کی پیروی سرکاری وکیل اور مرزا عبدالحق پلیڈر گورداسپور نے کی۔ اور قبلہ شاہ صاحب کی طرف سے پیروی بابو شریف حسین خاں وکیل۔ لالہ بشیوری لال وکیل شیخ چراغ الدین وکیل اور چوہدری غلام فرید وکیل نے کی۔ آج بھی بہت سے لوگ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ سماعت ۱۰ بجے شروع ہوئی۔

مسٹر شبیر علی قادیانی ناظر صیغہ تالیف و تصنیف کا بیان

مسٹر شبیر علی قادیانی ناظر صیغہ تالیف و تصنیف گواہ صفائی نے حسب ذیل بیان دیا:

"میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۵ء تک صیغہ تالیف و تصنیف قادیان کا ناظر رہا ہوں۔ کتاب شہادت القرآن منسلکہ مسل بحوالہ D-Z/5/7 صفحہ درج ۱ کا حصہ D-Z/5/1 دیکھا ہے یہ مرزا غلام احمد کی تصنیف کردہ کتاب ہے میں نے بابا الہ دین المعروف "فلاسفر قادیانی" کی تصنیف کردہ کتاب "فلسفہ فلاسفری" بھی دیکھ لی ہے۔ یہ غیر

[۱] اس سے آگے کی جلد دستیاب نہیں ہو سکی

اجازت لکھی گئی تھی۔

ارکانِ اسلام

اسلام کے ارکان حسب ذیل ہیں (۱) خدا کا ماننا (۲) خدا کی تمام الہامی کتابوں کو ماننا (۳) خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء کو ماننا میرے نزدیک قابل عمل ارکان اسلام روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج (بشرطِ استطاعت) ہیں۔ اسلام کے دو حصے ہیں (۱) اعتقاد (۲) عمل

میں نے کتاب تبلیغ رسالت بھی نہیں پڑھی۔ میں نے اس کو عدالت میں دیکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر قاسم علی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں چھپی تھی۔ میں اس وقت ناظر نہیں تھا۔ اس وقت میں قادیان میں تھا۔

"میں محمد علی قاتل کو شہید نہیں سمجھتا"

میں نے وہ خطبہ پڑھا تھا جو اخبار "الفضل" ۲۰ جون ۱۹۳۲ء اگزیبٹ $\frac{D-Z}{52/2}$ میں درج ہے۔ یہ خطبہ محمد علی کی وفات کے بعد پڑھا گیا تھا۔ میں نے محمد علی کو شہید قرار نہیں دیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ آیا محمد علی کی تصویر پنجاب اور تقسیم کی گئی تھی یا نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ محمد علی کو پھانسی دیئے جانے کے بعد اس کی کوئی تصویر میں نے دیکھی ہو۔ قتل سے کچھ دن پیشتر محمد علی کو میں نے قادیان میں دیکھا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کس کے گھر ٹھہرا تھا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں محمد علی۔ محمد امین پٹھان کا رشتہ دار نہیں ہے۔

"بعض اوقات میں مرزا صاحب آنجہانی کے احکام نہیں مانتا"

ہم مرزا صاحب کے احکام کو واجب التعمیل تسلیم کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ احکام شریعت کے مطابق ہوں۔ بعض اوقات میں اپنے کو ان کے احکام کی تعمیل کے ناقابل پاتا ہوں۔ مکتوب احمدیہ میں نے کبھی نہیں پڑھی۔ یہ کتاب صیغہ تالیف تصنیف قادیان کی اجازت سے نہیں چھپی۔

(اس کے بعد عدالت لنچ کے لیے برخاست ہوگئی)

پادری محمد علی کا بیان ڈلہوزی میں لیا جائیگا

لنچ کے بعد مجسٹریٹ کو بزبان مرزا عبدالحق وکیل اور سرکاری وکیل معلوم ہوا۔کہ پادری محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور آج صبح گاڑی سے ڈلہوزی چلے گئے ہیں قبل ازیں عدالت کو معلوم ہوا تھا۔کہ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور میں بیمار ہیں۔اور وہ سفر کے ناقابل ہیں۔عدالت نے حکام بالادست کو اس بیماری کے متعلق مطلع کرتے ہوئے لاہور میں جاکر بیان لینے کی اجازت طلب کی تھی جس کی منظوری مل چکی تھی اب مجسٹریٹ لاہور نہیں بلکہ ۲۵/۴ کو ڈلہوزی جائے گا۔اور اگر کوئی اور امر پیش آگیا۔تو عدالت کی طرف سے حضرت قبلہ شاہ صاحب کو اطلاع دے دی جائے گی:۔

منقول از زمیندار بابتہ ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق

۴ راپریل ۱۹۳۵ء یوم پنجشنبہ شمارہ ۶۵ جلد ۲۲

فیصلہ مقدمۂ ثانیہ ؎

مسٹر جی ڈی کھوسلا

سیشن جج گورداسپور کا فاضلانہ فیصلہ

•

بخاری ڈیفنس کونسل

۱۔ مولانا مظہر علی اظہر سیکرٹری مجلس احرار اسلام ہند

۲۔ مولانا عبدالکریم مولوی فاضل آف مباہلہ

۳۔ لالہ پشاوری مل بی اے ایل ایل بی۔

۴۔ میاں شریف حسین صاحب بی اے ایل ایل بی

۵۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر (لدھیانوی)

فاضل سیشن جج کا فیصلہ

اپیلانٹ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے ۶ ماہ قید بامشقت کی سزا اس تقریر کی بناء پر دی گئی ہے جو اس نے احرار تبلیغ کانفرنس کے موقع پر ۲۱۔اکتوبر ۱۹۳۴ء کو کی تھی۔

مرزائیت کی تاریخ

اپیلانٹ کے خلاف فرد جرم پر نظر ڈالنے سے پہلے چند واقعات کا بیان کرنا ضروری ہے، جو معاملہ زیر بحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقریباً پچاس برس کا عرصہ ہوا قادیان کے ایک شخص مسمّی غلام احمد نے دنیا کو اعلان کیا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اسلام کے اصلی پادری کی حیثیت اختیار کر لی، جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کے بعض عقائد اور اصول اسلام کے عام مسلّمہ اصولوں سے بالکل متضاد تھے۔ اس فرقے کا جو قادیانی یا مرزائی یا احمدی کہلاتا ہے امتیازی نشان یہ ہے کہ اس کے ارکان اس فرقے کے بانی کی (جسے مرزا کہا جاتا ہے) نبوت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ جو تحریک اس طرح شروع کی گئی، اس نے جلدی ہی شکل پکڑ لی، اور آہستہ آہستہ لیکن غیر مشتبہ طور پر بڑھنا شروع کیا، اور اس کے پیرو چند ہزار کی تعداد میں ہو گئے۔ قدرتاً کچھ مخالفت ہوئی اور مسلمانوں کی اکثریت بانیٔ فرقہ کی مذہبی فوقیت کے گھمنڈ سے سخت ناراض ہوئی۔ مذہب کے مخالفوں نے "کافر" کے الزام کا جو مرزا نے ان پر لگایا شدت سے جواب دیا۔ مگر قادیانیوں نے اس بیرونی تنقید کا بالکل خیال نہ کیا اور اپنے وطن قادیان میں مقامی طور پر محفوظ ہوتے ہوئے جہاں تک ہو سکا حالات کے مطابق خوشحال رہے۔

قادیانیوں کا تمرد اور دہشت انگیزی

مقابلۃً محفوظ ہونے کی اس حالت نے غرور پیدا کر دیا، جس نے قادیانیوں میں تقریباً تمرد کی شکل اختیار کر لی۔ اپنے دلائل کو منوانے اور فرقے کو ترقی دینے کے لئے انہوں نے ان ہتھیاروں کا استعمال شروع کیا جن کو عام طور پر نہایت ناپسندیدہ کہا جائے گا۔ انہوں نے ان اشخاص کے دلوں میں جنہوں نے ان کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا نہ صرف بائیکاٹ، اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی بدتر مصائب کی دھمکیوں سے دہشت انگیزی پیدا کی۔ بلکہ اکثر انہوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنے تبلیغی سلسلہ کو مضبوط کیا، قادیان میں ایک والنٹیر کور مقرر کی گئی جس کا منشا غالباً اپنے احکام کو منوانے کے لئے قوت پیدا کرنا تھا انہوں نے عدالتی اختیارات کا استعمال بھی اپنے ذمے لیا۔ دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کیں اور اجرا بھی کرایا گیا۔ فوجداری مقدمات کے حکم سنائے گئے اور سزائیں بھی دی گئیں۔ لوگوں کو فی الحقیقت قادیان سے نکال دیا گیا قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ قادیانیوں پر صریح الزام لگایا گیا کہ انہوں نے مکانوں کو تباہ کیا، جلایا اور قتل تک بھی کئے

الزامات کا ثبوت

اس خیال سے کہ کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ مذکورہ بالا واقعات محض احرار کے تخیل کی ایجاد ہیں یہ لازمی ہے کہ میں چند واقعی مثالیں بیان کر دوں جو اس مقدمے کی مسل پر لائی گئیں۔

قادیان سے لوگوں کا اخراج

کم از کم دو اشخاص کو اپنے وطن قادیان سے باہر نکالا گیا کیونکہ ان کے خیالات مرزا کے خیالات سے متفق نہ تھے وہ اشخاص حبیب الرحمٰن ۲۸ اور اسماعیل ہیں۔ مسل پر ایک چٹھی ڈی زیڈ ۳۲ موجود ہے جس کا کاتب خود موجودہ مرزا ہے، اور جس میں حکم دیا گیا ہے کہ حبیب الرحمٰن گواہ صفائی ۲۸ کو قادیان میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس چٹھی کو مرزا بشیر الدین محمود احمد گواہ صفائی ۲۱ نے تسلیم کیا ہے۔ گواہ صفائی [illegible] صاحب زندگی

نے تسلیم کیا ہے کہ اسمٰعیل کو جماعت سے خارج کیا گیا اور قادیان میں داخل نہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ بہت سے دیگر گواہوں نے تشدد اور ظلم کی داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہ ۲۹ بیان کرتا ہے کہ مرزائیوں نے اس پر حملہ کیا۔ ایک شخص عزیز شاہ کو قادیانیوں نے مارا اور جب اس نے دعویٰ کرنا چاہا تو کوئی شخص عزیز شاہ کی شہادت دینے کیلئے آگے نہ آیا۔ قادیانی ججوں کی فیصلہ شدہ مسلیں پیش کی گئیں جو مسل میں موجود ہیں۔ مرزا نے تسلیم کیا ہے کہ عدالتی اختیارات قادیان میں استعمال کئے جاتے ہیں اور ان معاملات میں وہ خود آخری عدالت اپیل ہے۔ عدالت کی ڈگریوں کا اجرا کیا جاتا ہے اور ایک مثال بھی موجود ہے جہاں ڈگری کے اجراء میں مکان کو نیلام کیا گیا۔[۱] قادیان میں ایک والنٹیر کور کی موجودگی کی شہادت گواہ صفائی ۲۰ (مرزا شریف احمد) نے دی ہے

مولانا عبدالکریم "مباہلہ" کی داستان درد اور محمد حسین شہید کا قتل

علاوہ ازیں سب سے سنگین معاملہ عبدالکریم کا ہے جس کی داستان حقیقتہً ایک داستان درد ہے۔ اس شخص نے مرزائی مذہب قبول کیا اور قادیان چلا گیا۔ مگر وہاں اس کے دل میں مذہبی شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور اس نے مرزائیت سے توبہ کی تب اس پر ستم آرائی کی ابتدا ہوئی۔ اس نے ایک اخبار "مباہلہ" نامی جاری کیا جس کا مقصد مرزائی جماعت کے اعتقادات پر تنقید کرنا تھا۔ مرزا نے ایک تقریر میں جو دستاویز ڈی زیڈ ۲۹ الفضل مورخہ ۷ اپریل میں شائع ہوئی ہے۔ اس تقریر میں ان لوگوں کی طرف اشارہ بھی کیا جو اپنے مذہب کی خاطر قتل کرنے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس تقریر کے فوراً بعد عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن وہ بچ گیا۔ ایک شخص محمد حسین عبدالکریم کی امداد کرتا تھا اور ایک فوجداری مقدمہ میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا اس کا ضامن تھا۔ اس پر فی الحقیقت حملہ ہوا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوئی۔

قاتل کی عزت افزائی

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی اور پھانسی کے بعد لاش قادیان میں لائی گئی اور بڑی دھوم دھام سے اسے اس جگہ دفن کیا گیا جس کا

---

[۱] : مرزا کو جو عرضیاں دی جاتی ہیں، ان پر قادیانی ساخت کا اسٹامپ اور کورٹ فیس تیار کر کے فروخت کیا جاتا ہے، لیکن یہ سب پوشیدہ طور پر کیا جاتا ہے۔

نام بہشتی مقبرہ ہے۔ الفضل اخبار میں جو مرزائی جماعت کا اخبار ہے قتل کی تعریف اور قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہیں تھا اور امر واقعہ سے قبل ہی جان دے کر پھانسی کی بدنام کنندہ سزا سے بچ گیا۔ خدا نے اپنے عدل وانصاف میں یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی کی ذلت سے پہلے ہی اس کی روح قبض کر لے۔

مرزا محمود کی صریح غلط بیانی اور اس کا فساد نیت

جب عدالت میں مرزا کا ایک معاملے کے متعلق بیان لیا گیا تو اس نے بالکل مختلف کہانی بیان کی اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کو باعزت طریقے سے اس لئے دفن کیا گیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر اظہار ندامت کیا تھا اور اس طرح گناہ سے بری ہو گیا۔ لیکن دستاویز ڈی زیڈ ۳۷ اس کی تردید کرتی ہے اور مرزا کی نیت اور اس کی دلی کیفیت کا پتہ اس اظہار خیالات سے بالکل عیاں ہے (ڈی زیڈ ۳۷)

لاہور ہائیکورٹ کی توہین

میں یہاں یہ بھی کہہ دوں کہ اس دستاویز کا مضمون لاہور ہائیکورٹ کی توہین بھی ہے۔

محمد امین کا قتل

ایک اور واقعہ بھی ہے جو محمد امین کے قتل سے تعلق رکھتا ہے، یہ محمد امین بھی مرزائی تھا اور یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اس فرقے کا ایک مبلغ تھا اس کو بخارا بھیجا گیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی جو چوہدری فتح محمد گواہ صفائی ۱۲ نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملہ کو سرسری نظر سے دیکھا ہے لیکن اس پر غائر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ محمد امین اگرچہ مرزائی تھا لیکن وہ مرزا کا مورد عتاب ہو چکا تھا اس لئے ہستی بزرگ نہیں رہا تھا۔ اس کی موت کے واقعات کچھ ہی ہوں، یہ امر ناقابل انکار ہے کہ محمد امین تشدد کی موت مرا۔ پولیس کو واقعہ کی اطلاع دی گئی لیکن بالکل کارروائی نہ کی گئی۔ یہ بحث کرنا فضول ہے کہ قاتل حفاظت خود اختیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ فیصلہ تو اس عدالت کا کام ہے جو مقدمے کی سماعت کرے۔ یہ امر کافی تعجب انگیز ہے کہ چوہدری فتح محمد نے باقرار صالح بیان دیا ہے کہ اس نے محمد امین کو

قتل کیا تھا۔ مگر پولیس کچھ نہ کر سکی، اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مرزائی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ کوئی گواہ سامنے آکر سچ بولنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ہمارے سامنے عبدالکریم کے مکان کا معاملہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیان سے نکالنے کے بعد اس کا مکان جلا دیا گیا۔ اسے قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریقہ سے گرانے کی کوشش کی گئی۔

قادیان میں طوائف الملوکی

یہ افسوسناک واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قادیان میں طوائف الملوکی تھی، جس میں آتش زنی اور قتل بھی ہوتے تھے۔

حکومت مفلوج ہو چکی تھی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکام ایک غیر معمولی درجے کے فالج کا شکار ہو چکے تھے اور دنیوی اور دینی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز نہ اٹھائی گئی۔ مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایات کی گئیں لیکن انسداد نہ ہوا۔ مسل پر ایک دو ایسی شکایات ہیں، لیکن ان کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے اور اس مقدمے کے اغراض کے لئے یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں ظلم و جور جاری ہونے کے متعلق غیر مشتبہ الزامات عائد کئے گئے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طرف مطلق توجہ نہ دی گئی۔

تبلیغ کانفرنس مسلمانوں میں روح حیات پیدا کرنے کیلئے بلائی گئی

ان کارروائیوں کے سدباب کے لئے اور مسلمانوں کے اندر منفعلانہ روح حیات پیدا کرنے کے لئے احرار تبلیغ کانفرنس بلائی گئی۔

قادیانیوں کی طرف سے کانفرنس کی مخالفت

قادیانیوں نے قدرتاً اس اقدام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور انہوں نے کانفرنس کے انعقاد کو کلیتہ روکنے کے لئے دلیرانہ کوشش کی۔ احرار کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایک شخص ایشر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی قادیانیوں نے اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اس پر دیوار کھینچ دی۔ اس طرح اس ایک ہی قطعہ زمین سے بھی محروم کر

دئے گئے جوان کو قادیان میں حاصل ہو سکتا تھا اور اس لئے مجبور کر دئے گئے کہ قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ اپنا اجلاس کریں۔ دیوار کا بنایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت فریقین میں تعلقات کس قدر کشیدہ تھے اور مرزائیوں کا مرتد کس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی انجام سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے تھے؟

مولانا عطاء اللہ شاہ کا مقناطیسی جذب اور فصیحانہ خطابت

لیکن اجلاس ہوا اور یہی اجلاس تھا جس کے لئے اپیلانٹ کو کہا گیا جو بے انداز مقناطیسی جذب اور اعلیٰ درجہ کی فصیحانہ خطابت کا مالک ہے۔ اس نے اس اجلاس میں وہ تقریر کی جسے ولولہ انگیز خطاب کہا جا سکتا ہے، تقریر کئی گھنٹے جاری رہی اور بیان کیا گیا ہے، حاضرین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہیں۔ اس تقریر میں اپیلانٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کس قدر صاف گوئی سے کیا اور اس نے اس بات کو پوشیدہ نہ رکھا کہ اس کے دل میں مرزا اور اس کے پیرووں کے خلاف کس قدر ناپسندیدگی بلکہ نفرت ہے۔ تقریر اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر اعتراض کیا گیا۔ معاملہ حکومت پنجاب کے سامنے پیش ہوا جس نے موجودہ مقدمہ کی اجازت دی۔

تقریر کے قابل اعتراض حصے

اپیلانٹ کے خلاف جو فرد جرم ہے اس میں اس کی تقریر کے سات حصے درج ہیں، جن کو خاص طور پر قابل اعتراض اور قابل گرفت بتایا گیا ہے۔ وہ حصے یہ ہیں:

۱۔ فرعونی تخت الٹ جا رہا ہے، انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا! لوگو نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسا ہوں، وہ آئے تم سب چپ بیٹھ جاؤ۔ وہ مجھ سے اردو، فارسی، پنجابی میں ہر معاملہ پر بحث کر لے۔ یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردہ سے باہر آئے۔ نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، ملا علی کے جوہر دیکھے۔ وہ ہر رنگ میں آئے۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں۔ وہ ریشم پہن کر آئے میں کھدر، وہ مزعفر، کباب، یاقوتیاں اور پلومر کی ٹانک وائن اپنے باپ کی سنت کے مطابق کھا کر آئے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں

۲۔ یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے۔ یہ برطانیہ کے دُم کٹے کتے ہیں۔ وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی ٹو

نساف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا ہوں بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو پھر بشیر کسا اور میرے ہاتھ دیکھو۔ کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ سیاسی مجلس نہیں ہے۔ او مرزائیو! اگر بالیں ڈھیلی ہوتیں۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی ہوش میں آؤ۔ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔

۴: جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں وہ نبی بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔

۵: او مسیح کی بھیڑ دتم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا جس سے اب مقابلہ پڑا ہے یہ مجلس احرار ہے، اس نے تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

۶: او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

۷: اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے نہ بنتے۔

اپیلانٹ نے عدالت ماتحت میں بیان کیا کہ اس کی تقریر درست طور پر نہیں لکھی گئی۔ اس نے جملہ ۵ کے متعلق خاص طور پر کہا کہ وہ اس کا کہا ہوا نہیں ہے۔ اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے لیکن اس نے عبارت کے غلط ہونے کا عذر اٹھایا۔ عدالت ماتحت کے فیصلے پر کہ جملہ ۵ کی رپورٹ غلط ہے اور اپیلانٹ کو اس کے متعلق مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا، اپیلانٹ کی سزایابی باقی چھ فقروں پر مدار رکھتی ہے۔ اپیلانٹ کے وکیل نے بحث کے وقت فوراً تسلیم کیا کہ فقرہ جات نمبر ۱ تا ۴ اور ۵ تا ۷، فی الحقیقت اپیلانٹ نے کہے۔ وہ اس مرحلے پر رپورٹر کی عبارت کی درستگی کو بھی زیر بحث نہیں لانا چاہتا اس لئے میرے واسطے یہی امر قابل فیصلہ ہے کہ آیا یہ چھ جملے زیر دفعہ ۱۵۳ الف قابل گرفت ہیں اور کیا یہ الفاظ کہہ کر مرافعہ گذار نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے؟

مرافعہ گذار نے عدالت میں بہت سی تحریری شہادتیں پیش کیں اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی تقریر کا مقصد مرزا اور اس کے متبعین کے جبر و تشدد و دستم رانیوں پر جائز اور معقول تنقید کرنا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس کی تقریر کا واحد مقصد سوئے ہوئے مسلمانوں کو دعوت بیداری دینا اور مرزائیوں کے مذموم افعال کا راز طشت از بام کرنا تھا۔

اس نے اپنی تقریر میں جا بجا مرزا کے ظلم و تشدد کا ذکر کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ان مسلمانوں کی شکایات کا

انکار کیا ہے۔ جو صرف مرزا کی نبوت اور اس کے خود ساختہ اقتدار کے منکر ہونے کی وجہ سے ہدف تو ہین بنے ہوئے ہیں۔

تقریر کا مقصد

میں نے مرافعہ گزار کی تقریر پر ان حالات کی روشنی میں غور کیا جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے۔ اول یہ کہ وہ مرزا اور اس کے متبعین کے افعال پر تنقید کرے دوم یہ کہ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دینا چاہتا تھا کہ وہ مرزائیوں کے مقابلے میں بیدار ہو کر اپنی شکایات کے ازالہ کی کوئی صورت نکالیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے صلح کا ایک اعلان تھی۔ لیکن اسے سرسری طور پر پڑھنے سے کوئی معقول آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اعلان صلح کی بجائے یہ تقریر پیکار آزمائی کی دعوت تھی۔ مرافعہ گذار بے قانون کے اندر رہنے کی کتنی ہی کوشش نہ کی ہو لیکن اپنی لسانیت اور جوش فصاحت میں وہ قانون کی امتناعی حدوں کو پھاند گیا اور اس نے ایسی باتیں کہہ دیں جو اس کے سامعین کے دل میں مرزائیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک پختہ کار مقرر کی طرح مرافعہ گذار نے روما کے مارک انٹونی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے برسر پرخاش نہیں ہونا چاہتا۔ لیکن صلح و اتحاد کا یہ اعلان ایسی سخت کلامی سے مملو تھا جس کا مقصد سامعین کے دل میں احمدیوں کے خلاف منافرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

جائز تنقید

اس میں شک نہیں کہ مرافعہ گزار کی تنقید میں ایسے حصے بھی ہیں جو مرزا کے افعال کی جائز اور معقول تنقید پر مبنی ہیں۔ تقریر کے دوران میں غریب شاہ کو زدو کوب کرنے کا واقعہ، محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مرزائے قادیان کے جبر و تشدد کے متعدد ایسے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن پر تنقید کرنے کا ہر سچے مسلمان کو حق ہے۔ نیز اس تقریر کے دوران میں اس توہین کا ذکر بھی کیا گیا جو احمدی پیغمبر (محمدؐ) کی شان میں روا رکھتے ہیں۔ اور جن سے لازمی طور پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

مرزائیوں اور مسلمانوں کے عقائد

مسلمانوں کے نزدیک محمد (صلعم) خاتم النبیین ہیں۔ لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محمد (صلعم) کے بعد بھی کئی نبی آ سکتے ہیں اور ان پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور یہ کہ فرقہ مرزائیہ کا بانی نبی اور مسیح موعود تھا۔ اس حد تک

مرافعہ گذار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے۔ لیکن جب وہ سخت کلامی سے کام لیتا ہے اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے خطاب کرتا ہے جنہیں سننا کوئی معقول آدمی گوارا نہیں کر سکتا تو وہ جائز اور معقول حدود کو پھاند جاتا ہے اور خواہ اس نے یہ باتیں دیدہ و دانستہ کہیں یا جذبات کے جوش میں قانون اس سے اغماض نہیں کر سکتا۔

تقریر کا اثر

مرافعہ گذار کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اس کے سامعین کی اکثریت ناخواندہ دیہاتیوں پر مشتمل ہے اور یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دل میں احمدیوں کے خلاف بغض و عناد کے جذبات کی پرورش کرے گی۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریر نے سامعین پر مزعومہ اثر ڈالا اور مقرر کی لسانیت سے مسحور ہو کر لوگوں نے متعدد دفعہ جوش کا مظاہرہ کیا۔ یہاں اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ سامعین نے اس وقت اپنے مخالفین کے خلاف متشدّدانہ اقدام کیوں نہ کیا۔ اس تقریر نے نفرت کو کچھ زیادہ ہی کر دیا۔

تقریر کے قابلِ اعتراض حصّے

فردِ جرم میں جن سات حصّوں کو قابلِ گرفت ٹھہرایا گیا۔ میرے نزدیک ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابلِ اعتراض حصّے ہیں۔ ان فقروں میں مرافعہ گذار نے احمدیوں کو برطانیہ کے دُم بریدہ کُتے کہا ہے، میرے نزدیک دوسرے حصّے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے تحت قابلِ گرفت نہیں ہیں۔ پہلا حصّہ یعنی فرعونی تخت اُلٹا جا رہا ہے میرے نزدیک بالکل بے ضرر ہے۔ دوسرا حصّہ مرزا کی خوراک کے متعلق ہے۔ یہ امر قابلِ دلچسپی ہے کہ مرزا صاحب اول نے اپنے عقیدت مندوں میں سے ایک کے نام خط لکھا تھا جس میں خوراک کی ایسی تمام تفصیلات موجود تھیں۔ یہ خطوط کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور ان کا ایک نسخہ اس مقدمے کے کاغذات میں شامل ہے میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصّے کے سوا اور کوئی حصّہ قابلِ گرفت نہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں، کہ مرافعہ گذار کی تقریر میں صرف دو حصّے ہی قابلِ اعتراض ہیں۔ تقریر کے کوائف سے پتہ چلتا ہے کہ مرافعہ گذار کا مقصد جہاں احمدیوں کے افعال شنیعہ کا تار پود بکھیرنا تھا۔ وہاں مسلمانوں کے دل میں ان کے خلاف جذبات متحدّت

پیدا کرنا بھی تھا۔ یہ امر کہ سامعین نے اس کی تقریر سے متاثر ہو کر تشدد اور امن شکنی کا مظاہرہ کیوں نہ کیا۔ اس کے جرم میں صرف تخفیف کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

مرزائیوں کے خلاف تنقید جائز تھی

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مرافعہ گذار احمدیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ تاہم میرے خیال میں اس نے قانون کی حدیں توڑ دیں۔ اگرچہ مرافعہ گذار نے اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو بھی قانون کی ہمہ گیری کا تحفظ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

آخری فیصلہ

اس مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور سامعین پر اس تقریر کے اثرات کا اندازہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرافعہ گذار نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت ارتکاب جرم کیا ہے اور اس کے جرم کو قائم رہنا چاہیئے۔ سزا کی کمی اور بیشی کا اندازہ کرتے وقت یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو قادیان میں رونما ہو رہے تھے چنانچہ میں اس کی سزا میں تخفیف کرتے ہوئے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں

دستخط

جی ڈی کھوسلا سشن جج

گورداسپور　　　　　　۶ رجون ۱۹۳۵ء
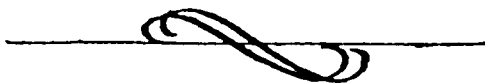
فیصلہ ہائی کورٹ

بمقدمہ

سرکار بنام سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ سشن جج گورداسپور کے فیصلہ پر آنریبل مسٹر جسٹس

کولڈ سٹریم جج ہائی کورٹ لاہور کا فاضلانہ محاکمہ

:- منقول :-

از رسالہ شائع کردہ ملک خدا بخش، بہ عنوان ——— سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ بیرون دہلی دروازہ، لاہور

مطبوعہ اشرف پریس۔ لاہور

در ۱۹۳۵ء

تعارف

اکتوبر ۱۹۳۴ء میں احرار نے قادیان میں ایک تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اپنے خطبہ صدارت میں حکومت اور احمدیہ جماعت کے خلاف شدید الزامات لگائے اور خصوصاً سلسلہ احمدیہ اس کے بانی اور موجودہ امام کے خلاف نہایت بدزبانی سے کام لیا۔ اس پر حکومت نے زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند ان پر ملک معظم کی رعایا کے دو فریقوں میں جذبہ نفرت وغیرہ پیدا کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ ملزم نے اپنی مدافعت میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ احمدیوں نے قادیان میں ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے اور وہاں غیر احمدیوں پر طرح طرح کے مظالم روا رکھے جاتے ہیں اور مقرر حکومت کی توجہ ان حالات کی طرف دلانا چاہتا تھا۔ ملزم کو اپنی صفائی پر پورا موقع دینے کے بعد مجسٹریٹ نے مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دی جس کی اپیل انہوں نے مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ سشن جج گورداسپور کی عدالت میں کی۔ سشن جج نے جرم قائم رکھتے ہوئے سزا کم کر دی لیکن فیصلہ میں جماعت احمدیہ اس کے بانی اور موجودہ امام کے خلاف نہایت قابل اعتراض فقرات لکھے۔ قدرتاً اس سے جماعت احمدیہ میں غم و غصہ کی شدید لہر پیدا ہوئی کیونکہ وہ فریق مقدمہ نہ تھے لہذا زیر دفعہ ۵۶۱۔ الف ضابطہ فوجداری اس فیصلہ میں بعض قابل اعتراض حصوں کے اخراج کی درخواست ہائی کورٹ میں گذرانی گئی۔ درخواست کی سماعت آنریبل مسٹر جسٹس کولڈ سٹریم نے کی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو پی سی نے پیروی کی جس میں متعدد وکلاء سلسلہ احمدیہ ان کی مدد کرتے رہے۔

یہ جسٹس کولڈ سٹریم کے انگریزی فیصلہ کا اردو ترجمہ ہے۔ ضمنی سرخیاں مترجم کی طرف سے اضافہ کی گئی ہیں:

۴۸۶

سرکار بنام مولوی عطاء اللہ امیر احرار کے فیصلہ سیشن جج میں

آنریبل مسٹر جسٹس کولڈ سٹریم جج عدالت عالیہ لاہور

کا فیصلہ

بانی سلسلہ احمدیہ کے تاریخی حالات

۱۸۹۱ء میں (میں نے یہ تاریخ اور دوسرے تاریخی واقعات پنجاب گورنمنٹ کے حکم کے ماتحت شائع شدہ کتاب تذکرہ رؤسائے پنجاب سے لیے ہیں) مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور نے جو سکھ دربار کے ایک جرنیل مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے بیٹے تھے ایک مذہبی تحریک کی بنیاد ڈالی اور اسلامی عقائد کے مطابق مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے کثیر التعداد لوگوں کو اپنے عقائد کا پیرو بنا لیا۔ آپ کے اتباع جو قادیانی یا مرزائی یا احمدی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ پنجاب اور دوسرے علاقوں میں چند لاکھ کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب نے بہت سی عربی، فارسی اور اردو کتب تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے جہاد کے عقیدہ کی بڑے زور سے تردید کی ہے۔ مذکورہ بالا کتاب کے مطابق ان کی زندگی کئی سال تک ہنگامہ خیز رہی۔ کیونکہ ان کے مخالفین پیہم جھگڑوں اور مقدمات میں ان سے الجھتے رہے۔ ان کی وفات کے وقت تک جو ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی وہ ایک ایسی حیثیت حاصل کر چکے تھے کہ ان سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔"

ان کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب بطور امام جماعت ان کے جانشین ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ان کے روحانی جانشین یعنی خلیفہ منتخب ہوئے۔ اب متبعین عقائد احمدیت کی تعداد بہت ترقی کر گئی ہے۔ جماعت کا مرکز بدستور قادیان ہے جو سارے کا سارا الہوم کی شہادت کی رو سے مرزا صاحب کے خاندان کی ملکیت ہے۔

قادیان کی آبادی

قادیان کی کل آبادی میں سے جو قریباً ۹۰۰۰ ہے بلحاظ عقیدہ آٹھ ہزار احمدی بتائے جاتے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کی تعداد چار یا پانچ سو ہے۔ خلیفہ صاحب اور آپ کے پیروؤں کا قدرتی طور پر قادیان میں بہت بڑا اثر ہے اور ان کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ شہر کے افراد پر تُند معاشرتی دباؤ ڈال سکیں۔

احمدیوں اور غیر احمدیوں کی کشمکش

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اس وقت سے جب کہ اس نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی گئی مرزا صاحب کا مسیحیت کا دعویٰ قدامت پسند مسلمانوں کو سخت ناگوار گذرا۔ اور عام مسلمانوں اور احمدیوں کے درمیان متواتر کشمکش رہی جس کا ثبوت طرفین کی ان مطبوعہ تحریرات سے ملتا ہے۔ جن میں فریقین کی طرف سے اکثر سخت کلمات استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں قادیان میں دوسرے مسلمانوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جو ایک فساد پر ختم ہو گئی۔

احرار کانفرنس میں دُشنام طرازی

۱۹۳۴ء میں مُسلمانوں کے ایک گروہ احرار نامی نے جو کہ اپنے مذہب کی اشاعت میں عملی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور جن میں سے بعض نے حال ہی میں قادیان میں رہائش اختیار کی ہے۔ قادیان میں ایک اور کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ان کے اور احمدیوں کے درمیان اختلاف بدرجہ غایت شدت اختیار کر چکا تھا۔ احرار نے کانفرنس کے انعقاد کے لیے قادیان کے ایک باشندے ایشر سنگھ سے اس کی مقبوضہ زمین

استعمال کرنے کی اجازت حاصل کی لیکن قادیانیوں نے اس جگہ کے گرد آبادی کی زمین میں دیوار تعمیر کر کے انہیں روک دیا۔ قادیان میں اور کوئی جگہ حاصل نہ ہو سکنے کی وجہ سے مقامی ڈی۔اے۔ وی سکول کی گراونڈ میں جو موضع رجادہ کی حدود میں واقع ہے اور یہ گاؤں قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ہے کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کیا گیا۔ یہاں ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو کانفرنس شروع ہوئی۔ اسی شام کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری صدر کانفرنس نے کئی ہزار کے مجمع میں پانچ گھنٹے تک تقریر کی۔

مولوی عطاء اللہ پر مقدمہ اور ۶ ماہ کی سزا

اس تقریر کی بناء پر جس میں قادیانیوں ان کے رہنماؤں اور ان کی جماعت پر دشنام آمیز گندی زبان میں شدید حملے کیے گئے تھے سید عطاء اللہ شاہ کے خلاف زیر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں اس نے یہ دلیل پیش کی کہ اس کی تقریر کی غلط رپورٹ کی گئی ہے۔ اور تقریر سے اس کی غرض حقیقی مذہب اسلام کی اشاعت تھی۔ اس کے وکیل نے بیان کیا کہ اس کا مقصد جور و تعدی کی اس حکومت کا خاتمہ کرنا تھا جو قادیان میں قائم ہے۔ جہاں ہر طرح کے جرائم ہو رہے ہیں۔ جہاں مرزائیوں نے ایک خود مختار حکومت قائم کر رکھی ہے۔ اور ان کی اپنی عدالتیں اور کچہریاں قائم ہیں۔

اس دعوے کے ثبوت میں نیز اس امر کے ثبوت میں کہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے مخالفین کے خلاف دشنام آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں بہت سی شہادتیں پیش کی گئیں۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو بھی بطور گواہ ملزم کی طرف سے طلب کیا گیا اور ان پر ایک لمبی جرح کی گئی اور طرفین کے مذہبی عقائد کے بارے میں غیر متعلق شہادتوں کا ایک طومار ریکارڈ پر جمع کر لیا گیا۔ اور اپنے فعل کو جائز ثابت کرنے کے بہانے سے عدالت میں قادیانیوں اور ان کے عقائد پر سابقہ حملہ کو جاری رکھا گیا لیکن عطاء اللہ شاہ مجرم ثابت ہوا اور اسے چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی

سشن جج کا فیصلہ

پھر اس نے اپیل دائر کی جس میں فاضل سشن جج گورداسپور نے یہ قرار دیا کہ یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ

بیدٔ عطاء اللہ کا مقصد مرزا صاحب اور ان کے پیرووں پر اعتراض کرنا اور سامعین کو قادیانیوں کے خلاف کارروائی کرنے اور اپنی شکایات کا ازالہ کرانے کے لیے ابھارنا تھا لیکن اس نے ایسی باتیں کیں جن کا نتیجہ سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ سامعین کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت کے جذبات برانگیختہ کیے جائیں اور ملزم کا ادعا ایسی دشنام طرازی اور تمسخر سے ملوث تھا اور ایسے ذلیل انداز میں کیا گیا تھا کہ اس کا مقصد سامعین کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ سشن جج نے یہ بھی کہا کہ اس کا یہ فعل جائز تنقید کی حدود سے متجاوز ہو جانے کی وجہ سے قانون کی زد میں آجاتا ہے ہمارا قیاس ہے کہ سشن جج کی تحقیق کے مطابق دفعہ ۱۵۳ الف کی مستثنیات کا اس پر کوئی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی سشن جج نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ تقریر کے بعض حصے ایسے تھے جنہیں مرزا صاحب کے پیش کردہ عقائد کی صحیح تنقید قرار دیا جا سکتا ہے۔ سشن جج نے جرم کو بحال رکھا لیکن فیصلہ میں لکھ دیا کہ "قادیان کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تیرہ یہ کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کافر اور سؤر کہکر اور ان کی عورتوں کو کتیوں کا خطاب دے کر ان کے جذبات کو سخت مشتعل کر دیا تھا۔ مجرم کا جرم صرف اصطلاحی ہے اور اس وجہ سے انہوں نے سزا میں تخفیف کرتے ہوئے اسے تا برخاست عدالت قید کی سزا دی۔ بیدٔ عطاء اللہ کی تقریر میں قادیان کے جو حالات بیان کیے گئے ان کی تصدیق کے لیے اپنے فیصلہ میں سشن جج صاحب نے وہاں کے متعدد ایسے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی شہادت عدالت میں پیش کی گئی تھی نیز خلیفہ صاحب اور ان کے پیرووں کے متعلق ہتک آمیز ریمارک کیے ہیں اور حکام کے رویہ کی بھی مذمت کی ہے۔ انہوں نے یہ فیصلہ ۶ جون ۱۹۳۵ء کو سنایا۔

سرکاری وکیل کی درخواست

حکومت نے سزا میں اضافہ کرنے کی درخواست نہیں کی۔ اگر وہ ایسا کرتی۔ تو عدالت عالیہ سشن جج کے فیصلہ پر ہر پہلو پر نظر ثانی کر سکتی تھی لیکن ۹ اگست کو سرکاری وکیل نے درخواست ۱۹۳۵ء ایش کی اور عدالت ہذا سے زیر دفعہ ۵۶۱ الف ضابطہ فوجداری سے استدعا کی کہ فیصلہ کے بعض جملے اس بنا پر نظر زد

کیے جائیں کردہ شہادت پر مبنی نہیں۔ بے بنیاد ہیں اور درا فقی غلط ہیں۔ اور حکومت پر کڑی زد لاتے ہیں۔ اس عرضی میں بھی یہ درخواست کی گئی ہے۔ کہ اگر ضروری ہو تو مزید تحقیقات کے لیے مقدمہ کی مسل واپس کی جائے تاکہ حکومت کو یہ ثابت کرنے کا موقعہ مل سکے کہ سشن جج صاحب کے ریمارک بالکل خلاف واقعہ اور بے بنیاد ہیں۔"

صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی درخواست

اس کے ایک ماہ بعد کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب برادر مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے درخواست ۲۲۹ دی۔ اور اس میں فیصلہ کا ایک بڑا حصہ حذف کرنے کی اس بنا پر درخواست کی۔ کہ اس حصہ کا قائم رکھنا قانونی اختیارات کا غلط استعمال اور درخواست کنندہ کے حق میں بے انصافی ہے۔ کیونکہ وہ فریق مقدمہ نہیں تھا اور اس کے لیے اپنی بریت میں سید عطاء اللہ کی گواہی کے خلاف شہادت پیش کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ عرضی ۱۸۲ کے ساتھ چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کی طرف سے ایک بیان حلفی بھی تھا جس میں سشن جج عاید کردہ الزامات کی تردید کی گئی ہے اور صحیح واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

درخواست نمبر ۲۲۵ کے ساتھ بھی درخواست کنندہ کی طرف سے ایک بیان حلفی پیش کیا گیا ہے جس میں زیر اعتراض ریمارکس کی تغلیط کی گئی ہے اور فیصلے کو تقریر سے بھی زیادہ اشتعال انگیز بتایا گیا ہے جس کی بنا پر سید عطاء اللہ شاہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا تھا۔ حکومت نے سید عطاء اللہ کو اپنی درخواست کی اطلاع دے دی تھی۔ اور چونکہ بعض زیر اعتراض جملے وہ تھے جن کی بنا پر اس سے نرمی برتی گئی تھی۔ اس لیے اس کے وکیل کو بھی ان دلائل کے جواب کی اجازت دی گئی جو میرے سامنے ان دونوں درخواستوں کی تائید میں پیش کیے گئے۔

عدالت کے اختیارات پر بحث

یہ بات ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ عدالت عالیہ عدالت ماتحت کے فیصلہ کے کسی حصہ کو حذف کر سکتی ہے۔ اور یہ اختیار عدالت ہائے ماتحت جب سے دفعہ ۵۶۱ الف ضابطہ فوجداری میں درج ہوئی ہے یا، استعمال کیا ہے۔ یہ اختیار قانوناً غیر محدود ہے۔ قانون واضح طور پر عدالت ہذا کو اختیار دیتا ہے کہ ایسے احکام جاری

کرے جو کسی عدالت کے اختیارات کے غلط استعمال کو روکنے یا مقاصد عدل و انصاف کے حصول کے لیے ضروری ہو۔

لیکن عدالت ہائے عالیہ ہمیشہ اس اختیار کو ایک غیر معمولی اختیار تصور کرتی رہی ہیں جس کا استعمال محض استثنائی حالات میں اور بہت حزم و احتیاط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ ڈیلی کے مقدمہ (۲۶۹ لاہور جلد ۹ انڈین لا رپورٹر) میں مسٹر جسٹس ٹیک چند نے رائے دی ہے۔ انصاف کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ عدالت ہائے ماتحت کو آزادی اور بے خوفی سے اپنا کام کرنے دیا جائے۔ اور عدالت عالیہ اس میں ناروا دخل نہ دے کیونکہ شہادت پر بحث اور واقعات سے نتائج اخذ کرنے کے لیے عدالت ہائے ماتحت کو بسا اوقات گواہوں کے چلن کے متعلق مخالفانہ ریمارکس کرنے پڑتے ہیں۔

مقدمات امر سنگھ بنام سرکار (انڈین لا رپورٹ جلد ۵ لاہور ع ۱۷۴) و بھاری داس بنام سرکار (انڈین لا رپورٹ جلد ۶ لاہور ع ۱۷۶) کے فیصلوں اور ڈیلی کے مقدمہ میں جس کا اوپر بھی ذکر کیا گیا ہے وہ اصول پیش کیے گئے ہیں جن پر عملدرآمد کر کے عدالت ہائے قابل اعتراض جملے حذف کیے ہیں مقدمہ امر ناتھ بنام سرکار میں ایک سشن جج نے اپنے فیصلہ میں ریمارک کیا تھا کہ ایک گواہ نے جو ایک پولیس افسر تھا ملف دروغ گوئی کی ہے۔ اس ریمارک کی بنا پولیس کی ایک ڈائری پر تھی جو باقاعدہ طور پر شامل مسل نہ تھی۔ مسٹر جسٹس فورڈ نے اس کو قلمزد کرنے کا حکم دیتے ہوئے لکھا کہ کسی جج کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ایسے مسالہ کی بنا پر جو باقاعدہ طور پر قانونی شہادت نہیں بنایا گیا جرح و قدح کرے۔ اور اگر جج کا یہ خیال تھا کہ گواہ نے جھوٹ بولا ہے تو اسے دروغ حلفی کا مجرم قرار دینے سے پہلے اس سے توضیح کرانی ضروری تھی۔

مقدمہ بھاری داس بنام سرکار کے فیصلے کا ایک حصہ بھی جسٹس فورڈ نے اس بنا پر قلمزد کیا تھا۔ کہ ایسے اعتراضات کے قائم ہونے کی اجازت دینا خلاف انصاف ہے جو کسی ایسے شخص پر کیے گئے ہوں۔ جو نہ گواہ ہے اور نہ فریق مقدمہ ہے اور جسے اپنی بریت پیش کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ اور جہاں اعتراضات قانونی شہادت پر مبنی نہیں ہیں۔

ڈیلی کے معاملہ میں ایک مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں ریمارک کیا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ ڈیلی اور اس کے

ساتھ، کے ملازم کلرک غضب کردہ روپیہ آپس میں بانٹتے رہے ہیں۔ اور ڈپٹی نہایت بے پروائی سے اپنے فرائض سے غفلت کرتا رہا ہے۔ ڈپٹی کو بطور گواہ عدالت میں طلب کیا گیا تھا اور اس پر ایک لمبی جرح کی گئی تھی لیکن نہ عدالت نے اور نہ کسی وکیل نے اس پر کوئی ایسا سوال کیا جس سے یہ استنباط کیا جا سکے کہ وہ بھی اس جرم میں شامل تھا جس کے لیے ملزم پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ فاضل جج اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ڈپٹی نے ملزم اور دوسرے کلرکوں کے ساتھ مل کر روپیہ خورد برد کیا۔ اس لیے اس نے اس مضمون کے ریمارک حذف کر دیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ ڈپٹی نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت بے پروائی سے کام لیا ہے۔ اس لیے فاضل جج نے اس مضمون کے جملوں کو قلمزد کرنے سے انکار کر دیا اور یہ لکھا کہ میں ان جملوں کو صرف اسی صورت میں قلمزد کر سکتا تھا کہ جب میں اس نتیجہ پر پہنچتا کہ مسل مقدمہ میں ان باتوں کا ثبوت مطلق نہیں مگر میں اس نتیجہ پر نہیں پہنچا۔

مقدمہ پیچرن بنرجی بنام اپندر ناتھ بھٹاچاریہ (انڈین لا رپورٹ جلد ۴۹ الہ آباد ۷۵۴) کے فیصلے میں جسٹس سلیمان نے ایک سشن جج کے فیصلہ میں سے بعض قابل اعتراض الفاظ قلمزد کرنے کا فیصلہ دیتے ہوئے ایسی ہی رائے ظاہر کی تھی کہ کوئی وجہ نہیں کہ کیوں عدالت عالیہ ۵۶۱ الف کے ماتحت غیر متعلق ناجائز یا عاصر عدالت انتقام کے لیے ہتک آمیز جملوں کے حذف کرنے کا حکم نہ دے سکے۔ فاضل جج نے لکھا تھا کہ اس اختیار کا استعمال صرف اس حالت میں ہو سکتا ہے جبکہ زیر اعتراض ریمارک بالکل بے بنیاد ہوں جہاں ایسے ریمارک شہادت سے اخذ ہوتے ہوں وہاں اس اختیار کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس سوال کے متعلق کہ کن اصول کے ماتحت کسی گواہ کی درخواست پر کیسے متعلق سشن جج کے ریمارک حذف کیے جائیں۔ غور کیا جا سکتا ہے سندھ جوڈیشل کمشنر کی عدالت میں ایک ڈویژن بنچ نے مقدمہ خان صاحب محمد حسین بنام سرکار (۱۱۸ انڈین کیسز ۹۲۹ (نمبر ۲۶۳)) کے دوران میں بحث کی تھی۔ درخواست ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تھی۔ نتائج جو بنچ نے استنباط کیے تھے حسب ذیل ہیں :-

"یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اگر کسی ایسے شخص پر جسے اپنی بریت ثابت کرنے کا موقع نہ دیا گیا ہو۔ کوئی ناقابل ثبوت حملہ کیا گیا ہو۔ اور ریمارک غیر متعلق اور ایسا ہو کہ فیصلہ سے علیحدہ کیا جا سکے۔ تو ایسا ریمارک

قلم زد کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے خصوصاً اس حالت میں کہ وہ شخص نہ فریق مقدمہ ہو اور نہ گواہ۔ لیکن ایسے ریمارکس کا جو کہ ناقابل ثبوت تو ہوں لیکن غیر متعلق نہ ہوں حذف کرنا آسان نہیں اور ہماری یہ رائے ہے کہ اگر وہ ریمارکس علیحدہ نہ کیے جاسکیں یعنی اگر وہ جج کے استدلال کا ایک جزو اصلی ہوں تو پھر اس صورت میں ان کا حذف کرنا ممکن نہیں۔ ہر جج یا مجسٹریٹ کے لیے لازم ہے کہ اپنے فیصلہ کے دلائل تحریر کرے اور انصاف اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ ہم ایسے ریمارکس کو حذف کرکے فیصلہ کو بے دلیل نہ بنادیں۔ ہمیں عمل جراحی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہمیں بیمار کو جان سے مار دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ استغاثہ نے اقبال جرم اور مال کی برآمدگی ثابت کرنا چاہی تھی اور اگر وہ قبول کرلی جاتی تو لازماً عدالت ملزم کو مجرم قرار دیتی۔ سیشن جج نے اس زمیندار کا بیان باور کرلینے سے انکار کردیا۔ جو ملزم کے اقبال جرم کے متعلق قسمیں کھاتا تھا اور اس کے لیے دلائل پیش کیے۔ لیکن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جس نے اقبال جرم خود اپنے کانوں سے سُنا تھا اور برآمد شدہ مال دیکھا تھا۔ اس نے زمیندار کے بیان کی تصدیق کی۔ اس لیے لازماً سیشن جج کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنا پڑی اور اس نے ظاہر کی۔ ہمیں سیشن جج کی اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں لیکن چونکہ ہم ان ریمارکس کو غیر متعلق نہیں کہہ سکتے اور چونکہ دلیل کو تباہ کرنے کے بغیر اس ریمارک کو قلم زد نہیں کرسکتے۔ اس لیے ہم اس رائے میں حق بجانب ہیں کہ جملے صرف اسی صورت میں حذف کیے جاسکتے ہیں کہ وہ بے تعلق ہوں اور فیصلہ کا جزو اصلی نہ ہوں۔

درخواست کو مسترد کرتے ہوئے فاضل جج صاحبان نے اس رائے کا اظہار کیا کہ درخواست کنندہ کے خلاف ریمارکس بالکل بے اصل ہیں۔

۱۹۲۳ء میں سندھ کورٹ کے ایک اور ڈویژن بنچ نے ایک ایسی ہی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے فیصلہ کو بحال رکھا لیکن یہ رائے ظاہر کی کہ ہمارے خیال محولہ جملوں میں جو نکتہ چینی کی گئی ہے۔ وہ ان دونوں میں سے کسی صورت میں بھی صحیح نہیں اور جس شخص کی ان سے ہتک ہوئی ہے جب تک اس کو صفائی کا موقعہ نہ دیا جاتا یہ نکتہ چینی نہ کی جانی چاہیئے تھی۔ فاضل جج صاحبان کی یہ رائے بھی تھی کہ فاضل ایڈیشنل سیشن جج نے غیر محتاط اور بے محل الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (چوہل رام بنام داس بنام سرکار۔ انڈین لاء رپورٹز ۱۹۲۳ء سندھ ۹۱)

یہ فیصلہ جات اس بات کی کافی سند ہیں کہ عدالتی اختیارات کے غلط استعمال کو روکنے اور انصاف کے حصول کے لیے عدالت عالیہ کا فرض ہے کہ عدالت ہائے ماتحت کے فیصلوں کے ایسے حصوں کو حذف کر دیا کرے۔ جو کسی ایسے شخص کے خلاف نکتہ چینی پر مشتمل ہوں۔ جو نہ تو فریق مقدمہ ہو۔ اور نہ ہی اسے اپنی بریت ثابت کرنے کا مناسب موقعہ دیا گیا ہو۔ اسی طرح ہائی کورٹ کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ ایسے جملوں کو حذف کرے جو از روئے مسل کسی شہادت پر مبنی نہ ہوں یا شہادت باقاعدہ صورت میں ریکارڈ پر نہ ہو۔

لیکن ان ججوں کی رائے کا واجبی احترام کرتے ہوئے جن کے فیصلہ جات کا مفادیہ ہے کہ قلم زد کرنے کا اختیار ایسے ہی حالات میں استعمال ہو سکتا ہے۔ اور اس نظریہ سے بھی اتفاق کرتے ہوئے چیف جسٹس رفیر زنے آخری محولہ بالا مقدمہ میں ظاہر کیا ہے کہ یہ بہتر ہے کہ ایک دفعہ جو فیصلہ سنا دیا جائے۔ پھر وہ اپنی اسی اصلی اور ابتدائی شکل ہی میں رہے جس میں اسے پہلے شائع کیا گیا۔ اگرچہ میں ذاتی طور پر اپنے اس غیر معمولی اختیار کی ان حدود کو وسیع کرنے کے خلاف ہوں جو اس سے پہلے تسلیم کر لی گئی ہیں لیکن میں یہ کہنے سے نہیں رک سکتا کہ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں ایسے جملوں کو قلم زد کرنے میں اس اختیار کا استعمال نہ کیا جائے۔ جو اگرچہ شہادت پر مبنی ہیں لیکن وہ کسی شخص کے کیرکٹر پر حملہ ہیں یا امور زیر تنقیح سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اور ایک عدالت نے خواہ مخواہ اپنا راستہ چھوڑ کر بے ضرورت انہیں اپنے فیصلہ کا حصہ بنا لیا ہے۔ مزید براں مجھے اس میں بھی قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ ایسے فیصلہ کی نسبت بھی جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہو۔ جو غیر دانشمندانہ اور ناواجب الفاظ میں لکھا گیا ہو۔ عدالت ہذا کو اختیار ہے بلکہ اس پہ واجب ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے خواہ بالآخر وہ جملے قلم زد ہوں یا نہ ہوں۔

فیصلہ زیر بحث میں بعض جگہ ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ آیا فاضل جج نے پورے طور پر منصفانہ نگاہ سے معاملہ پر غور بھی کیا ہے۔ اس کا بہت سا حصہ مبالغہ آمیز ہے۔ یہ بات بعض ان جملوں سے عیاں ہو جاتی ہے جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مثلاً فیصلہ کی ابتداء میں جہاں جج نے بعض باتیں بیان کی ہیں جو ان کی رائے میں امور زیر تنقیح سے تعلق رکھتی ہیں۔ جج نے زبانی

مذہب کے متعلق "بدعتی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قادیانیوں کے عقائد کی خوبیاں یا نقائص اس مقدمہ میں عدالت کے زیر غور نہ تھیں اور نہ ہو سکتی تھیں پس اس قسم کی زبان کا استعمال افسوسناک ہے اور وہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل افسوس ہے۔ کہ جیسا کہ سب جانتے ہیں، موجودہ وقت کے حالات کا تقاضا ہے کہ ان مقدمات میں جو فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر چکے ہیں احتیاط برتی جائے اور مقدمہ کی عدالتی کارروائی اور ان کے فیصلہ جات کی زبان ایسی نہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ خود خصومت اور عداوت کے بڑھانے کا موجب ہو کیونکہ اگر کوئی دوسرا اس کا مرتکب ہو تو خود عدالت کا فرض ہے کہ قانون کے ماتحت اسے سزا دے۔

اب میں ان جملوں کو لیتا ہوں جنہیں قلم زد کرنے کی درخواست عدالت ہذا سے کی گئی ہے۔ اول میں پہلی درخواست کو لیتا ہوں جو کہ فاضل وکیل سرکار نے پیش کی ہے۔

پولیس پر بے بنیاد الزام

ایک شخص محمد امین نامی کی وفات کا ذکر کر کے جو قادیان میں ایک لڑائی میں مارا گیا تھا فیصلہ میں لکھا ہے۔ پولیس میں اطلاع کی گئی لیکن اس پر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ یہ کہنا بے سود ہے کہ قاتل نے یہ کام خود حفاظتی میں کیا تھا۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ صرف عدالت ہی کر سکتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ چوہدری فتح محمد نے عدالت میں قسم کھا کر اقبال کیا ہے کہ میں نے محمد امین کو مارا تھا لیکن پولیس اس پر کوئی کارروائی نہ کر سکی۔ اور کہا جاتا ہے کہ مرزا کی طاقت اتنی ہے کہ کوئی گواہ دلیرانہ طور پر آگے آکر سچ سچ بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہ بات کہ محمد امین، چوہدری فتح محمد پریذیڈنٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان (ڈی۔ ڈبلیو۔ ۲۱) کے ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا۔ ریکارڈ سے ظاہر ہے۔ چوہدری فتح محمد کا بیان ہے کہ محمد امین نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا یعنی یہ کہ وہ اس حالت میں مارا گیا جبکہ چوہدری فتح محمد اپنی مدافعت کر رہا تھا یوں معلوم ہوتا ہے کہ فاضل سشن جج نے اپنے اس اعتراض کی کہ پولیس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ بنیاد محض اس بات پر رکھی ہے کہ عدالت میں چوہدری فتح محمد کا چالان نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں کہ کوئی کارروائی نہیں

کی گئی۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہی ہو۔ جیسا کہ فاضل جج نے بیان کیا ہے کہ گواہ مرزا کی طاقت سے ڈرتے ہوں۔
بہرحال یہ بات کہ عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ اس بات کی شہادت نہیں ہے کہ کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔
معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولیس افسر جس پہ اس معاملہ کی تحقیقات فرض تھی۔ گواہی میں بلایا ہی نہیں گیا۔ مقدمہ حکام کے خلاف نہ تھا اور چونکہ وہ اس نتیجہ سے آگاہ نہ تھے۔ جو عدالت اپیل چوہدری فتح محمد کے بیان سے اخذ کرنے کو تھی۔ اس لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس مقدمہ میں اس بات کی شہادت گزارتے کہ ان کی طرف سے تفتیش کی گئی تھی۔ چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کا حلفیہ بیان ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ بات غلط ہے کہ مقامی حکام گورداسپور نے محمد امین کی موت کے بارے میں کوئی کارروائی نہیں کی۔
پس چونکہ اس بات کی تائید میں کوئی شہادت نہیں کہ یہ ریمارک "اس معاملہ میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی" درست ہے۔ اس لیے یہ ریمارک درست طور پر فیصلہ سے خارج کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ اس سے فیصلہ کی ایسی قطع برید ہو جاتی ہے کہ باقی حصہ جس کے قلم زد کرنے کی کوئی صحیح وجہ نہیں بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں اس ریمارک کو اس رائے کے ساتھ جس کا میں نے اظہار کیا ہے۔ قائم رہنے دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ فاضل وکیل سرکار کے لیے یہ تسلی کا باعث ہو گی۔

اگلا حملہ جس پر درخواست میں اعتراض کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل ہے "فاضل سشن جج نے قادیان کے حالات کے ذکر میں لکھا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ حکام غیر معمولی طور پہ مفلوج ہو چکے تھے۔ اور مرزا کے اعلیٰ اختیارات دنیوی و مذہبی کبھی زیر بحث نہیں لائے گئے۔ مختلف مواقع پہ مقامی حکام کے پاس شکایتیں کی گئیں۔ لیکن دادرسی نہ ہوئی۔ ایک دو ایسی شکایتوں کو مسل میں بھی ذکر ہے۔ لیکن اس بات کی ضرورت نہیں کہ ان کا تفصیلی ذکر کیا جائے۔

اس مقدمہ کے مقاصد کے لیے بس اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ قادیان میں عام ظلم وجور کی معین شکایات کی گئیں جو بظاہر ان پر کوئی توجہ نہ کی گئی"۔

جماعت احمدیہ کی اپنی عدالتیں

اس ریمارک کی بنیاد فاضل جج نے اس شہادت پر رکھی ہے کہ قادیانیوں کی اپنی قائم کردہ عدالتوں میں

دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور عدالتی کارروائی اس طریق پر کی جاتی ہے۔ جو انگریزی عدالتوں میں مروّج ہے اور ایک قادیانی والنٹیئر کور بنا ہوا ہے۔ مگر اس بات کی کوئی شہادت نہیں۔ کہ حکام نے قادیانیوں کے خلاف شکایات پر کوئی کارروائی کی ہے۔ فاضل وکیل نے اس مقام پر یہ بحث کی ہے۔ کہ حکام کو متہم کرنے والے بیانات نہ صرف بے بنیاد ہیں۔ بلکہ اس شہادت سے جو مسل میں ان کے رویہ کے متعلق شامل ہے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان کی طرف سے قابل دست اندازی پولیس معاملات کی رپورٹ ملنے پر کارروائی عمل میں لائی جاتی رہی ہے چیف سیکرٹری کا حلفیہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ شکایات اور الزامات کی ہمیشہ تحقیقات ہوتی رہی ہے۔ اور گورنمنٹ ہمیشہ بغیر خوف اور رعایت کے قانون کے نفاذ کی کوشش کرتی رہی ہے۔ جب یہ اطلاع ملی کہ قادیان میں جماعت احمدیہ نے گویا اپنی "عدالتیں" قائم کر رکھی ہیں تو حکومت نے اس بارے میں قانونی لحاظ سے تحقیقات کرائی اور انہیں مشورہ دیا گیا کہ فوجداری مقدمات کی تحقیقات اس وقت تک قانونی نقطۂ نگاہ سے قابل اعتراض نہیں جب تک کہ وہ طرفین کی مرضی سے ناقابل دست اندازی پولیس اور قابل راضی نامہ جھگڑوں کا فیصلہ کریں۔ نیز دیوانی مقدمات کے متعلق یہ مشورہ دیا گیا کہ ایسے مقدمات کا باہمی مشورہ کے ساتھ فیصلہ کرانا قانونی لحاظ سے قابل اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ تراضیٔ فریقین ایسا کیا جائے اور فیصلہ ثالثی انتظام کی صورت میں ہو۔ اس پر حکومت نے جماعت احمدیہ کو اطلاع دے دی کہ اگر قابل دست اندازی پولیس فوجداری مقدمات کا آپس میں فیصلہ کرایا گیا تو یہ قانونی لحاظ سے قابلِ اعتراض ہوگا اور اگر ان نام نہاد عدالتوں نے کسی کو سزا دینے کا طریقہ اختیار کیا تو یہ فعل بھی قانون کی زد میں آ سکے گا۔ یہ بھی ان پر واضح کر دیا گیا کہ جماعت احمدیہ کی نام نہاد عدالتوں کی اگر کوئی کارروائی قانون کی زد میں آئے گی۔ تو اس کی پوری تحقیقات کی جائے گی۔ جماعت احمدیہ کو یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ اس قسم کی نام نہاد عدالتوں کو سمن اور اسی قسم کے اور ایسے فارم استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ جو سرکاری عدالتوں میں استعمال ہونے والے فارموں کے بہت مشابہ ہوں۔

جماعت احمدیہ کی والنٹیرز کور

چیف سیکرٹری کے حلفیہ بیان میں یہ بھی مذکور ہے کہ حکومت نے والنٹیر کور کے متعلق بھی قانونی رائے دریافت کی تھی اور جماعت احمدیہ کو اطلاع دی کہ جب تک والنٹیر قانون کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ گورنمنٹ کا ارادہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا نہیں۔ لیکن اگر ان کی کوئی سرگرمی انہیں کریمنل لاامنڈمنٹ ایکٹ ۱۹۰۸ء کی زد میں لے آئے۔ تو پھر بے شک اس قانون کے ماتحت ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور تحقیق کر کے اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ احمدیہ کور میں چاندماری کی مشق نہیں کرائی گئی۔ گورنمنٹ نے کریمنل لاامنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت والنٹیروں یا قانون اسلحہ کے ماتحت چاندماری کے متعلق کسی کارروائی کے کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

جماعت احمدیہ کی عدالتوں کا طریق عمل

اس امر کی شہادت موجود ہے۔ کہ قادیانی جماعت مختلف شعبہ جات یا نظارتوں کی تنظیم کے لحاظ سے منظم ہے۔ ان کے اپنے انتظامات ریکارڈ کیپری اور نقل نویسی وغیرہ کے ہیں۔ یہ تمام شعبہ جات صدر انجمن کے ماتحت ہیں جس کا صدر چوہدری فتح محمد (ڈی ڈبلیو ۲۱) ہے۔ شہادت کی رو سے یہ بھی ثابت ہے کہ قادیان میں دیوانی اور فوجداری عدالتیں بھی تھیں جو قادیانی جماعت کے افراد کے مابین ناقابل دست اندازی پولیس دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتی تھیں۔ اور وہ سزا کا حکم دیتیں، ڈگریاں صادر کرتیں اور ان کا اجراء کراتی تھیں۔ لیکن اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ کبھی کوئی غیر قادیانی اس قسم کے طریق فیصلہ کے لیے مجبور کیا گیا ہو اور نہ اس بات کی کوئی شہادت ہے کہ مرزا صاحب کے مذہبی اور دنیاوی اقتدار کے متعلق (غیر احمدیوں کی طرف سے) کبھی کوئی تعرض کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی اس امر کی کوئی شہادت ہے کہ ان محکموں میں سے کسی نے کوئی ایسا خلاف قانون کام کیا ہو جو گورنمنٹ کے نوٹس میں آیا ہو۔ یا یہ کہ گورنمنٹ نے قادیانی

میں اس قسم کی صورت حالات دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لی ہوں۔ اور ضرورت کے وقت مناسب کارروائی کرنے سے پہلوتہی کی ہو۔

احمدیہ والنٹیر کور کا مقصد

یہ ثابت ہے کہ قادیان میں ایک والنٹیر کور تھی جس کی تنظیم تحریک بوائے سکاوٹ کی طرز پر تھی۔ اس کور کے ممبروں کے پاس لاٹھیاں ہوتی تھیں۔ اور ڈیفنس کے ایک گواہ کی رُو سے یہ کور ۳۰ یا ۳۵ لڑکوں اور آدمیوں پر مشتمل تھی اور یہ کر ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں اس کور کا اجتماع ہوا تھا اور انہیں گویا سنگینوں سے مسلح فوج کی طرز پر ڈرل کرائی جاتی تھی۔ لزم کے ایک گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے کور کے آدمیوں کو نیزوں سے مسلح دیکھا تھا لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یہ کور کسی خلاف قانون کام کے لیے استعمال کی گئی ہو یا یہ کہ اس کا قیام برطانوی ہند کے قانون کے نفاذ کے لیے حکام کے اختیارات کے متعلق کسی شبہ کا باعث ہو۔ شہادت سے ظاہر ہے کہ کور کا بڑا مقصد جلسوں وغیرہ کے انتظام میں امداد دینا تھا۔

پیش کردہ چار مثالیں

اس غیر مشروط بیان کے متعلق کہ قادیان میں ظلم و تعدی کے صریح الزامات لگائے گئے۔ لیکن ان کا کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ رسپانڈنٹ (مولوی عطاء اللہ) کے فاضل وکیل نے کہا ہے کہ اس قسم کی چار مثالوں کے متعلق مسل پر شہادت موجود ہے اور وہ اس کا اقبال کرتا ہے کہ وہ کوئی اور مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جس میں کہ ان شکایات کی جو حکام سے کی گئیں کوئی شنوائی نہ ہوئی ہو۔ ان میں ایک مثال البشیر سنگھ کے معاملہ کی ہے (ڈی۔ ڈبلیو ۲) دوسرے مہر دین کا معاملہ (ڈی۔ ڈبلیو ۲۰) تیسری عبد الکریم کی رپورٹ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۰ء جس سے تعلق رکھتی ہے (ڈی ڈبلیو ۳۴) اور چوتھی وہ شکایت ہے جو عبد الکریم کی طرف سے ڈپٹی کمشنر کے پاس بھیجی گئی (ڈی۔ نمبر ۳۲)

۱۔ ایشر سنگھ کی مثال

یہ ایشر سنگھ وہی آدمی ہے جس نے اپنی زمین احرار کی کانفرنس کے لیے پیش کی تھی لیکن اس معاملہ میں معتبر شہادت موجود ہے کہ وہ دیوار جو اس کے گرد بنائی گئی۔ وہ گورا دیہ زمین میں بنائی گئی تھی جو مرزا صاحب کے خاندان کی ملکیت ہے۔ ایشر سنگھ کا بیان ہے کہ اسے قادیانیوں کی طرف سے اخراج اور قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ اس نے اس معاملہ کی رپورٹ بذاتِ خود تھانہ میں نہیں کی۔ بلکہ اس نے اس کام کے لیے اپنے بھتیجے اور ایک اور آدمی کو بھیجا۔ مگر یہ بات ثابت نہیں کہ کوئی رپورٹ کی گئی تھی یا کسی قابل دست اندازی معاملہ کی پولیس میں اطلاع دی گئی ہو یا کسی ملزم کا نام لیا گیا ہو۔ یا یہ کہ پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی ہو لہٰذا ایشر سنگھ کی شہادت سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ کسی جور و ستم کے متعلق رپورٹ کی گئی اور اسے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

۲۔ مہر دین کی مثال

مہر دین کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ۱۹۲۳ء میں موجودہ خلیفہ کے خلاف سرکاری عدالت دیوانی (سب جج) سے ایک ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ چند احمدیوں نے اس پر ۱۹۲۵ء میں حملہ کیا تھا۔ اور یہ کہ حملہ آوروں کا چالان ہوا اور انہیں مجرم قرار دیا گیا۔ اس کا یہ بھی بیان ہے کہ ۱۹۳۰ء میں قادیانیوں نے اسے قادیان سے نکال دیا اور اس کی بیوی اور بچوں کو زدوکوب کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اس معاملہ کی اطلاع سپرنٹنڈنٹ پولیس کو دی لیکن کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ پھر وہ بٹالہ چلا گیا۔ چار ماہ بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی دکان جلا دی گئی ہے۔ لیکن اسے یہ علم نہیں کہ کس نے جلائی۔ پھر وہ قادیان واپس چلا گیا۔ جہاں وہ اب تک رہائش پذیر ہے۔ اس نے عدالت میں کوئی درخواست نہیں گذاری اور نہ ہی تھانہ میں کوئی شکایت کی۔ شہادت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ اس معاملہ میں کسی قابل دست اندازی پولیس جرم کا ارتکاب ہوا۔ یا کسی ملزم کا نام لیا گیا۔ اس کے برعکس مہر دین کی اپنی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ پولیس نے اس کی حفاظت

کی لوئٹ‌ ننلڑوان سے بٹالہ تک اس کے ہمراہ رہی پس یہ ساری کی ساری شہادت فاضل سشن جج کے ملامت آمیز کلمات کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کرتی۔

۳۔ عبدالکریم کی مثال

۳۱ مارچ ۱۹۳۰ء کی رپورٹ عبدالکریم کی طرف سے کی گئی تھی۔ یہ شخص ڈیفنس کی کہانی میں نمایاں طور پر ظاہر ہوا ہے۔ اس کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نے محمد امین اور موجودہ خلیفہ کے خلاف دعویٰ دائر کیا تھا۔ جس میں محمد امین گورنمنٹ کی عدالت کی طرف سے مجرم قرار دیا گیا تھا۔ ایک دوسری درخواست خارج کر دی گئی تھی۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۰ء میں اسے معلوم ہوا۔ کہ قادیانی اس کے مکان کو جلانا چاہتے ہیں۔ اور یہ کہ اس طرح وہ اور مکان کے دوسرے مکین ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اس پر اس نے گھر کو چھوڑ دیا۔ اور ایک سکھ بورڈنگ ہاؤس میں پناہ لی۔ اگلی صبح پولیس گورداسپور تک اس کو اپنے ہمراہ لے گئی جہاں اس نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملاقات کی اس کے بعد اس نے ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء والی رپورٹ کی۔ اس کے چند دن بعد اس نے سنا کہ مکان کو آگ لگا دی گئی ہے۔ ۲۰ اپریل کو وہ گورداسپور سے (جہاں اس پر زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند مقدمہ چل رہا تھا) بٹالہ واپس آ رہا تھا کہ ایک شخص محمد علی نامی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔ محمد علی نے اسے زخمی کیا اور ایک دوسرے شخص کو ہلاک کر دیا۔ اس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہونے پر اسے پھانسی دی گئی۔ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۰ء والی شکایت پر حکام کو کونسی کارروائی عمل میں لانی چاہیئے تھی۔ وہ شکایت کوئی قابل دست اندازی پولیس جرم ظاہر نہیں کرتی تھی۔ اور نہ اس میں کسی خاص کارروائی کے لیے درخواست کی گئی تھی۔ نہ ہی اس میں حفاظت کا مطالبہ تھا۔ اور یہ کہ جب اس کے گھر کو آگ لگی۔ پولیس نے آگ کو بجھایا اور اس کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ عبدالکریم کی دوسری جس کی طرف میں ذیل میں متوجہ ہوتا ہوں۔ بیان کرتی ہے کہ جب وہ قادیان چھوڑ کر چلا گیا۔ تو پولیس نے اس کے گھر پر پہرہ مقرر کر دیا۔ اس صورت حال سے حکام کے مفلوج ہونے کا کوئی اظہار

نہیں ہوتا۔

۴۔ عبدالکریم کے متعلق پولیس کا رویہ

آخری شکایت بھی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ عبدالکریم کی طرف سے کی گئی تھی یہ قادیان سے چلے جانے کے بعد اور محمد علی کے ہاتھوں مجروح ہونے سے پہلے بٹالہ سے کی گئی تھی۔ اس میں یہ شکایت تھی کہ اس کے دو ملازموں کو زد و کوب کیا گیا ہے مباہلہ کے دفتر میں گندی تصاویر چسپاں کی گئی ہیں (مباہلہ ایک اخبار تھا جو عبدالکریم نے ۱۹۲۸ء میں جاری کیا جس میں مرزا صاحب۔ احمدیوں اور ان کے مذہب کے خلاف گالیوں سے پُر مضامین شائع کیے جاتے تھے) اس کے گھر کی دیواروں پر گندی تحریرات لکھی گئی ہیں۔ مسلح قادیانی اس کے گھر کے اردگرد گھومتے اور اسے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ اور یہ کہ انسپکٹر پولیس نے اپنے رویہ سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ قادیانی خلیفہ کے خلاف جس نے ۲۸ مارچ کو ایک اشتعال انگیز خطبہ دیا۔ اور اپنے پیروؤں کو مجھے مار دینے کے لیے اکسانے کی انتہائی کوشش کی۔ کوئی کارروائی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اسی عرضی میں آگے چل کر یہ بھی لکھا گیا۔ کہ پولیس ایک واقعہ کی تفتیش کر رہی تھی جس میں قادیانیوں نے ایڈیٹر مباہلہ کو زد و کوب کیا تھا پھر یہ بھی لکھا ہے کہ پولیس کانسٹیبل جو عبدالکریم کے گھر پر متعین تھا ہٹا لیا گیا ہے۔ اور تھانے میں جب شکایت کی گئی۔ تو عبدالکریم کو ہدایت کی گئی کہ اخبار مباہلہ کی اشاعت بند کر دے۔ اسی رات عبدالکریم نے سُنا کہ اس کی جان خطرے میں ہے۔ اس نے مکان چھوڑ دیا۔ اس نے تھانے میں اطلاع کی۔ اور افسر تھانہ نے اس کے مکان پر پہرہ تعینات کر دیا۔ پھر عرضی میں لکھا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ مقام گورداسپور جو اس کی گفتگو ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ قادیانیوں کی امداد اور رعایت کرنے کی طرف مائل تھا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے عبدالکریم سے کہا کہ اخبار مباہلہ کی اشاعت بند کر دو اس نے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے اس کی اشاعت بند نہ کی تو تمہارے مارے جانے کا خطرہ ہے۔ اور میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اس کے بعد میرا مکان جلا دیا گیا اور قادیانی روزانہ میرے قتل کے ریزولیوشن پاس کرتے رہے۔

یہ بات قابل غور ہے۔ کہ یہ عرضی اس وقت دی گئی۔ جب خود عبدالکریم کے خلاف ۱۵۳۔الف تعزیرات ہند کے ماتحت مقدمہ شروع ہوچکا تھا اور اس کے اور اس کے باپ اور بھائی اور ایڈیٹر مباہلہ کے خلاف وارنٹ جاری ہوچکے تھے۔ شہادت سے یہ بھی ثابت ہے کہ عبدالکریم کا مکان ایسی زمین پر بنا ہوا تھا جس کی ملکیت کا قادیان کے خاندان کو دعویٰ ہے۔

بالفرض اگر افسران پولیس اپنا فرض ادا نہیں کر رہے تھے تو بھی بیان کردہ واقعات ایسی شہادت نہیں جس سے سیشن جج کے اخذ کردہ نتائج نکالے جاسکیں کہ حکام مفلوج معلوم ہوتے تھے۔ ظلم کا تدارک نہیں کیا گیا اور یہ کہ قادیان کے مزعومہ معین مظالم کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

اس بات کی کوئی شہادت نہیں۔ کہ ڈپٹی کمشنر نے عرضی دڈی۔ ۳۲) پر جو اس کے نام بھیجی گئی تھی۔ کوئی کارروائی نہیں کی جب حقیقت حال یہ ہے تو سیشن جج کے لیے قطعاً مناسب نہیں تھا کہ حکام کو جن کے خلاف اس معاملہ میں کوئی الزام زیر تحقیق نہیں تھا۔ بغیر صفائی کا موقع دینے اور ملزم کی شہادت کو غلط ثابت کرنے کے اس طرح مطعون کرے یہ طریق انصاف پر مبنی نہیں ہے۔

اتنا کہنے کے بعد میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس حصہ کو حذف کرنے کی حکومت نے درخواست کی ہے حذف کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ جج نے یونہی بلا وجہ اپنا راستہ چھوڑ کر ایک ایسے فریق کے خلاف نکتہ چینی کی ہے جو فریق مقدمہ نہ تھا اور جب شہادت کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ان نتائج کے اخذ کرنے کے لیے بالکل ناکافی ثابت ہوتی ہے لیکن یہی اخذ کردہ نتائج جج کے اس فیصلہ کی بنا ہیں کہ ملزم کے ساتھ نرمی سے سلوک کیا جائے۔ اور یہ اس کے فیصلہ کے اہم حصے ہیں۔ گو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قادیانیوں کا اپنے جھگڑوں کے فیصلے کے لیے پنچایتیں بنانا یا اپنے جائز مقاصد کے لیے والنٹیر کو رکھنا اس مقدمہ میں کس طرح مجرم کے جرم کو کم کرنے والا سمجھا جاسکتا ہے۔ میری رائے میں اس موقعہ پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بارے میں ایسی شہادت ہو جو یہ ظاہر کرے کہ حکام نے قادیان میں قادیانیوں کے مظالم

کے معاملہ میں ڈھیل دے رکھی تھی بغیر متعلق شہادت نہیں سمجھی جانی چاہیئے۔ اس پیراگراف سے فاضل سشن جج کی اس ذہنی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے جس سے اس نے مقدمہ پر غور کیا ہے۔ اور یہ شک جو فیصلے کے بہت سے دوسرے حصوں کی زبان پیدا کرتی ہے کہ اس مقدمہ میں شہادت کا صحیح موازنہ نہیں کیا گیا مسل کے مطالعہ سے کم نہیں ہوتا لیکن چونکہ کسی خاص فرد پر خاص طور پر حرف گیری نہیں کی گئی اور یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ اس قسم کا فیصلہ حقیقۃً حکام کو کوئی معقول نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لیے میں اس عبارت کا قلم زد کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔

مقدمہ کی مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں

تیسری اور آخری عبارت جسے سرکاری وکیل قلم زد کرانا چاہتا ہے۔ فیصلہ کے آخری الفاظ ہیں کہ یہ جرم ایک اصطلاحی جرم ہے۔ "لیکن سشن جج کی اس رائے کی صحت کہ سید عطاء اللہ شاہ کا جرم کس حد تک جرم ہے اب زیر بحث نہیں آسکتی یہ صحیح ہے کہ یہ عبارت فیصلہ کی دوسری عبارتوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ لیکن یہ امر اس بات کی کوئی کافی وجہ نہیں کہ اس کو حذف کر دیا جائے میں یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ اس مقدمہ کو مزید تحقیقات کے لیے واپس بھیجا جائے جیسا کہ عرضی میں درخواست کی گئی ہے چیف سیکرٹری کا حلفیہ بیان اس فیصلہ کے بے بنیاد نتائج کو غلط قرار دیتا ہے اور مزید کارروائی عدالتی طریقہ کار کے مزید ناجائز استعمال کو روکنے کی کوئی امید پیدا نہیں کرتی۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی درخواست پر بحث

اب میں کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب کی درخواست کو لیتا ہوں جن کی طرف سے مختلف وجود کی بنا پر اٹھارہ عبارتوں کے قلم زد کرنے کی درخواست پیش کی گئی ہے۔

پہلے تین فقرات

مجھے پہلی تین عبارتوں کے جن کو عرضی میں الف۔ ب اور ج کر کے لکھا گیا ہے قلم زد کرنے کی کوئی وجہ

نظر نہیں آتی کیوں کہ وہ تاریخی واقعات کے ایک سادہ اور ثابت شدہ بیان پر مشتمل ہیں۔

چوتھی عبارت

چوتھی عبارت یوں ہے "قدرتی طور پر کچھ مخالفت ہوئی اور مسلمانوں کی اکثریت نے جماعت احمدیہ کے بانی کے تحکمانہ انداز میں اپنے آپ کو دوسروں پر مذہبی رنگ میں بالا و فائق سمجھنے کو بُرا منایا اور کافر ہونے کا الزام جو مرزا نے اپنے منکرین پر لگایا۔ اس کی اس بدعتی مذہب کو نہ ماننے والوں نے بڑی سختی سے مدافعت کی لیکن قادیانی ان بیرونی نکتہ چینیوں کو اپنے خیال میں نہ لاتے اور اپنے شہر کی محفوظ فضا میں جتنا ہو سکا پھولے پھلے۔ ان کی اس نسبتی محفوظ پوزیشن نے ان کے اندر تکبر پیدا کر دیا جو استکبار و استعلاء کی حد تک پہنچ گیا۔ اپنے عقائد کو منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لیے وہ ایسے ہتھیار برتنے لگے جو عموماً نہایت ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ جو لوگ ان میں شامل ہونے سے انکار کرتے۔ یہ انہیں نہ صرف بائیکاٹ اور اخراج بلکہ اس سے بھی سخت تر اقدام کی دھمکیاں دے کر ڈراتے بلکہ بسا اوقات ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی تبلیغ کی تائید کرتے۔ قادیان میں ایک والنٹیر کور بھی بنایا گیا جس کا مقصد غالباً اپنے فیصلہ جات و احکام کا نفاذ تھا۔"

سیشن جج کی مندرجہ بالا عبارت کے پہلے جملے میں "استکبار و استعلاء" کے لفظ کا استعمال اس سارے فیصلہ کی زبان کے انداز کے مطابق ہے جو جج نے اس فیصلہ میں استعمال کی ہے لیکن اس کے قلم زد کرنے کی کوئی خاص ضرورتی وجہ موجود نہیں۔ دوسرے جملہ میں لفظ "بدعتی" قابل اعتراض ہے اور اس سے قادیانی مذہب کے پیروؤں کی دل آزاری ہوتی ہے گو یہ ممکن ہے کہ جج نے اس لفظ کو سخت رنگ میں استعمال نہ کیا ہو۔ مگر جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے قادیانی یا کسی اور فرقے کے حسن و قبح کا سوال عدالت کے سامنے نہ تھا اور یہ باتیں اس مقدمے کے مقاصد کے لیے بالکل غیر متعلق تھیں تمام الہامی مذاہب ایک نہ ایک وقت نئے ہوتے ہیں۔ پس میں لفظ "بدعتی" کو فیصلہ سے خارج کرتا ہوں۔

اگلے الفاظ جن پر اعتراض کیا گیا ہے یہ ہیں: "اس نسبتی حفاظت کی پوزیشن نے قادیانیوں میں استعلاء کی حد تک تکبر پیدا کر دیا۔" یہ بیان بہ حیثیت مجموعی مسل کی زبانی اور تحریری شہادت پر مبنی ہے اور اگرچہ یہ بہت

بہتر ہوتا۔ کہ زبان حد اعتدال کے اندر رکھی جاتی اور حقیقتاً یہ تمام جملہ ہی غیر ضروری ہے لیکن اس کے قلم زد کرنے کی صحیح وجوہات مجھے نظر نہیں آتیں۔ قادیانیوں کے رویہ اور سلوک کو جس کے متعلق گواہی میں ذکر ہے سیشن جج نے ملزم کی سزا میں کمی کی جائز وجہ سمجھا ہے۔ آیا جج اس خیال میں حق بجانب تھا یا نہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو موجودہ نوعیت کی درخواست میں نہیں اٹھایا جا سکتا۔ فاضل جج کے اس خیال کی تائید میں کہ دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے ملزم کے لیے جائز ہے کہ جن بیانات کی بنا پر اس پر مقدمہ چلایا گیا ہو ان کے متعلق اپنی اصلی نیت ظاہر کرنے کے لیے اور سزا میں کمی کرانے کی خاطر اپنے بیانات کے سچے ہونے کو بطور عذر پیش کرے۔ اس ہائی کورٹ کی کم از کم ایک نظیر ضرور موجود ہے۔ سرکار بنام راجپال (ان لا رپورٹر لاہور ۱۵) خود دفعہ ۱۵۳ الف کی تشریح کا بھی یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس خیال کی تردید میں کوئی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔ کہ اس دفعہ کے ماتحت مقدمات میں دل آزار الفاظ کی سچائی کی شہادت امر متعلقہ نہیں ہے اس لیے میں اس موقعہ پر یہ کہنے کو تیار نہیں ہوں کہ سماعت کرنے والے مجسٹریٹ نے ایسی گواہی کے طلب کرنے کی اجازت دینے میں جو مدعا علیہ کی تقریر کے دعاوی کی سچائی ثابت کر سکے غلطی کی ہے۔ یا یہ کہ اس وجہ سے سیشن جج نے جو نتیجہ اس گواہی سے نکالا ہے۔ اسے غیر متعلق سمجھا جانا چاہیے۔ لیکن دوسری طرف اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایسی گواہی کو مقدمہ سے امر متعلقہ قرار دینے کے لیے اس واقعہ کا جو تقریر کی تائید میں پیش کیا گیا ہو۔ اور اس فعل کا جس کی وجہ سے مقدمہ چلایا گیا ہو۔ آپس میں قریب کا تعلق ہونا چاہیے۔ اگر گواہی کسی ایسے واقعہ کے ثبوت میں پیش کی گئی ہو جو مبینہ جرم کے حالات سے بالکل بے تعلق ہو وہ اگر درست ثابت ہو تو بھی یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ ملزم کا فعل دبانتدارانہ تھا یا اسے اشتعال دلایا گیا تھا یا وہ اپنے فعل کے لیے کوئی عذر رکھتا تھا پس ایسی گواہی یقیناً غیر متعلق ہے۔ اور ایسی شہادت کی بنا پر جو ریمارکس کیے گئے ہوں۔ ان کا بحال رکھنا جبکہ وہ کسی شخص کے خلاف اثر ڈالتے ہوں۔ یا کسی اور لحاظ سے دل آزار اور غیر ضروری ہوں۔ عدالتی کارروائی کا ایسا برا استعمال ہے۔ جو ان کے قلم زد کرنے کو جائز کر دیتا ہے۔

اب میں ان الفاظ کو لیتا ہوں کہ اپنے عقائد کو منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لیے انہوں نے یعنی احمدیوں نے ایسے ہتھیار استعمال کیے جو معمولی حالات میں نہایت ناپسندیدہ سمجھے جائیں گے۔ جو

لوگ ان میں شامل ہونے سے انکار کرتے یہ انہیں نہ صرف بائیکاٹ اور اخراج بلکہ اس سے بھی سخت تر اقدام کی
دھمکیاں دے کر ڈراتے بلکہ بسا اوقات ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی تبلیغ کی تائید بھی کرتے۔ قادیان میں
ایک والنٹیر کور بھی بنایا گیا۔ جس کا مقصد غالباً اپنے فیصلہ جات و احکام کا نفاذ تھا۔" سیشن جج کے
یہ الفاظ واقعات کا بالکل صحیح بیان نہیں ہیں۔ اس بات کی کوئی شہادت نہیں کہ سوائے
ان لوگوں کے جو جماعت کو چھوڑ گئے ہوں یا ان سے لڑ بیٹھے ہوں اور کسی کو اس وجہ
سے کہ وہ کیوں قادیانیوں میں شامل نہیں ہوتا۔ ڈرایا دھمکایا گیا ہو۔ اس امر کی کافی شہادت ہے
اور خود مرزا صاحب کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ جو اشخاص جماعت کی نظر میں قابل اعتراض
ہو گئے ان سے قطع تعلق کر لیا گیا یا تمدنی رنگ میں ان پر قادیان سے چلے جانے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ اگرچہ
اس معاملہ میں یہ نتیجہ نکالنے کے لیے بہت کم وجہ موجود ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق کوئی خلاف قانون دباؤ ڈالا
گیا ہو۔ جہاں تک "سخت تر اقدام" کی دھمکی کا تعلق ہے۔ عبدالکریم کی گواہی موجود ہے کہ اسے قتل کی دھمکی
دی گئی۔ فاضل سیشن جج نے اسے باور کر لیا ہے میں نے والنٹیر کور کے متعلق شہادت کا پہلے ہی ذکر کیا ہے۔ کور
تو تھی لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں کہ وہ خلاف قانون طریقہ سے استعمال کی گئی ہو اور یہ ریمارک
بالکل بے بنیاد ہے کہ "غالباً یہ کور فیصلہ جات اور احکام کے نفاذ کے لیے قائم کی
گئی تھی"۔ مگر میرے نزدیک اس عبارت کا قلم زد کرنا ضروری نہیں۔

پانچویں اور چھٹی عبارت

پانچویں اور چھٹی عبارت میں جو ریمارکس کیے گئے ہیں وہ شہادت پر مبنی ہیں۔ یہ ثابت ہے جیسا کہ
میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ کہ قادیان کی عدالتوں میں دیوانی اور فوجداری ہر دو قسم کے مقدمات فیصل کیے جاتے
تھے۔ سزائیں دی جاتیں اور ڈگریاں جاری کی جاتی تھیں لیکن یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ یہ فعل خلاف قانون
صورت میں کیا جاتا تھا۔ یا یہ کہ ان عدالتوں میں غیر قادیانیوں کے جھگڑے فیصل کیے جاتے ہیں۔ یہ
سمجھنا مشکل ہے کہ ان باتوں میں فاضل جج کو سزائیں تخفیف کرنے کی وجہ کیونکر نظر

آ گئی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انہیں ایسی وجہ نظر آئی ہے۔ اس لیے یہ قصہ یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ عبارت الف (۱) اور الف (۲) کو قلم زد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

ساتویں عبارت

عبارت (ج) مندرجہ ذیل ہے:

"بھگت سنگھ گواہ صفائی ۱۹ نے بیان کیا کہ مجھ پر مرزائیوں نے حملہ کیا۔ ایک شخص غریب شاہ نامی قادیانیوں کے ہاتھوں پیٹا گیا۔ اور جب اس نے مقدمہ چلانا چاہا۔ تو کوئی اس کی گواہی دینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ان الفاظ کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ کہ فاضل سشن جج نے انفرادی واقعات کو غلط طور پر تمام قوم کے سر تھوپا ہے۔ اور یہ کہ غریب شاہ کے متعلق شہادت اس بیان کی تصدیق نہیں کرتی۔ بھگت سنگھ کی شہادت یہ ہے کہ مجھے ایک احمدی مبلغ اور بعض دوسرے لوگوں نے ایک اور احمدی مبلغ کے ساتھ جھگڑا کرنے پر مارا تھا۔ اب یہ بالکل ممکن ہے کہ اسے جائز طور پر مارا گیا ہو۔ غریب شاہ کے متعلق شہادت یہ ہے کہ وہ احراریوں کا مبلغ تھا اور یہ کہ ایک دفعہ احمدیوں نے اُسے مارا بیان فیروزدین ہیڈ کانسٹیبل قادیان گواہ صفائی ۶۰) اور پچاس ساٹھ احمدیوں نے اسے پیٹنے کی دھمکی دی۔ مجھے اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ کہ اس کے حق میں گواہی دینے کے لیے کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ لیکن اس عبارت کے قلم زد کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ بیان اب کسی کے حق میں نقصان دہ نہیں ہو سکتا۔

آٹھویں عبارت

اگلی عبارت زیر اعتراض (ج ۱) یہ ہے:

"عدالت کی ڈگریوں کا اجرا کیا جاتا ہے۔ اور ایک مثال ایسی بھی موجود ہے۔ جہاں ایک مکان کے فروخت کرنے کی ڈگری کا اجرا کیا گیا۔ اسٹامپ کے کاغذات نج کے طور پر قادیان میں بنائے جاتے اور فروخت کیے جاتے ہیں۔ اور مرزا کو جو درخواستیں دی جاتی ہیں اُن میں استعمال کیے جاتے ہیں"۔

اس بات کی شہادت موجود ہے۔ کہ ایک ڈگری کے دیئے جانے کے بعد ایک مکان فروخت کیا گیا اگرچہ یہ امر واضح نہیں کہ فروخت جبراً کرائی گئی۔ خود ساختہ اسٹامپ بنایا گیا تھا۔ لیکن اب اسے ترک کیا جا چکا ہے۔ درخواست کنندہ (کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب) کا بیان ہے کہ یہ کاغذ پریذیڈنٹ لوکل انجمن قادیان کے سامنے پیش ہونے کے لیے تھا نہ کہ مرزا صاحب کے سامنے پیش کیے جانے کے لیے۔ لیکن چونکہ مرزا صاحب بعض مقدمات میں آخری عدالت اپیل ہیں۔ اس لیے مجھے ان الفاظ کے حذف کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

نویں۔ دسویں عبارت

اگلی دو عبارتیں (ایچ۔ اور۔ آئی) جن کے حذف کرنے کی عدالت سے درخواست کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) "علاوہ ازیں سب سے سنگین معاملہ عبدالکریم کا ہے جس کی داستان حقیقۃً ایک داستانِ درد ہے۔ اس شخص نے احمدی مذہب قبول کیا۔ اور قادیان چلا گیا۔ وہاں اس کے دل میں مذہبی شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور اس نے احمدیہ مذہب ترک کر دیا۔ تب اس پر ستم رانی کا آغاز ہوا۔ اس نے ایک اخبار 'مباہلہ' نامی جاری کیا۔ جس کا مقصد جماعت احمدیہ کے مذہب پر تنقید کرنا تھا۔ مرزا نے ایک تقریر میں جو اگزیبٹ ڈی زیڈ ۲۹ میں رپورٹ کی گئی ہے۔ اخبار مباہلہ والوں کی موت کی پیشین گوئی کی۔ اور ان کے قتل کی تدبیر کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس تقریر میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو اپنے مذہب کی خاطر قتل کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے جلد بعد عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن وہ بچ گیا۔"

(۲) "قاضی محمد علی صاحب کے پھانسی کے حکم کا نفاذ ہوا اور پھانسی پانے کے بعد اس کی لاش قادیان پہنچائی گئی۔ اور اسے بڑی دھوم دھام سے اس جگہ دفن کیا گیا جس کو بہشتی مقبرہ کہا جاتا ہے۔ الفضل اخبار میں جو احمدیہ جماعت کا آرگن ہے۔ اس قتل کی تعریف اور قاتل کی مدح سرائی گئی۔ یہ لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہ تھا اور وہ پھانسی پانے سے پہلے فوت ہو کر پھانسی کی رسوائی سے بچ گیا تھا۔ خدا نے اپنے عدل و انصاف

کے تقاضے سے اس بات کو بہتر سمجھا۔ کہ پھانسی کی ذلت سے پہلے ہی اس کی روح قبض کرلے جب عدالت میں مرزا کا اس معاملہ کے متعلق بیان لیا گیا۔ تو اس نے بالکل مختلف کہانی بیان کی۔ اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کو باعزت طریق پر اس لیے دفن کیا گیا۔ کہ اس نے اپنے جرم پر اظہار ندامت کیا تھا۔ اور اس طرح گناہ سے بری ہو چکا تھا۔ لیکن دستاویز ڈی۔ زیڈ ۴۰ اس کی تردید کرتی ہے۔ اور مرزا کی نیت اور اس معاملہ میں اس کا رویہ اس کے اس اظہار رائے سے ظاہر ہے جو کاغذ شامل مسل ڈی زیڈ ۳۹ میں درج ہے ضمنی طور پر میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس دستاویز کے مضمون سے لاہور ہائی کورٹ کی توہین بھی متصور ہوتی ہے۔

عبد الکریم اور اس کے قصے کا ذکر پہلے بھی کیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کی داستان ایک داستان درد ہے لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اپنا رویہ ہی ایک حد تک اس کی تکالیف کا موجب ہوا ہے۔ شہادت کا بیان ہے کہ وہ احمدی تھا۔ اور ۱۹۱۶ء میں قادیان جا کر آباد ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں اس نے قادیانی مذہب ترک کر دیا اور چودہ سال بعد اخبار مباہلہ جاری کیا۔ اس جگہ اعداد کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عبد الکریم ۱۹۲۸ء میں احمدیت سے منحرف ہوا اور اسی سال اس نے اخبار مباہلہ جاری کیا تھا جس میں اس نے قادیانیوں کے خلاف مضامین لکھے۔ (مترجم) قادیان (جو مرزا صاحب کے خاندان کی ملکیت ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے) میں حالات اس کے لیے ایسے دشوار کر دیئے گئے۔ کہ مارچ ۱۹۳۰ء میں وہ اپنے گھر سے نکلا اور ایک رات خالصہ بورڈنگ ہاؤس کی پناہ میں رہ کر زیر حفاظت پولیس گورداسپور پہنچایا گیا۔

۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء کو خلیفہ نے ایک خطبہ پڑھا (ڈی زیڈ ۳۹) جس میں بعض منافقین کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "وہ جماعت سے نکل کر خصوصیت سے میرے خلاف ناپاک پراپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمانی موت دے دی جسمانی باقی ہے وہ بھی انشاء اللہ آسمانی عذابوں کے ساتھ ہوگی۔"

یہ خطبہ یکم اپریل ۱۹۳۰ء کے "الفضل" میں چھپا۔ جو ایک قادیانی اخبار ہے اور صدر انجمن احمدیہ قادیان اس کی مالک ہے۔ ۲۰ اپریل کو جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ عبد الکریم پر محمد علی نے حملہ کیا۔ اور اس حملہ میں ایک اور شخص محمد حسین کو مار دیا۔ یہ محمد حسین، عبد الکریم کا اس مقدمے میں ضامن تھا۔ جو اس پر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند کے ماتحت چل رہا تھا۔ محمد علی کے پھانسی پانے کے بعد اس کی نعش قادیان لائی گئی۔ اور ا سے

بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی عزت دی گئی۔ مرزا صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ایک خطبہ پڑھا ۔ اگزبٹ ڈی زیڈ ۔ ۴) جو ۱۸ جولائی ۱۹۳۱ء کے "الفضل" میں بعنوان "قاضی صاحب نے کسی کو قتل نہیں کیا ۔ قاضی صاحب کیوں تعریف کے مستحق ہیں"۔ شائع ہوا ۔ قاضی صاحب سے مراد محمد علی ہے۔ اس خطبہ میں قتل کے فعل کی تعریف نہیں کی گئی تھی ۔ البتہ اس بنا پر محمد علی کی ضرور تعریف کی گئی تھی ۔ کہ اس نے سچ کی خاطر اپنی جان قربان کر دینے میں مذہبی جوش کا اظہار کیا ۔ اس وجہ سے کہ اس نے سچ بولا اور اس پر قائم رہا ۔ اس خطبہ میں ایک جگہ پر ہائی کورٹ کے محمد علی کی سزائے موت کو برقرار رکھنے کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :

"عدالت کے فیصلہ کے ہم پابند نہیں ۔ اس نے اپنا کام کیا ۔ اور اپنی رائے کے مطابق انہیں پھانسی دے دی مگر ہم اس کے فیصلہ کو صحیح ماننے کے لیے پابند نہیں ہیں ۔ اس نے اپنے فیصلہ کی بنیاد اپنے نقطۂ نگاہ پر رکھی وہ ان کی سچائی سے اس طرح واقف نہ تھی جس طرح ہم واقف ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

۱۸ جون ۱۹۳۱ء کے "الفضل" میں مولوی شیر علی کا بھی ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء کا خطبہ شائع ہوا ہے ۔ خطبہ میں محمد علی کی اس وجہ سے تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے مقدمہ کے دوران میں سچ بولا ۔ اور سچائی پر مضبوطی سے قائم رہے ۔ اور اس طرح قیامت تک ایک اچھی مثال قائم کر دی ۔ اس خطبہ میں اس بات کے یقین کے لیے کہ قاضی محمد علی کی روح پھانسی دیے جانے سے قبل ہی پرواز کر چکی تھی دلائل بھی دیے گئے ہیں ۔

میرے نزدیک فقرات ایچ اور آئی کو سالم صورت میں قلم زد کرنے کے لیے کوئی کافی وجہ نہیں ہے لیکن یہ کہنا بالکل بے بنیاد ہے کہ خلیفہ نے "اخبار مباہلہ" کے ناشرین کی ہلاکت کی تدبیر کو تکمیل تک پہنچایا ۔ محمد حسین کے قتل کے جرم میں محمد علی پھانسی دیا جا چکا ہے ۔ مسل سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خلیفہ پر قتل کا الزام لگایا گیا ہو یا کہ مقتول کی ہلاکت ان کے ارادہ سے عمل میں آئی ہو

قاتل صوبہ سرحد کا باشندہ تھا ۔ خلیفہ نے اپنی شہادت میں واضح کر دیا تھا کہ محمد حسین کے قتل میں احمدیہ جماعت کا کوئی دخل نہ تھا ۔ لفظ encompassed یعنی خلیفہ صاحب نے قتل کی تدبیر کو تکمیل تک پہنچایا ، مرزا صاحب کو بغیر کسی تحقیق کے مورد الزام بناتا ہے لہٰذا میں اس لفظ کے خارج کیے جانے کا فیصلہ کرتا ہوں

گیارھویں عبارت

فقرہ (ج) یہ ہے کہ " محمد امین اگرچہ احمدی تھا لیکن وہ مرزا کا مورد عتاب ہو چکا تھا اور اس لیے نظروں سے گر گیا تھا" یہ فقرہ اس بنا پر قابلِ اعتراض ٹھیرایا گیا ہے کہ شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد امین جو قادیانی مبلغ تھا ملازمت سے اس وجہ سے برطرف نہیں کیا گیا تھا کہ وہ مرزا صاحب کی ناراضی کا مورد ہو گیا تھا ۔ بلکہ فتح محمد (ڈی ڈبلیو ۲۱) نے اس کے رویہ کو خلاف دیانت پا کر اسے برطرف کر دیا تھا۔ اس بات کی کوئی بلاواسطہ شہادت نہیں کہ مرزا صاحب محمد امین کو ناپسند کرتے تھے۔ مرزا صاحب سے ان کے اور محمد امین کے باہمی تعلقات کے متعلق کوئی سوالات نہیں کیے گئے مگر چونکہ فیصلہ کا یہ حصہ جسے قابلِ اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ ایک ایسا استدلال ہے جو شہادت میں بیان کردہ واقعات سے معقول طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے اس لیے یہ فقرہ قائم رہنا چاہیئے۔

بارھواں فقرہ

اگلا فقرہ جس کا درخواست میں نمبر ا کے ہیں ذکر کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہے:۔

"عبدالکریم کو قادیان سے نکال دینے کے بعد اس کا مکان بیلام کیا گیا۔ اس مکان کو قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریقہ سے گرانے کی کوشش بھی کی گئی۔ یہ افسوسناک واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ قادیان میں ایک بے قانونی کی حالت ہے جس میں آتش زدگی اور قتل تک ہوتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ مرزا نے قادیانی نے کروڑوں مسلمانوں کو جو ان کی ارفع حیثیت پر ایمان نہیں لاتے۔ شدید دشنام دہی کا نشانہ بنایا۔ ان کی تصنیفات ایک ایسے مقدس وارفع مذہبی بزرگ کے اخلاق و اطوار کی انوکھی تفسیر ہیں۔ جو فقط نبوت کا ہی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ خدا کا برگزیدہ مسیح ثانی ہونے کا بھی مدعی ہے۔"

میں عبدالکریم کے معاملے میں قبل ازیں بھی کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ درخواست کنندہ کی جانب سے یہ بات پیش کی گئی ہے کہ ریکارڈ سے ان ریمارکس کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ یہ غیر صحیح ہیں اور

واقعات کو بگاڑ کر قائم کیے گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عبدالکریم کا کوئی اپنا مکان قادیان میں نہیں تھا اور نہ اسے نکالا نہیں گیا۔ اور سمال ٹاؤن کمیٹی کی کارروائی صحیح اور مطابق قانون تھی۔ اور مکان اس وجہ سے گرایا گیا کہ وہ نہایت خستہ حالت میں تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبدالکریم قادیان سے اس واسطے چلا گیا کہ اسے اپنی جان کا خوف تھا۔ یہ بات شہادت میں موجود ہے کہ جب سمال ٹاؤن کمیٹی نے مکان کی شکستہ حالت کے متعلق اسے نوٹس دیا۔ تو اس نے مکان کا ایک فوٹو اتار کر ایک درخواست کے ساتھ سمال ٹاؤن کمیٹی کے سامنے پیش کیا اور انجام کار مکان کو نوٹس کے منشار کے مطابق گرایا نہیں گیا۔ عبدالکریم کے قادیان سے چلے جانے کے بعد مکان آگ کا شکار ہوا۔ ۱۹۳۳ء میں درخواست گذار مرزا شریف احمد صاحب نے جو محکمہ تعلیم کے نائب ناظر ہیں اس پر قبضہ کر لیا۔ گواہ ملزم کی حیثیت میں ان کا بیان یہ تھا کہ وہ جگہ شاملات دیہہ کے اندر واقع ہے۔ اور یہ زمین مالکانِ قادیان کی ہے جن کی طرف سے عبدالکریم کے باپ کو اس پر مکان بنانے کی اجازت دی گئی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں عبدالکریم کا باپ فضل کریم مکان چھوڑ کر چلا گیا اور ۱۹۳۳ء میں جب مرزا شریف احمد نے اس پر قبضہ کیا۔ اس وقت صرف ملبہ اور ایک یا دو دیواریں موجود تھیں مرزا شریف احمد کے مختار نے یہ دیواریں گرا دیں۔ اور پھر یہ جگہ کل انجمن کو دے دی گئی۔

اس شہادت اور دوسری شہادت سے جس کا میں نے اس فیصلہ میں ذکر کیا ہے۔ فاضل سیشن جج نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قادیان میں ایک بے قانونی کی حالت تھی جس میں قتل اور آتش زنی کی کیفیت رائج تھی مگر ایسا نتیجہ نکالنا شاید ایک ناواجب دلیری اور جسارت ہے۔ عبدالکریم کے گھر کے علاوہ ایک اور عمارت کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اسے قادیانیوں نے جلا دیا۔ محمد امین کے متعلق یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے مارنے میں فتح محمد مرتکب نہیں ہوا۔ محمد علی کے ہاتھوں محمد حسین کے قتل اور عبدالکریم کے مجروح ہونے کا حادثہ قادیان میں نہیں ہوا۔ اگرچہ کوئی اور جج شہادت سے ایسا نتیجہ نکالنا جائز نہ سمجھتا۔ لیکن میں یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اس نتیجہ کے اخذ کرنے کے لیے مسل پر کوئی شہادت موجود نہیں۔ دونوں فریقوں کے وکلا نے میرے سامنے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریروں میں ان لوگوں کے متعلق جو ان کے

مذہبی عقائد سے اختلاف رکھنے اور اپنی تحریروں میں ان پر اعتراض کرنے کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں اور اپنے مخالفین کو برا بھلا کہا ہے لیکن جس فقرہ کو قابلِ اعتراض قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو جو ان کی ارفع حیثیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنایا۔ کیونکہ مرزا صاحب کا حملہ تمام مسلمانوں پر نہیں تھا بلکہ ان کے خاص ذاتی دشمنوں پر تھا لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا گیا کہ یہ خاص دشمن پرانے عقیدہ کے (غیر احمدی) مسلمان تھے۔ دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ مرزا صاحب کا تیس چالیس یا پچاس سال قبل کا کوئی فعل یا قول کسی امکانی رنگ میں ۱۹۳۴ء میں قادیانیوں اور احرار کے درمیان منافرت پھیلانے کے لیے وجہ اشتعال نہیں ہو سکتا۔ اور اس لیے وہ شہادت جس پر سشن جج نے اپنے ریمارک کی بنیاد رکھی ہے اس مقدمہ کے لحاظ سے ایک غیر متعلق امر ہے۔ اور اس عبارت کے آخری دو فقرات غیر متعلق، غیر ضروری اور دل آزار ہیں۔ اس لیے میں انہیں حذف کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ بقیہ حصہ قائم رہے گا۔

تیرھواں فقرہ

اگلا پیرا (ل ل)، جسے حذف کرانے کے لیے کہا گیا ہے مندرجہ ذیل ہے:۔

"قادیانیوں نے قدرتی طور پر اس اقدام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور انہوں نے کانفرنس کے انعقاد کو روکنے کے لیے دلیرانہ کوشش کی۔ احرار کانفرنس کے انعقاد کے لیے ایک شخص ایشر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی۔ قادیانیوں نے اس زمین پر قبضہ کر لیا۔ اور اس پر دیوار کھینچ دی۔ اس طرح احرار اس ایک ہی قطعہ زمین سے محروم کر دیئے گئے۔ جو ان کو قادیان میں مل سکتا تھا اور اس لیے وہ مجبور ہو گئے کہ قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جگہ اپنا اجلاس کریں۔ دیوار کا بنایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت فریقین میں تعلقات کس قدر کشیدہ تھے اور مرزائیوں کا استکبار کس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی انجام سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے تھے۔"

اس عبارت کے الفاظ اگرچہ اس کیفیت کی پوری پوری وضاحت کر رہے ہیں۔ جس سے فاضل سشن جج نے اس مقدمہ کو دیکھا ہے لیکن وہ ایسے نہیں کہ انہیں اس وجہ سے حذف کیا جائے کہ ان کا قائم رہنا عدالتی کارروائی کا غلط استعمال ہے۔

چودھواں فقرہ

اگلے فقرہ ایم (M) کے الفاظ حذف کرنے کا حکم دینے میں مجھے قطعاً کوئی تامل نہیں ہے۔ اس بات کا کہ قادیانی مذہب کے بانی کیا کہا کرتے اور کیا کہتے تھے اس مقدمہ میں اس سوال کے ساتھ کہ مجرم کو کیا سزا دی جانی چاہیئے، قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ فقرہ غیر ضروری اور دلآزار ہے اور ہرگز فیصلہ حصہ نہیں بننا چاہیئے تھا

اب صرف ایک فقرہ این (N) رہ جاتا ہے جس میں فاضل سشن جج نے عطاء اللہ شاہ بخاری کے جرم کو محض اصطلاحی تصور کرنے کی وجوہ پیش کی ہیں اس جگہ بھی درخواست کنندہ کی طرف سے اعتراض کیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب نے ان تحریروں میں جن کی طرف فاضل سشن جج نے اشارہ کیا ہے ہندوستان کے عامۃ المسلمین کے متعلق دشنام کے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ ان کے مخاطب صرف ان کے ذاتی اور مذہبی دشمن تھے۔ یہ اعتراض حقیقت پر مبنی ہو یا نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ وہ بات جو مرزا غلام احمد نے گذشتہ صدی میں کہی اس کا اس وقت کوئی تعلق نہیں نہیں سمجھا جا سکتا جبکہ ایک ایسے شخص کے لیے جو کہ زیر دفعہ ۱۵۳ الف قادیانیوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور منافرت کے جذبات پھیلانے کے جرم میں ماخوذ ہوا ہے۔ سزا تجویز کرنے کا معاملہ زیر غور ہے۔ پس میں حکم دیتا ہوں کہ وہ عبارت جو انتہائی جذبات ناراضگی سے شروع ہو کر لفظ "کیتوں" پر ختم ہوتی ہے اسے سشن جج کے فیصلہ سے خارج کر دیا جائے۔

(دستخط) جے کولڈسٹریم۔ جج

۱۱ر نومبر ۱۹۳۵ء

"میں اس سے پہلے اپنے ضمیر کو ذبح کر رہا ہوں لیکن آئندہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں"

۳

مقدمہ ثالثہ

حضرت امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں

گواہ استغاثہ سرکاری رپورٹر

مسٹر لدھا رام کا بیان

محترم ڈاکٹر عبدالقادر صاحب گجرات
رکن عاملہ و شوریٰ مجلس احرار اسلام پاکستان

"توضیحات"

۱ ——● حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام شخصیت سے مرعوب ہو کر انگریزی سرکار - سکندر حیات - لیڈر یونینسٹ پارٹی نے حضرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا مندرجہ ذیل منصوبہ تیار کیا۔

اپنے ڈھب کے نو شادی سپرنٹنڈنٹوں کو خفیہ خطوط لکھ کر ہدایت کی کہ جب شاہ صاحب آپ کے ضلع میں تقریر کے لیے آئیں تو چالاک اور ہوشیار رپورٹر تقریر نوٹ کرتے وقت جگہ خالی چھوڑتا جائے تاکہ بعد میں حسب خواہش عبارت درج کی جا سکے جس سے قتلِ عمد کھلی بغاوت اور فساد و خون ریزی کی ترغیب ثابت ہو جس کی سزا پھانسی، عبور دریائے شور، جائیداد کی ضبطی وغیرہ ہو سکے!

۲ ——● موضع پیر قاضی ضلع گجرات میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے لالہ موسیٰ اسٹیشن پر اترے وہاں تقریر کے لیے جب مجبور کیا گیا تو حضرت نے اصلاحی تقریر فرمائی۔ رپورٹر نے حسب الحکم جگہ چھوڑ چھوڑ کر تقریر کے نوٹ لیے بعد میں پبلک پراسیکیوٹر کی ہدایت پر حسب خواہش فقرے درج کیے اور دفعہ ۳۰۲ ملکِ معظم کی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت درج کر کے فوجداری سنگین کیس عدالت میں پیش کر دیا گیا۔

اسی قسم کا کیس راولپنڈی پولیس نے بھی حضرت کے خلاف عدالت میں پیش کیا تھا جس کی بناء پر حضرت کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

۳ ——● گجرات میں حضرت کے کیس کا جو عدالت کی طرف سے ہی انچارج تھا تاریخ سے ایک دن قبل

مولانا مظہر علی صاحب اظہر کا سیالکوٹ سے دستی خط آیا جس میں ہدایت تھی کہ کل عدالت میں حسب ذیل مضمون کی درخواست ہائی کورٹ میں حضرت کی طرف سے دی جائے کہ :

"بیک وقت ایک ہی قسم کے دو۲ مقدمات راولپنڈی اور گجرات میں مجھ پر چلائے گئے ہیں یا تو دونوں کو ایک جگہ کر دیا جائے یا ایک کے بعد دوسرا کیس چلے"۔

اس وقت وکیل سے مل کر یہ درخواست ترتیب دی اور صبح حضرت شاہ صاحب کے جیل میں جا کر دستخط لیے۔ دس بجے دیوانی جیل میں لالہ لکھمی داس نے مجسٹریٹ نے اپنا اجلاس کیا، حضرت نے اپنی طرف سے درخواست پیش کر دی، عدالت نے کارروائی روک دی اور درخواست ہائی کورٹ میں بھیج دی۔ حسب ضابطہ پندرہ ۱۵ دن کے بعد تاریخ پیشی مقرر ہوئی

۴ —— • حضرت شاہ صاحب جیل دیوانی سے نکل کر سب جیل جا رہے تھے سب لوگوں نے جو آئے ہوئے تھے سلام پیش کیا، "لدھارام" پولیس رپورٹر نے بھی سلام عرض کیا۔ شیخ عبدالمالک نے کہا کہ یہ لدھارام آپ کی تقریر نوٹ کرنے والا رپورٹر ہے۔ حضرت نے لدھارام کی طرف سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا لدھارام ایک اور عدالت بھی قائم ہو گی جس میں سچ (جھوٹ) جھوٹ ہو کر سامنے آئے گا وہ خدا کی عدالت ہو گی ہمیں اس کی پیشی کا بھی خیال کرنا چاہیئے"۔ یہ کلمات فرما کر آپ جیل چلے گئے۔

لدھارام نے کہا یہ الفاظ بجلی بن کر مجھ پر گرے۔ مجھے تاب نہ رہی میں کمپنی باغ جا کر رو دیا جب طبیعت ہلکی ہوئی — سوچ بچار کے بعد عہد کیا کہ یہ بندوق جو میرے ہاتھ میں دے کر ایک مخلص قومی بے گناہ لیڈر کو قتل کرایا جا رہا ہے میں اپنے سر نہ لوں اور پیشی پر صحیح حالات سے عدالت کو آگاہ کر دوں"۔

لدھارام کو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ملازمت سے استعفا دے دے۔ چنانچہ لدھارام کے استعفا کا مضمون مرتب ہوا اور اگلی پیشی پر گجرات جیل میں عدالت کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ ہائی کورٹ نے شاہ صاحب کی درخواست پر یکے بعد دیگرے گجرات کیس کے فیصلہ کے بعد راولپنڈی کیس چلانے کا حکم دیا۔

اس تاریخ پیشی پر مقامی وکلاء کے علاوہ مشہور اور قابل قانون دان دیوان چمن لال اور میاں عبدالعزیز

صاحب لاہور سے تشریف لائے لدھا رام نے اپنا استعفا تمام واقعات سمیت عدالت میں پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ نے استعفا پڑھا۔ اور چونکہ اس سازش میں وزیر اعظم سر سکندر حیات ملوث تھے اس لیے عدالت کی باقی ماندہ کارروائی ختم کر کے حکومت پنجاب کو اصل حالات سے آگاہ کر دیا۔ لدھا رام عدالت برخاست ہوتے ہی دیوان چمن لال کی کار پر لاہور چلا گیا، اب پولیس نے لدھا رام کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ چونکہ کیس اہم صورت اختیار کر گیا تھا اس لیے حکومت پنجاب کے حکم پر اسے لاہور ہائی کورٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب کو گجرات جیل سے بذریعہ پولیس ایک سب انسپکٹر اور چھ سپاہیوں کے ہمراہ لاہور جیل پہنچایا گیا۔ میں بھی شاہ صاحب کے ہمراہ اسی ایس ہی لاہور چلا گیا۔

سکندر حیات کی حکومت اب اس کوشش میں تھی کہ جس طرح ہو سکے جلد از جلد لدھا رام کو گرفتار کر لیا جائے۔ ہماری مصلحت یہ تھی کہ لدھا رام اب پولیس کے ہاتھ نہ آئے۔ چنانچہ لدھا رام کو یو۔ پی میں ایک نواب[1] کے ہاں ٹھہرا دیا گیا۔

ہم نے کوشش کی کہ کیس کانگریس ہائی کمانڈ اپنے ہاتھ میں لے لیکن افسوس ہم کامیاب نہ ہوئے[2]۔ کیس ہائی کورٹ میں لگا اور تاریخ مقرر ہو گئی۔ پولیس اس سارے عرصہ میں لدھا رام کی تلاش میں ناکام رہی۔ مقدمہ سننے کے لیے چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ۔ اور جسٹس رام لال۔ مقرر ہوئے، عدالت چاہتی تھی کہ لدھا رام کو پیش کیا جائے لیکن ہمارے وکلاء اس امر پر متفق نہ تھے۔ آخر دیوان چمن لال کے اصرار پر لدھا رام کو پیش کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔

ہائی کورٹ کے احاطہ میں پولیس ہی پولیس تھی۔ پولیس چاہتی تھی کہ لدھا رام کو گرفتار کر کے ہم پیش کریں، ہم چاہتے تھے کہ وہ آزادانہ پیش ہو، لدھا رام کی کار آ کر چیف جسٹس کی عدالت کے سامنے کھڑی ہو گئی، لاہور کے جیالے احرار رضاکاروں نے بڑی تعداد میں کار کو گھیرے میں لے لیا اور پولیس کی ہزار کوشش کے

---

[1] نواب محمود علی خاں صاحب سہارنپوری
[2] حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کام کو انجام دینے کے لیے گاندھی وغیرہ سے ملے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

کے باوجود لدھارام کو ہائی کورٹ کے کمرے میں دھکیل کر ناز ان کا تحفظ حاصل کرتے ہوئے اُسے آزادانہ طور پر عدالت میں پیش کر دیا، چند منٹ بعد لدھارام، چیف جسٹس ینگ اور جسٹس رام لال کی عدالت میں کھڑا ہوا فاضل ایڈووکیٹ جنرل مسٹر "سلیشن" کی فاضلانہ جرح کا نہایت جرأت اور دلیری سے ہوشمندانہ جواب دے رہا تھا۔!

عدالت کی اس دن کی کارروائی کے بعد پولیس نے لدھارام کی گرفتاری کے وارنٹ پیش کیے۔ عدالت نے اُن وارنٹوں کے لیے لدھارام کی ضمانت منظور کر لی، چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ تقوی صاحب نے ضمانت دے دی۔

• —— • انجام کار حضرت شاہ صاحب ان ہر دو فوجداری سنگین مقدمات میں ہائی کورٹ سے باعزت بری کر دیے گئے، سید مقبول شاہ جو ان دنوں لالہ موسیٰ میں ہیڈ کانسٹیبل تھا اس نے مجھے کہا کہ جب میں ہائی کورٹ میں شاہ صاحب کے خلاف شہادت دینے کے لیے گیا تو لاہور میں سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی کہ دورانِ شہادت سید عطاء اللہ شاہ صاحب سے آنکھ نہ ملانا اگر آنکھ مل گئی تو شہادت نہ دے سکو گے۔ اس لیے شہادت دیتے وقت اپنے پاؤں کے تلووں پر نگاہ رکھنا، تاکید ہے، چنانچہ میں نے دورانِ شہادت ایسا ہی کیا۔ یہ واقعہ حضرت مرحوم کی عجیب مقناطیسی شخصیت، روحانی جذب و کشش اور ایمانی عظمت کی ایک ادنیٰ مثال تھا۔!

لہ جناب مولانا حبیب اللہ انور کے خسر۔ حال سکنہ نیست روڈ ملتان لاہور

حضرۃ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ

سرکاری رپورٹر لدھارام کا بیان

گجرات ۱۱ جنوری: آج رائے صاحب لکھمی داس اے۔ ڈی ایم کی عدالت میں حضرۃ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری معروف احرار لیڈر کا مقدمہ زیر دفعات ۱۲۴-الف (بغاوت) ۱۵۳-الف (طبقہ وارانہ منافرت کی تبلیغ) اور ۳۰۲ بشمول ۱۱۷ قانون فوجداری (ترغیب قتل) پیش ہوا۔ استغاثہ کی طرف سے باوا نریندر سنگھ پبلک پراسیکیوٹر اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر پیروی کا رہے تھے اور حضرۃ امیر شریعۃ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف سے میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایم۔ ایل۔ اے۔ دیوان چمن لال ایم۔ ایل۔ اے اور حضرۃ مولانا مظہر علی صاحب اظہر تھے۔

مسٹر لدھارام پولیس رپورٹر (جو پہلا گواہ استغاثہ تھا) پیش ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پولیس کے افسران بالا ایک عرصہ سے بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر اسے عدالت میں پیش نہ کرتے تھے اور زیر دفعہ ۱۹۰ اس کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے اس لیے مسٹر لدھارام پولیس رپورٹر نے دیوان چمن لال سے جو اس وقت کچہری میں موجود تھے اپنا تمام حال کہہ سنایا کہ کس طرح شاہ صاحب کے مقدمہ میں اسے بیان دینے سے روکا جا رہا ہے۔ اور دیوان چمن لال صاحب سے مسٹر لدھارام نے درخواست کی کہ وہ اے۔ ڈی ایم کی عدالت میں اس کا بیان دلوائیں اور بیان دینے سے قبل گجرات پولیس کو اس کے راستہ میں حائل نہ ہونے دیں۔ چنانچہ دیوان صاحب نے اے۔ ڈی ایم کو بتایا۔ کہ لدھارام پولیس رپورٹر گجرات کے احاطہ میں موجود ہے۔ اور شاہ صاحب کے مقدمہ میں گواہی دینا چاہتا ہے۔ مگر پولیس اسے گواہی دینے سے پہلے گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ابھی اس کو لے آؤں۔ آپ اس کا بیان لے لیجیے۔ اے۔ ڈی ایم صاحب نے فرمایا کہ آپ اُسے عدالت میں پیش کریں میں اس کا بیان لے لوں گا۔ گجرات کے شہر میں جابجا پولیس متعین کی گئی تھی کہ جہاں مسٹر لدھارام پولیس رپورٹر نظر آئے اُسے گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ دیوان صاحب عدالت کے کمرے سے باہر آئے اور

مسٹر لدھارام کو کار میں بٹھا کر فوراً لے آئیے اور اسے عدالت کے سپرد کر دیا۔ اے۔ ڈی۔ ایم صاحب کمرہ عدالت سے اٹھ کر دیوان چمن لال اور مسٹر لدھارام کے ہمراہ گجرات سب جیل میں گئے جہاں مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

لدھارام سرکاری رپورٹر کا بیان

استغاثہ کی جانب سے پہلا گواہ لدھارام سرکاری رپورٹر گجرات پیش ہوا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں نے ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو اس جلسہ میں شرکت کی تھی جو گرانڈ ٹرنک روڈ کے قریب لالہ موسیٰ میں ہوا تھا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس جلسہ میں تقریر کی تھی۔ لیکن مجھے یہ بات یاد نہیں کہ شاہ صاحب کے علاوہ کسی اور شخص نے بھی تقریر کی تھی یا نہیں۔ میں نے شاہ صاحب کی تقریر کا خلاصہ لکھا تھا جس کتاب پر حروف پی۔ ڈی تحریر ہیں اس میں تقریر کا اردو خلاصہ درج ہے اور یہ میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن گواہ نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے بیان کیا کہ "یہ خلاصہ دراصل اس تقریر کا خلاصہ نہیں ہے۔ جو شاہ صاحب نے کی تھی بلکہ تقریر کا مسخ شدہ خلاصہ ہے۔ جو میں نے تقریر کے وقت نہیں بلکہ تقریر کے بعد لکھا تھا۔ اصل تقریر کا خلاصہ جلا دیا گیا تھا۔ تقریر کا پیش نظر خلاصہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت پر میں نے گجرات میں ان کے مکان پر مرتب کیا تھا اور دوسرے روز میں اسے مفصل عبارت میں منتقل کیا۔"

اس مرحلہ پر استغاثہ نے عدالت سے درخواست کی کہ اُسے قانون شہادت کی دفعہ ۱۵۴ کے ماتحت گواہ پر جرح کرنے کی اجازت دی جائے۔ مختصر سی بحث کے بعد عدالت نے اس درخواست کو قبول کر لیا۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی جرح کے جواب میں گواہ نے بیان کیا۔

"میں نے یہ خلاصہ تقریر سے تین روز کے بعد مرتب کیا تھا مجھے وزیر اعظم پنجاب[1] کا ایک خط دکھایا گیا تھا جس میں مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میں نے اس کی تعمیل کی۔ اس خط میں تحریر تھا کہ جلسہ ختم ہونے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو۔ تم پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر پہنچو لیکن اس خط میں وہاں پہنچنے کے لیے تاریخ معین نہیں کی گئی تھی۔ یہ خط ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اور مجھے اصل خط دکھلایا گیا تھا۔ میں نے اپنی

[1] آنجہانی سر سکندر حیات خاں ۱۲

واقفیت میں کئے گئے۔ اُردو میں اس خط کا ترجمہ کر لیا تھا۔ استغاثہ کے وہ گواہ جنہوں نے تقریر کے اس خلاصہ پر دستخط کیے تھے۔ میرے ساتھ پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر نہیں گئے تھے۔ خط میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ تقریر کا خلاصہ پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے مشورہ سے کرنا چاہیئے۔"

گواہ نے مزید بیان کیا۔" یہ خط ۲۸ رجون ۱۹۳۹ء کا لکھا ہوا تھا اور اس کا نمبر سی۔ آر۔ بی۔ پی ۷۸۶ ہیل تھا۔"

اس کے بعد گواہ نے بیان کیا:۔

"کہ یہ خط ۲۸ جون کو گجرات پہنچا تھا۔ خط میں یہ ہدایت بھی درج تھی کہ اس خط کو خفیہ تصور کرنا چاہیئے۔ اس بنا پر میں نے کسی دوسرے افسر پولیس کو اس بات کی اطلاع نہیں دی کہ میں نے تقریر کا خلاصہ پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے مشورے سے مرتب کیا ہے۔ کیونکہ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ مجھے ترقی دی جائے گی۔ اور مجھے کام کی عمدگی کی سالانہ سند ہی دی گئی تھی۔ اس لیے میں نے تقریر کے خلاصہ کو مسخ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں مجھے نقد انعام بھی دیا گیا تھا لیکن مجھے یہ یاد نہیں کہ انعام کی صحیح رقم کیا تھی۔"

گواہ جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوا۔ تو دیوان چمن لال نے اُسے چند کاغذات دیئے جنہیں گواہ نے عدالت میں پیش کیا۔ ان کاغذات میں گواہ نے اپنے اس تقریر کو پیش کیا تھا جس کی بنا پر وہ پولیس کی ملازمت سے مستعفی ہوا۔ اس استعفار کو عدالت نے پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے کہنے پر ایگزبٹ پی۔ ڈبلیو ۱/۷ کر لیا جو حسب ذیل ہے:

بخدمت سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات

جناب عالی:

میں عرصہ ڈھائی سال سے محکمہ پولیس میں کام کر رہا ہوں اور میری ڈیوٹی پولیس رپورٹر کی ہے۔ میں کئی ایک دفعہ اپنی ضمیر کے برخلاف کام کرتا رہا۔ وہ محض اس لیے کہ افسران بالا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ان کو خوش رکھوں۔ مگر آخر کار مجھے اپنے ضمیر نے بیدار کیا۔ اور میں اپنے ضمیر کا خون نہ کر سکا جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں آج عدالت میں بالکل درست، دست اصلی اور قدرتی چیز کو پیش کر رہا ہوں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کے اصل واقعات حسب ذیل ہیں:۔

آنریبل سر سکندر حیات وزیر اعظم پنجاب کی طرف سے چند ایک مراسلات ان کے پی۔ اے کی معرفت سپرنٹنڈنٹ بہادر پولیس گجرات کو پہنچے جن میں سے فرضی حکموں پر میری تعمیل کرائی گئی۔ سب سے پہلی چٹھی مورخہ 29 $\frac{1}{39}$ نمبری $\frac{C.R.P}{B.O.M.L}$ جس میں سید عطاء اللہ شاہ کی نگرانی کے لیے تحریر تھا جس میں مسٹر پی۔ ایس۔ برار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کو لکھا گیا تھا کہ "سید عطاء اللہ شاہ بخاری سکنہ ناگڑبابل ضلع گجرات جب تمہارے ضلع کی حدود میں پہنچے تو اس کی تمام حرکات و سکنات کی نگرانی کی جائے اور ایک اچھے اور ہوشیار رپورٹر کی ڈیوٹی اس کے ساتھ لگائی جاوے جو مخلوط ہو کر اس کی نگرانی کرے اور نگران کنندہ کا نام وغیرہ اس چٹھی میں درج کیا جاوے۔

اس چٹھی کی تعمیل میں مجھے سید عطاء اللہ شاہ کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا اور بذریعہ چٹھی نمبر 1060 A محررہ 11 $\frac{2}{39}$ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب وزیر اعظم کے پی۔ اے کی معرفت بھیجا گیا۔

"جناب عالی! تعمیل حکم حضور والا شان ہو گئی۔ اور ایک اچھا ہوشیار رپورٹر ان کی نگرانی کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے۔ جس کا نام لدھا رام ہے اور بعہدہ فسٹ کانسٹیبل ہے۔ انگریزی خواندہ ہے۔"

اس کے بعد مندرجہ ذیل چٹھی پرسنل اسسٹنٹ سر سکندر حیات کی طرف سے ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کے نام آئی اس چٹھی کا نمبر $\frac{C.R.P}{B\ 637\ L}$ تھا۔

"آپ کو تحریر کیا جاتا ہے کہ ہمیں خفیہ طور پر اطلاع ملی ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تمہارے ضلع گجرات میں یونینسٹ وزارت کے برخلاف پروپیگنڈا کے لیے جا رہا ہے۔ آپ ایک بااعتبار رپورٹر کو حکم دیں کہ وہ اس کی تقریروں کے نوٹ لکھ کر آپ کے سامنے پیش کرے اور ممکن ہو تو بہت کشادہ لفظ لکھے جائیں۔ اس حکم کو نہایت خفیہ تصور کیا جاوے اور بعد کرانے تعمیل رپورٹر ہمارے پاس واپس بھیج دیا جاوے ضروری ہے۔

اس چٹھی کے جواب میں مورخہ 22 $\frac{6}{39}$ کو چٹھی نمبر 1060 B کے ذریعہ سپرنٹنڈنٹ گجرات نے سر سکندر حیات کو ان کے پی۔ اے کی معرفت اس مضمون کی چٹھی لکھی۔

"بجواب حکم نمبر 511 B عرض کی گئی ہے۔ لدھا رام رپورٹر کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ اور اس کو کامل ہدایت کی گئی ہے کہ وہ عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے نوٹ لیتے وقت کشادہ طور پر لکھے اور ہمارے سامنے پیش

کرے۔ اور پیر غازی میں ایک جلسہ ہونے والا ہے جس میں کہ اسے خاص ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کھلے طور پر نوٹ کرے جو کہ ڈائری علیحدہ ارسال ہوگی۔"

اس چٹھی کے بعد موضع پیر غازی وغیرہ میں جلسے وغیرہ ہوئے جس میں شاہ صاحب نے بالکل مذہبی تقریریں کیں میں نے ان کو کشادہ لکھنا موزوں نہ سمجھا۔ کیونکہ ان میں کمی بیشی کر کے مقدمہ بنانے کی گنجائش نہ تھی۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ صاحب نے میری طلبی کی اور میں نے جواب دیا کہ تقریریں بالکل مذہبی نہیں۔ ان کا کشادہ لکھنا بے سود تھا۔

اس کے بعد سر سکندر حیات کے پرسنل اسسٹنٹ نے ۲۸ جون ۱۹۳۹ء کو چٹھی $\frac{C}{B} \cdot \frac{R}{780} \cdot \frac{P}{L}$ کے ذریعہ سپرنٹنڈنٹ ضلع گجرات کو لکھا۔

"ڈائری خفیہ از موضع پیر غازی اور مدینہ پہنچ چکی ہے۔ چونکہ ان میں مذہبی لیکچر تحریر ہے جس میں کہ اتنی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ لہذا آئندہ ڈائری کوئی بھی ہو جس میں پولیٹیکل اظہار ہوں۔ اس میں تقریر کو اس طرح پر بعد لینے رائے پراسیکوٹنگ انسپکٹر بنایا جائے کہ وہ تقریر زیر دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند یا کسی قتل کی تبلیغ کے جرم مثلاً $\frac{302}{117}$ کا مرتکب ہو سکے اور یہ بھی خیال رکھا جاوے کہ ساتھ ہی $\frac{124}{153}$ الف بھی قائم رہے اور گواہان تمام طور پر معتبر اچھے پولیس کے اثر والے ہوں۔ اس حکم کو نہایت ہی خفیہ تصور کیا جاوے۔"

اس حکم کی وصولی کے بعد مورخہ $\frac{7}{39}$ ۲۵ کو شاہ صاحب نے لالہ موسیٰ ضلع گجرات میں تقریر کے لیے آنا تھا۔ چنانچہ حسب سابق مجھے رپورٹ لینے کے لیے متعین کیا گیا۔ شاہ صاحب نے تاریخ مقررہ پر لالہ موسیٰ میں تقریر کی تو میں نے اس تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لیے اور ان میں کچھ کشادہ جگہ موجب ہدایت افسران بالا رکھی اور تقریر کے لانگ ہینڈ نوٹ لکھے بغیر ہی گجرات واپس آیا اور پراسیکوٹنگ انسپکٹر کو شارٹ ہینڈ نوٹ دکھائے اور پڑھ کر سنائے پراسیکوٹنگ انسپکٹر صاحب نے کشادہ جگہ کو ناکافی خیال کیا اور مجھے کہا کہ میں اس تقریر کو لانگ ہینڈ میں بھی لکھوں۔ میں نے تعمیل حکم پی۔ آئی صاحب کی۔ پی۔ آئی صاحب نے لانگ ہینڈ کی عبارت میں اپنے حسب منشا تبدیلیاں اور اضافے کیے۔ اس کے بعد چونکہ ۲۵ تاریخ والی کاپی کی تحریر تبدیلیاں اور اضافوں کے باعث مشکوک ہوگئی تھی اور اسے عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے

پی۔آئی صاحب نے حکم دیا کہ نئی کاپی پر تبدیل شدہ عبارت کو شارٹ ھینڈ اور لانگ ھینڈ عبارت میں تبدیل کیا جاوے۔ نئی کاپی مورخہ ۳۰/۴۹ کو صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر پولیس کے سٹینو سے حاصل کی گئی۔ اور اس پر تمام عبارت شارٹ ھینڈ اور لانگ ھینڈ نوٹ کرنے کے بعد ۲۸/۴۰ والی اصلی کاپی کو پی۔آئی صاحب نے نذر آتش کر دیا اور اس نئی کاپی کی بنار پر مقدمہ کی منظوری حاصل کی گئی۔ اور مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اصلی ڈائری اور موجودہ جعلی ڈائری کے چند ایک اختلافات میں یہاں نوٹ کرتا ہوں جن سے معلوم ہو سکے گا کہ کس طرح حکام بالا کے احکام کی ناجائز تعمیل کی گئی

موجودہ جعلی ڈائری میں جو کچھ تحریر کیا گیا	تلف شدہ۔ اصلی ڈائری میں جو کچھ تحریر تھا
(۱) ساڈے وجہاں دے نکاح تے ساڈے نکاح دے فیصلے فرنگی شیطان فرنگی کرن۔ تے ساڈی شریعت دا کوئی خیال نہ لحاظ نہ ہوے۔	(۱) ساڈے نکاح تے ساڈیاں وجہاں دے نکاح دے فیصلے غیر مسلم کرن۔ ساڈی شریعت دا کوئی خیال نے لحاظ نہ ہوے۔
(۲) نہیں بلکہ ان بے ایمان فرنگیوں اور سکندر کی متعصبانہ چال ہے	(۲) نہیں بلکہ یہ سر سکندر اور یونی نسٹ پارٹی کی مہربانی اور چال ہے۔
(۳) میں حیران ہوں کہ یہ فرنگی خدا ان کو غارت کرے کیوں نہیں جاتے	(۳) میں حیران ہوں کہ باوجود سردار دھنا سنگھ کی مسجد بنوانے پر بھی سکھ صاحبان کے دل سے کدورت اور خیال کیوں نہیں جاتا اور اتفاق کیوں نہیں کرتے
(۴) میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زیادہ نہیں صرف جتنے آدمی یہاں موجود ہیں میرے ساتھ ہو جاویں۔ میں اس حکومت کا تختہ الٹ دوں۔ ان کے پرخچے اڑا کر رکھ دوں اور دشمنوں کو بحر میں جا کر ایسا دھکا دوں کہ نظر ہی نہ آویں مجھے اس وقت تمہارا حوصلہ ہو اور تیر و کمان و تیغ بکف ہو کر اور فرنگیوں کے خون کی نہریں بہا دو۔ سمندر لال کر دو	(۴) یہ الفاظ صرف پی۔ آئی صاحب نے بمنشا حکم سر سکندر حیات خاں مندرجہ بالا اپنی طرف سے لکھائے جو بالکل جھوٹ ہیں اور ایک بے گناہ ہستی کو گردن زدنی کا موجب بناتے ہیں۔ یہ الفاظ قطعاً مقرر نے اپنی تقریر میں استعمال نہیں کیے۔

نہریں ملان کے خون سے زمین کو سیراب کریں جس طرح
یزید نے حسین کی فوج کو تہ تیغ کیا تھا۔ اسی طرح ان
شیطانوں کو کاٹ دو۔ حوصلہ سے کام لو اور ان بے ایمان
اور کافروں کو نکال دو۔

اس طرح مقدمہ تیار کرنے کے بعد اور 302/117 کے ساتھ دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کا مواد مہیا کرنے اور ساتھ ہی 121/153 کا خیال رکھنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ گجرات نے مسٹر سکندر حیات خاں کو ان کے پی۔ اے کی معرفت اپنی چٹھی ۵۰۵۰ مورخہ ۸/۴۹ ۔۲ میں اپنی کارکردگی اور تعمیل ارشاد کی حسب ذیل اطلاع دی۔

"جناب عالی! مورخہ ۸/۴۹ ۔۲ کو علماء اللہ شاہ نے لالہ موسیٰ میں تقریر کی ہے جس کے متعلق رپورٹر کو خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی۔ مطابق ہدایت پی۔ آئی صاحب کے پاس ڈائری کو بھیجا گیا تھا اور اس میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ڈائری از سر نو ترتیب کی گئی ہے جس میں قانونی اغراض کو مد نظر رکھتے ہوئے کمی بیشی کی گئی ہے۔ اور ایسے الفاظ ایزاد کیے گئے ہیں کہ جن پر فوراً 302/117 تعزیرات ہند عائد ہوتا ہے اور بعد شہادت استغاثہ ۱۲۱ تعزیرات ہند بھی قائم ہو سکتا ہے۔ 302/117 تعزیرات ہند کے لیے صرف الفاظ ترغیب قتل اقوام انگریز اور پبلک میں کافی اشتعال لکھا گیا ہے۔ لہٰذا بموجب حکم تعمیل ہو کر رپورٹ عرض ہے۔"

دور اعلیٰ سے لے کر نچلے افسروں تک تمام کارروائی کا حال مذکورہ بالا خط و کتابت اور جعلی ڈائری نویسی سے ظاہر ہے۔ اس پر کسی مزید تنقید کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی منصف مزاج انسان اس بارہ میں کسی تنقید کا محتاج ہوگا۔

اب میرے سامنے کئی روز سے یہ سوال درپیش ہے کہ آیا میں اس طرز عمل کو قبول کرتا جاؤں جو کہ اب تک جاری ہے اور جس کے ذریعہ دنیاوی طور پر فائدہ اور ترقی کی امید ہے اور اس جعلی ڈائری کی ترتیب میں جو خدمت مجھ سے لی گئی ہے اس کے صلہ میں مورخہ ۹/۴۹ ۸ کو ۲۰۰ روپے نقد اور ایک عدد سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد مزید ترقی اور انعام و اکرام کے لالچ میں جیسا کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے میں ضمیر کشی کرتا جاؤں۔ بے قصور لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے سے باز آؤں۔ خواہ اس میں دنیاوی زر و مال کی کمی ہی کیوں نہ ہو۔ میرے دل نے

بے حد کشمکش اور ذہنی روز کے غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ کیا ہے کہ میں بڑے بڑے آفیسران کا آلۂ کار بن کر اپنی ضمیر کا خون نہ کروں۔ اور جس محکمہ میں اس قسم کی بے ایمانی اور ضمیر فروشی کے بغیر ترقی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ اس کو خیر باد کہتا ہوا اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کروں اور اپنے آپ کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دوں۔ اور ان حالات میں ملازمت سے مستعفی ہوتا ہوں۔"

لدھارام نقل خود

اس کے بعد گواہ پر مفصل جرح کی گئی۔ اور یہ کہ اس نے نوٹ بک کس طرح حاصل کی تھی۔ اس سلسلہ میں اس نے بیان کیا:۔

"میں نے ۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو مقدمہ کی پہلی سماعت کے موقع پر جب شاہ صاحب کو دیکھا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں ایک بے گناہ شخص کو مصیبت میں پھنسا رہا ہوں۔ مجھے خدا کے سامنے اس فعل کا جواب دینا ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر کسی وجہ سے آج میری شہادت نہ ہو سکی تو میں اس راز کو جو ابھی تک میرے سینہ میں محفوظ ہے طشت از بام کر دوں گا۔ لیکن اگر میں آج شہادت سے نہ بچ سکا تو گواہی دینے کے بعد خودکشی کر لوں گا۔ میں ۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو رخصت پر چلا گیا تھا۔ اور آج اس مقدمہ کی سماعت کے موقعہ پر حاضر ہوا ہوں۔ میں آج ہی لاہور سے کرایہ کی ایک موٹر کار میں یہاں پہنچا ہوں۔ میں تنہا آیا ہوں۔ میں نے دو آنہ تین پائی فی میل کے حساب سے کرایہ ادا کیا ہے۔ میں ڈرائیور کا نام نہیں جانتا۔ لیکن وہ جیل کے دروازہ کے باہر موجود ہے۔ میں ۱½ سال سے پولیس کے محکمہ میں ملازم ہوں۔"

گواہ نے مزید بیان کیا:۔

"مجھے چند خطوط بھی دکھلائے گئے تھے اگر مجھے اس بات کا یقین دلایا جائے کہ ان خطوط کے مضامین کو منظر عام پر لانے کی پاداش میں مجھ پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا تو میں انہیں منظر عام پر لانے کے لیے تیار ہوں۔"

گواہ نے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"میں اس سے پہلے اپنے ضمیر کو ذبح کرتا رہا ہوں۔ لیکن آئندہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

اس کے بعد اس نے اس بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ کس طرح میں اس مقدمہ میں شہادت

دینے سے بچتا رہا اور یہ کہ خود پراسیکوٹنگ انسپکٹر کا منشا بھی یہ تھا کہ میں شہادت نہ دوں۔ اس نے کہا کہ "میں ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا۔ جہاں مجھ سے کہا گیا کہ مجھے تار کے ذریعہ چھٹی لینی چاہیے۔"

شاہ صاحب کے وکیل کی جرح کے جواب میں گواہ نے بیان کیا۔

"میں ایک یا ڈیڑھ سال سے پولیس رپورٹر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا مختصر نویسی کی کتابیں پولیس کے دفتر میں رہتی ہیں۔ جب ایک کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ تو اسے پولیس کے دفتر میں بھیج کر دوسری منگا لی جاتی ہے مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں شاہ صاحب کی تقریر کے خلاصہ کو پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے پاس لاؤں مجھے وزیر اعظم کے حکم میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ شاہ صاحب کی تقریر کا خلاصہ لکھتے ہوئے الفاظ کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی جاوے۔ یہ خط جس میں مذکورہ بالا ہدایت درج تھی۔ وزیر اعظم کے پرسنل اسسٹنٹ کی جانب سے تھا۔ یہ خط سپرنٹنڈنٹ پولیس کے نام تھا۔ ایسے تمام خطوط جو پولیس سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں موصول ہوتے ہیں۔ ایک رجسٹر میں درج کر لیے جاتے ہیں۔ یہ رجسٹر صیغہ راز میں ہوتا ہے اور کسی ایسے شخص کو جس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو نہیں دکھلایا جاتا۔ میں ان خطوط کا خلاصہ اس لیے اپنے پاس لکھتا رہا کہ اس میں میرے لیے ہدایات درج نہیں۔"

اس موقعہ پر گواہ نے خطوط سے متعلق اپنی یادداشتیں پیش کیں اور اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"وہ نوٹ بک جس میں شاہ صاحب کی تقریر کا صحیح خلاصہ درج تھا۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو پراسیکوٹنگ انسپکٹر نے اپنے مکان پر جلا دی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس کی بنا پر ان کے خلاف دفعات ۳۰۲ / ۱۱۷ اور ۱۲۱ قانون ضابطہ فوجداری کے ماتحت مقدمہ چلایا جا سکے۔"

گواہ نے مزید کہا:

"لاہور سے گجرات آتے ہوئے آج راستہ میں مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ میری گرفتاری کے بے ضابطہ یا گجرات سے وارنٹ جاری ہوئے ہیں۔ میں جب ڈسٹرکٹ جیل کے احاطہ میں اے۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں دیوان چمن لال سے ملا تو میں نے ان سے امداد کی درخواست کی اور عدالت کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چند کاغذات اور ایک خط انہیں (دیوان چمن لال کو) دیا۔ یہ میرا استعفیٰ تھا۔ میں جب سب جیل میں عدالت

کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا تو دیوان چمن لال صاحب نے عدالت کے سامنے ہی استعفا مجھے واپس دیا میں مجسٹریٹ کے ساتھ ہی سب جیل تک آیا ہوں کیونکہ میں حفاظت کا متمنی تھا۔ عدالت کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے میں نے دیوان چمن لال صاحب سے کہا تھا کہ وہ عدالت سے درخواست کریں کہ وہ مجھے بطور گواہ پیش ہونے کے لیے اپنی حفاظت میں لے لے۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مجھ سے دوسری ڈائری تیار کرنے کے لیے کہا تھا کہ اس مسودہ کے جس پر حروف پی۔ آئی لکھے ہوئے ہیں صفحہ ۲۲ پر جن لوگوں کے دستخط موجود ہیں وہ ان کی موجودگی میں دوبارہ دستخط کر سکیں۔ میں ۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو اپنی ملازمت پر واپس آ رہا تھا تو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر مجھے وزیر آباد ریلوے اسٹیشن پر ملے مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی اور تھا یا نہیں۔ بندرابن میرا عزیز ہے اور لاہور کے قیام کے دوران میں میں اسی کے پاس ٹھہرا رہا۔

اس کے بعد دوسرے گواہ کی شہادت ہوئی اور مقدمہ آئندہ جمعہ کے لیے ملتوی ہو گیا اور اب ۲۴ جنوری ۱۹۴۰ء پر مقدمہ ملتوی ہو گیا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب مسٹر لدھا رام عدالت سے باہر آیا تو بخشی اننت رام اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے اس پر ایک نوٹس تعمیل کیا جس میں تحریر تھا کہ چھٹی ختم ہو جانے کے بعد کیوں کر تم بر وقت اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے حاضر نہیں ہوئے۔ اس لیے تمہیں معطل کیا جاتا ہے۔ لدھا رام نے کہا کہ میں مستعفی ہو چکا ہوں۔

مقدمۂ رابعہ

(راولپنڈی کیس)

○

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دستخط میرے ہیں":

—گواہ استغاثہ نمبر ۲

"اس کاربن کاپی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے ہیں":

—گواہ استغاثہ نمبر ۳

"کاغذات کی اہمیت کا علم ہونے پر کاغذات کیوں پھاڑے؟"

—جسٹس رام لال

○

لاہور ۱۱ مارچ - آج لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ پر مشتمل بر چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور رائے بہادر جسٹس رام لال کے سامنے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) سڈیشن دفعہ ۱۵۳ (ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقوں میں منافرت پھیلانے) دفعات ۲۰۲-۱۰۷ تعزیرات ہند

(قتل کی انگیخت) وغیرہ الزامات ہیں مقدمہ پیش ہوا۔

شاہ صاحب سنٹرل جیل سے ہائی کورٹ میں بذریعہ موٹر حاضر ہوئے تو مجمع شاہ صاحب کو بیتابی سے دیکھنے کے لئے شاہ صاحب کی طرف دوڑا، اور شاہ صاحب زندہ باد، مجلس احرار زندہ باد، کے نعروں سے ہائی کورٹ گونج اٹھا۔ شاہ صاحب کو ہتھکڑی کے بغیر عدالت میں پیش کیا گیا۔ کمرۂ عدالت حاضرین، وکلاء اور پریس کے نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔

داخلہ پاس کے ذریعہ تھا۔ سینکڑوں لوگ پاس نہ مل سکنے کی وجہ سے عدالت کے صحن ہی میں کھڑے تھے۔ کمرۂ عدالت اور صحن میں پولیس کا کڑا پہرہ تھا۔ سرکار کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل، اور مسٹر منیر ایڈووکیٹ جنرل اور ملزم کی طرف سے میاں عبدالعزیز، دیوان چمن لال، مسٹر کے ایل گابا بیرسٹر اور مسٹر بدراسلام ایڈووکیٹ۔ میر عبدالقیوم وکیل لائل پور پیروکار تھے۔

مقدمہ کے واقعات

"شاہ صاحب کے خلاف اس مقدمے کی سماعت شروع میں لالہ لکھی داس ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی جس تقریر کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۸ جون ۱۹۲۹ء کو لالہ موسیٰ میں کی گئی بیان کی جاتی ہے۔

استغاثہ کا بیان تھا کہ شاہ صاحب نے جس جلسے میں تقریر کی وہ گراؤنڈ ٹرنک روڈ کے قریب ہوا اور اس میں چار پانچ سو آدمی موجود تھے۔ لدھارام کانسٹیبل نے شاہ صاحب کی تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لئے۔ اس نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں بیان دیا کہ شاہ صاحب پر وزیر اعظم پنجاب لودان کے پرسنل اسسٹنٹ کی ہدایات پر جھوٹا مقدمہ بنایا گیا ہے

۱۲ فروری کو ایڈووکیٹ جنرل مسٹر سلیم نے ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ اس مقدمے کو ہائی کورٹ میں منتقل کیا جائے۔ کیونکہ لدھارام گواہ استغاثہ نے وزیر اعظم کو جولا اینڈ آرڈر کے انچارج ہیں اس مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ کسی عدالت ماتحت پر اس معاملے کا فیصلہ نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ

جسٹس ایکیپ نے درخواست کی سماعت کے بعد مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل کر دیا۔

از سرِ نو سماعت

شروع میں اس امر پر بحث ہوئی کہ مقدمہ کی سماعت از سرِ نو کی جائے۔ ایڈووکیٹ جنرل کے دلائل سننے کے بعد چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ انہیں مقدمہ کی از سرِ نو سماعت پر کوئی ہے؟ میاں عبدالعزیز نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ مقدمہ کی سماعت از سرِ نو شروع کر دی گئی

پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت

سب سے پہلے سردار بھگت پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی شہادت قلمبند کی گئی جس نے کہا:

یہ مقدمہ گورنمنٹ پنجاب کے حکم پر چلایا گیا ہے، گورنمنٹ کا حکم میرے پاس موجود ہے۔ گواہ نے ایڈووکیٹ جنرل کے کہنے پر حکومت پنجاب کا حکم فائل سے نکال کر دکھایا۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے کہا تقریر کے وہ حصے پیش کئے جائیں جو قابلِ اعتراض ہیں:

مسٹر سلیم نے کہا: اس گواہ کا بیان اور لدھارام گواہ کا بیان بیک وقت لیا جائے۔ کیونکہ جن دو اہم نکات پر مقدمے کا دار و مدار ہے وہ ان دونوں گواہوں کے بیانات سے متعلق ہے۔ مسٹر سلیم نے کہا کہ ابھی تک لدھارام پر سمنوں کی تعمیل ہی نہیں ہوئی۔

اس پر چیف جسٹس نے کہا: کہ اس گواہ کا بیان قلمبند کر لیا جائے، اور جب لدھارام کا بیان ہو گا، تو گواہ پر مکرر جرح ہو سکتی ہے۔

مسٹر سلیم کے سوال پر گواہ نے بیان کیا:

مجھے یاد ہے کہ لدھارام نے عدالت ماتحت میں یہ بیان دیا تھا کہ شاہ صاحب کی تقریر کی اصل شارٹ ہینڈ نوٹ بک جلا دی گئی ہے، مگر اس میں بالکل صداقت نہیں ہے۔

جرح

اس کے بعد میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کی

سوال : آپ کب سے کب تک گجرات میں پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر رہے؟

جواب : اپریل ۱۹۳۷ء سے جنوری ۱۹۴۰ء تک۔

س : جب اس مقدمے میں لدھارام کا بیان ہوا تو آپ استغاثہ کی طرف سے پیروکار تھے؟

ج : اس میں پبلک پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے ساتھ پیروکار تھا۔

س : آپ نے لدھارام کے بیان کے ابتدائی چند فقرات کے بعد کہا تھا کہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔

ج : ہاں!

س : کیا آپ آٹھ جنوری کو وزیر آباد سے گجرات گئے تھے؟

ج : ہاں!

س : کیا ۸۔ جنوری کو کسی جگہ لدھارام کو ملے؟

ج : نہیں۔

س : کیا آپ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو گجرات میں تھے؟

ج : نہیں، میں دہلی میں تھا۔

س : آپ کب دہلی گئے تھے، کتنے دن رہے اور کب گجرات واپس آئے؟

ج : ۲۴۔ دسمبر کو دہلی روانہ ہوا، ۲۵ دسمبر کو وہاں پہنچا، ۵ دن وہاں رہا اور ۲۹ دسمبر کو شام کے چھ بجے وہاں سے سندھ ایکسپریس میں روانہ ہو کر دوسرے دن یعنی ۳۰۔ دسمبر کو بارہ بجے کے قریب واپس گجرات پہنچا۔

س : کیا آپ کسی سرکاری کام سے دہلی گئے تھے؟

ج : نہیں، میں رخصتیں گزارنے وہاں گیا تھا۔

س : کیا آپ نے ان دونوں سپرنٹنڈنٹ پولیس یا کسی دوسرے اعلیٰ افسر کو اپنی غیر حاضری یا اسٹیشن چھوڑنے کے لیے اجازت کی درخواست دی ؟

ج : میں نے زبانی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا تھا اور یہی دستور ہے ۔

س : کیا آپ کی گجرات سے غیر حاضری کا کوئی ریکارڈ سرکاری یا غیر سرکاری موجود ہے ؟

ج : سرکاری ریکارڈ کوئی نہیں ۔ میں دہلی میں کارونیشن ہوٹل میں ٹھہرا ۔ وہاں میں نے ہوٹل کے چھپے ہوئے فارم پُر کیے تھے ۔

س : کیا آپ کے پاس اس ہوٹل کی تحریر ہے ؟

ج : ہوٹل کے تمام بل میرے پاس موجود ہیں ۔

س : آپ نے اب تک یہ سارے بل اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہیں ؟

ج : پہلے میں نے ان بلوں کو پھاڑ دیا تھا ، مگر لدھا رام کے بیان کے بعد ان کو جوڑ کر جمع کیا ، اور عدالت میں پیش کر دیا ۔

س : جب ۲۹ تاریخ کو آپ نے ہوٹل والوں کا حساب چکایا تو اسی وقت بل پھاڑ دیے ؟

ج : نہیں ۔ بلکہ گجرات پہنچ کر ۔ مگر مجھے یاد نہیں کہ کس تاریخ کو یہ بل پھاڑے ۔

س : کیا آپ لدھا رام کے بیان کی تردید کے لیے ان بلوں کو بھی ساتھ لائے ہیں ؟

ج : ہاں کیونکہ مجھے خیال تھا کہ شاید مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا جائے ۔

س : آپ دوسرے ہوٹلوں میں بھی ٹھہرتے رہے ہوں گے ، کیا ان کے بل بھی اپنے پاس رکھ چھوڑتے ہیں یا پھاڑ ڈالتے ہیں ؟

ج : مجھے یاد نہیں کہ میں کسی ہوٹل میں ایک دن سے زیادہ عرصہ ٹھہرا ہوں ؟

س : کیا آپ نے کسی اور ہوٹل کا بل اپنے پاس نہیں رکھا ؟

ج : نہیں ۔

س : کیا آپ نے متذکرہ بل یکم جنوری سے ۲ ۔ جنوری تک کسی دن پھاڑے ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔ اس مرحلے پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ یہ سوال کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے کہا : کیونکہ ۱۱ر جنوری کو لدھا رام کا بیان ہوا اور اس سے پیشتر گواہ کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ مقدمے میں بلوں کی ضرورت پڑے گی (گواہ سے) جب آپ نے بل پھاڑے تو اُن کو کہاں پھینکا ؟

ج : میں نے ان کو میز پر رکھے ہوئے ردّی کے کاغذوں کے ساتھ رکھ دیا ۔

س : کیا آپ کے پاس ردّی کی ٹوکری نہیں ہے ؟

ج : میرے پاس مکان پر ردّی کی ٹوکری نہیں ہے ۔

س : ان کاغذات کو جنہیں آپ غیر ضروری سمجھ کر پھاڑ دیتے ہیں کیا کیا کرتے ہیں ؟

ج : میں انہیں باہر پھینک دیتا ہوں یا جلا دیتا ہوں ۔

س : آپ نے جس دن وہ کاغذ پھاڑے تو وہ اور دوسرے غیر ضروری کاغذ کب تک آپ کی میز پر پڑے رہے ؟

ج : میں نے ان بلوں کو رکھ لیا اور باقی کاغذ پھینک دیئے ۔

چیف جسٹس : آپ نے یہ کاغذ کیوں رکھ لئے ؟

گواہ : اس لئے کہ لدھا رام نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں اس سے ۲۸ر دسمبر کو ملا ۔

میاں عبدالعزیز : لدھا رام کا بیان ۱۱ر جنوری سے پہلے نہیں ہوا ، اور ۱۱ر جنوری سے پہلے آپ اس سے ملے ہی نہیں ؟

ج : ہاں وہ اس عرصے میں مجھ سے نہیں ملا ۔

س : آپ کے پھٹے ہوئے بل کہاں تھے ؟

ج : میرے ٹرنک میں پڑے رہے ۔

س : آپ جن کاغذوں کو پھاڑ دیتے ہیں ، انہی روز پھینک دیتے ہیں ؟

ج : جی ہاں اسی روز ۔

س : جب ۱۱ر جنوری کو گجرات سب جیل میں لدھا رام کا بیان ہوا ، اسی روز دن کے شام آپ

اس سے ملے ؟

ج : ہاں میں اس کے مکان پر گیا۔

س : آپ نے کہا ہے کہ لدھا رام کے بیان کے بعد ان بلوں کو پھاڑا اور پھر رکھ دیا ؟

ج : ہاں مجھے خیال آگیا کہ یہ ضروری نہ ہوں۔

س : **جسٹس رام لال** : جب آپ کو لدھا رام کے بیان کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کاغذات اہم ہیں تو پھر آپ نے انہیں کیوں پھاڑ ڈالا ؟

ج : جب میں کاغذات کو پھاڑ رہا تھا تو مجھے ان کی اہمیت کا خیال آیا۔

چیف جسٹس: ۱۱ جنوری تک یہ بل آپ کے ٹرنک میں پڑے رہے اور لدھا رام کے بیان کے بعد پانچ بجے شام گھر جا کر انہیں پھاڑ دیا ؟

ج : میں نہیں کہہ سکتا کہ اسی روز بلوں کو پھاڑا یا دوسرے دن ؟

س : لدھا رام کب تک آپ کے تحت کام کرتا رہا ؟

ج : وہ میرے ماتحت نہیں بلکہ تھانے میں بطور کانسٹیبل کام کرتا تھا۔

س : کیا لدھا رام یا دوسرے رپورٹر آپ کو رپورٹ دیا کرتے تھے ؟

ج : نہیں۔

س : آپ نے ۲۸ دسمبر کو لدھا رام کو مزید رخصت دی ؟

ج : نہیں، میاں عبدالقادر سپرنٹنڈنٹ نے دی تھی۔

مسٹر سلیم : کیا آپ وہ بل لائے ہیں : اگر لائے ہیں تو وہ پیش کریں۔

گواہ نے پانچ بل پیش کئے۔

دوسرے گواہ کا بیان

اس کے بعد سید تجمل حسین کانسٹیبل کا بیان ہوا۔ جس نے کہا کہ ۲ جون ۱۹۲۹ء کو میں لالہ جی کے میں

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے کے لئے گیا۔ جلسہ لاری اسٹینڈ کے نزدیک ہوا۔ میرے ساتھ دو کونسٹیبل اور تھے اور میں سیّد عطاء اللہ شاہ کو جانتا ہوں۔ وہ عدالت میں موجود ہیں۔ سید بخاری نے اپنی تقریر میں انگریزی حکومت بدلنے کے متعلق کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے لئے قانونِ محمدی کو زیرِ غور نہیں لایا جاتا۔ انہوں نے خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی کے ساتھ گورنمنٹ کے تعلقات متعلق بھی کہا۔ تقریر اردو اور پنجابی میں ملی جلی تھی۔

لدھا رام نے تقریر کے نوٹ لئے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو پڑھ کر سنائے اور ہمارے دستخط لئے۔ گواہ کو شارٹ ہینڈ بک دکھائی گئی اور اس نے اپنے دستخط شناخت کئے۔ ہم پھر تھانے گئے۔ اور لدھا رام شارٹ ہینڈ سے مفصل تقریر لکھنے لگا۔ اس نے تقریر لکھنے کے بعد مجھے پڑھ کر سنائی اور اس پر بھی میرے دستخط لئے۔ اس نے کاربن رکھ کر رپورٹ کی کئی کاپیاں تیار کیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کاربن کاپی پر جو میرے دستخط ہیں وہ واقعی میرے ہی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ نوٹ بک پر لانگ ہینڈ ترجمہ کیا گیا۔ جب رپورٹ تیار ہو گئی تو دوسرے دن ۲۹ دسمبر کو بذریعہ ڈاک متعلقہ افسروں کے پاس بھیج دی گئی۔ جلسے میں کوئی چار ساڑھے چار سو کے قریب آدمی تھے۔ گواہ کو رپورٹ دکھائی گئی۔ اس نے شناخت کی کہ یہ لدھا رام کی لکھی ہوئی ہے۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

میاں عبدالعزیز نے گواہ پر جرح کرتے ہوئے پوچھا۔ آپ کب سے پولیس میں ملازم ہیں؟

ج: ۱۹۲۳ء سے۔

س: کیا آپ کو پہلے بھی کسی جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے؟

ج: کئی دفعہ۔ مگر بطور ڈیوٹی یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔

س: کیا اس جلسے کی شرکت کے لئے آپ کو کوئی حکم ملا؟

ج: کوئی حکم نہیں ملا۔

س : پھر آپ اس جلسے کے علاوہ کسی اور جلسے میں شامل ہوئے؟

ج : اس جلسے میں جس میں منشی احمد دین نے تقریر کی تھی۔

س: یہ جلسہ کب اور کہاں ہوا؟

ج : بخاری صاحب کے جلسے کے بعد مئی میں غلہ منڈی لالہ موسےٰ میں۔

س : جس روز سید عطاء اللہ شاہ والا جلسہ ہوا اس روز کوئی اور بھی جلسہ ہوا؟

ج ، ہاں اسی روز رات کو ایک اور جلسہ ہوا جس میں میں نہیں گیا۔

س : کیا لدھا رام اس جلسے میں موجود تھا؟

ج : ہاں وہ اس جلسے میں بھی موجود تھا۔

س : جن چار پیشیوں پہ سید عطاء اللہ شاہ کا مقدمہ پیش ہوتا رہا آپ چاروں گواہ حاضر ہوتے رہے؟

ج : ہاں۔

لنچ کے بعد

لنچ کے بعد بھی سید مقبول حسین پر میاں عبدالعزیز نے جرح جاری رکھی۔

س : جب مختلف پیشیوں پہ آپ چاروں گواہ اکٹھے ہوتے تھے تو آپس میں سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے؟

ج : ہاں۔

س : کیا تم ایک دوسرے کو یہ بھی یاد دلاتے تھے کہ شاہ صاحب نے فلاں بات کہی ہے اور فلاں نہیں؟

ج : ہاں! ہم ایک دوسرے کو تقریر کے متعلق یاددہانی کرایا کرتے تھے۔

س : اگر کسی کو تقریر کا کوئی حصہ بھول جاتا تو آپ ایک دوسرے کو یاد کرایا کرتے تھے؟

ج: نہیں۔

س : کیا آپ اس جلسے سے پیشتر کسی جلسے میں گئے ؟
ج : مجھے یاد نہیں۔
س : کیا منشی احمد دین کی تقریر کے نوٹ لئے تھے ؟
ج : تقریر لدھا رام نے نوٹ کی تھی۔
س : کیا تمہیں منشی احمد دین کی تقریر کا کوئی حصہ یاد ہے ؟
ج : ہاں : مجھے یاد ہے۔ منشی احمد دین نے کہا تھا کہ ہمیں ڈر ہے تو اپنے بھائیوں سے ' ورنہ سر سکندر اور سر چھوٹو رام کی گیدڑ بھبکیوں کا کوئی ڈر نہیں اور چند دن میں انگریز یہاں سے جاتے نظر نہیں آئیں گے۔
چیف جسٹس : یہ بالکل ٹھیک ہے انگریز یہاں سے نہیں جائیں گے۔
س : کیا تم یزید کے متعلق کچھ جانتے ہو ؟ کیا یزید نے حسین کو قتل کیا تھا ؟
ج : ہاں یہ صحیح ہے۔
س : کوئی مسلمان پسند نہیں کرتا کہ یزید نے حسین کو قتل کیا ؟
ج : نہیں پسند کرتا۔
چیف جسٹس : میرا خیال ہے کہ کوئی مسلمان قتل کو پسند نہیں کرتا۔
س : ملزم کی تقریر پر کسی نے اعتراض کیا ؟
ج : میری موجودگی میں کسی نے اعتراض نہیں کیا۔
س : کیا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ ووٹ مجھے یا میرے آدمی کو دینا ؟
ج : انہوں نے یہ نہیں کہا تھا۔
س : کیا انہوں نے یونینسٹ وزارت کے خلاف بھی کچھ کہا تھا ؟
ج : نہیں۔
س : کیا انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرو ؟

ج : نہیں۔

س : کیا انہوں نے سر سکندر کا کوئی ذکر کیا ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا انہوں نے ٹوانوں یا نُونوں کا ذکر کیا ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا انہوں نے میجر خضر حیات کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : ہاں انہوں نے کہا تھا کہ انگریز کی جان کی قیمت تو سو روپیہ ہے مگر ہندوستانی کی ۷ ایا ۸ ا

س : کیا میاں عبدالحی وزیر تعلیم کا کچھ ذکر ہوا ؟

ج : یاد نہیں۔

س : کیا سر چھوٹو رام کا کوئی ذکر ہوا ؟

ج : یاد نہیں۔

س : کیا شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ موجودہ وزارت زمینداروں کا کوئی بھلا نہیں کرے گی بلکہ محض شیخی بگھارتی ہے ؟

ج : یاد نہیں۔

س : کیا ملزم کی تقریر کے وقت ہندو مسلم اور سکھ موجود تھے ؟

ج : ہاں۔

س : کیا کانگرس کے زیر اہتمام جلسہ تھا جس میں عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی ؟

ج : مجھے معلوم نہیں۔

چیف جسٹس : اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جلسہ کس کے زیر اہتمام تھا۔ اصل سوال تقریر کا ہے۔ کہ ملزم نے قابلِ اعتراض تقریر کی ؟

س : کیا ملزم نے کہا کہ سر سکندر حیات احرار کو کچل رہے ہیں ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا آپ کو پتہ ہے کہ سیّد عطا اللہ احرار ہیں ؟

ج : مجھے پتا نہیں۔

چیف جسٹس : احرار کا کیا مطلب ہے ؟

میاں عبدالعزیز : حریت و آزادی کا علمبردار۔

س : (گواہ سے) کیا تم سب نے شارٹ ہینڈ بک پر ایک ہی سیاہی سے دستخط کئے تھے ؟

ج : پنسل سے دستخط کئے تھے۔

س : کیا ایسے ہی دستخط کرتے ہو جیسے ڈائری پر کئے ہیں ؟

ج : میں دو تین طرح سے دستخط کرتا ہوں، سیدھے بھی اور شکستہ بھی۔

س : آپ تین مختلف طریقوں سے دستخط کیوں کرتے ہیں ؟

ج : اپنی اپنی طبیعت ہے، جیسے بھی ہوں، مگر جعلی نہیں (قہقہہ)

س : تمہاری کیا تعلیم ہے ؟

ج : پنجم یا ششم جماعت تک۔

س : تم نے لدھارام کو ٹیلیفون کیا تھا اور کہاں سے ؟

ج : کیا تھا۔ ڈاک خانہ سے۔

س : ٹیلیفون کے لئے فوراً ادائیگی کی یا تھانے میں بل آیا ؟

ج : نہ میں نے ادا کیا اور نہ معلوم تھانہ میں بل آیا۔

س : کیا تم ٹرنک کال کو سمجھتے ہو ؟

ج : نہیں میں ٹرنک کال کو نہیں سمجھتا۔

جسٹس رام لال : اس سے آپ کا کیا مطلب ہے ؟

میاں عبدالعزیز : میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ نہ تو جلسے میں موجود تھا اور نہ اس نے ملزم

کو ٹیلی فون کیا۔

جسٹس رام لال: (گواہ سے) تم نے لالہ موٹے سے گجرات کو ٹیلیفون کس طرح کیا؟

ج: ہم ڈاک خانہ والوں کو کہہ دیتے ہیں وہ نمبر ملا دیتے ہیں۔

جسٹس: اس کے لئے تم کچھ ادا نہیں کرتے؟

گواہ: نہیں۔

س: تم نے تقریر کے جو فقرے بیان کئے ہیں، ان میں کون سے فقرے تمہیں کسی اور نے یاد کرائے؟

ج: اس طرح فقرے نہیں بتائے گئے تھے، بلکہ ایک دوسرے کی غلطی کو صحیح کر دیتا تھا۔

ایڈووکیٹ جنرل: کیا تم بتا سکتے ہو کہ لانگ ہینڈ کاپی کے ۷ اسے ۲۵ صفحات تک کس کی تحریر ہے؟

ج: لدھا رام کی۔

س: تم کتنے عرصے سے لدھا رام کی تحریر جانتے ہو؟

ج: تین چار سال سے۔

س: میاں عبدالعزیز سے: کیا آپ لدھا رام کی تحریر کے متعلق مکرر جرح کرنا چاہتے ہیں؟

ج: میاں عبدالعزیز: نہیں۔

فیروز خان پولیس کانسٹیبل

اس کے بعد تیسرے گواہ استغاثہ فیروز خان کا بیان ہوا، جس نے مسٹر سلیم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: میں ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ کے جلسے میں جس میں سید عطا اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی، ڈیوٹی پر موجود تھا، مجھے اس تقریر کا کچھ حصہ یاد ہے، شاہ صاحب نے سب سے پہلے تلاوت قرآن کی، اور تقریر کے وہی حصے دہرائے جو گواہ ۱ نے اپنے بیان میں دہرائے تھے۔ گواہ نے مزید کہا کہ لدھا رام نے میرے سامنے اس تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لئے اور جلسے کے اختتام پر اس نے یہ نوٹ ہمیں پڑھ کر اور اسی جگہ ہم سے

دستخط لئے۔ گواہ نے شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط شناخت کئے، مزید کہا کہ جلسے کے بعد تھانے پہنچ کر لدھا رام نے مفصّل رپورٹ تیار کی اور پھر اس شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر بھی اس نے تقریر کی مختصر رپورٹ لکھی جس پر ہم سب نے دستخط کئے، اس کاربن کاپی پر جو دستخط ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ ان کو نقل کیا گیا۔ کیونکہ میں سیّد عطاء اللہ شاہ کے پیچھے پیر غازی چلا گیا۔

گواہ پر جرح

میاں عبدالعزیز کے جواب میں گواہ نے کہا: شاہ صاحب نے دوسرے دن پیر غازی میں تقریر کی۔

س: کیا وہاں بھی ان کی تقریر کے نوٹ لینے کے لئے کوئی موجود تھا؟

ج: ہاں! میں اور پٹواری تھے۔

س: کیا تم نے اس کی رپورٹ لی تھی؟

ج: نہیں۔ کیونکہ مقرّر نے کوئی سیاسی تقریر نہیں کی تھی۔

س: پیر غازی میں جو تقریر ہوئی کیا اس کا کچھ حصّہ تمہیں یاد ہے؟

ج: شاہ صاحب نے پیر غازی میں کہا تھا کہ میں وہابی نہیں۔ کھاریاں میں میرے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط ہے۔

س: کیا تم نے ۲۸ر جون سے پہلے یا بعد کسی جلسہ میں شرکت کی؟

ج: نہیں۔

س: کیا لالہ موسےٰ میں شاہ صاحب نے سکھ ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کی؟

ج: ہاں۔

س: کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ تم آئندہ انتخاب میں ووٹ مجھے یا میرے آدمیوں کو دینا؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س : کیا تم کو یاد ہے کہ شاہ صاحب نے یونینسٹ منسٹری یا وزراء کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : شاہ صاحب نے کہا تھا کہ یہ امیر المؤمنین سکندر اور امیر المؤمنین خضر حیات ٹوانا بڑے آدمی ہیں۔ وہ انگلستان سے چار چار ہزار روپے کے کتے خرید کر لاتے ہیں۔

س : کیا شاہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ چاروں وزراء زمینداروں کے خیر خواہ یا بدخواہ ہیں۔

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا شاہ صاحب نے کانگرس اور احرار کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

۱۲۔ مارچ کی کارروائی ——— !

آج پھر ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ مشتمل بر چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لال کے سامنے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ کل کی نسبت پولیس کا انتظام زیادہ کڑا تھا۔ کمرۂ عدالت کے باہر ہزاروں آدمی پاس نہ ملنے کی وجہ سے کھڑے تھے۔

فیروز کانسٹیبل پر جرح ،

آج بھی میاں عبد العزیز نے فیروز خان گواہ استغاثہ پر جرح جاری رکھی۔ ایک سوال کے جواب میں گواہ نے کہا۔ جس جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر ہوئی۔ میں سید عطاء اللہ شاہ کی آمد سے پیشتر موجود تھا۔ ٹرلوک سنگھ دفعدار اور غلام حسین بھی موجود تھے۔ شاہ صاحب کی تقریر سے پیشتر ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی اس کے بعد میاں عبد العزیز نے گواہ سے سوال کیا :

س : کیا ۱۱ نومبر کو رپورٹ کی کاپی لدھا رام کے پاس تھی ؟

ج : ہاں۔

س : تم کب سے پولیس میں ہو ، کیا تنخواہ ہے ، اور کیا تعلیم ہے ؟

ج : ۷ راپریل ۱۹۲۲ء سے پولیس میں ہوں ۔ ۲۲ روپے تنخواہ ہے اور پرائمری پاس ہوں ،

س : کیا یہ امر واقعہ ہے کہ ۲۸ رجون ۱۹۳۹ء کو جو دستخط تمہارے کاپی پر ہیں وہ تم سے نہیں کرائے گئے ؟

ج : نہیں ۔ میں نے ۲۸ رجون کو ہی دستخط کیے تھے ۔

س : کیا جلسہ گاہ سے اٹھنے کے بعد تم اور رلدھا رام تھانے گئے ؟

ج : ہاں ۔

س : کیا تقریر کی لانگ ہینڈ کاپی تمہارے سامنے لکھی گئی اور اس پر تمہارے دستخط کب لیے گئے ؟

ج : ہاں میرے سامنے لکھی گئی ۔ میرے دستخط ۶ اور ۷ کے درمیان لیے گئے ۔

س : تم کتنے طریقوں سے دستخط کرتے ہو ؟

ج : میرے دستخط پختہ نہیں ۔

س : کیا تم دو تین طریقوں پر دستخط کرتے ہو ؟

ج : ہاں دو تین طرح کر سکتا ہوں ۔

س : جس دن لے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں تمہارا بیان ہوا ۔ کیا ہیڈ کانسٹیبل مقبول حسین کمرۂ عدالت کے باہر موجود تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا تم مقدمے کے چاروں گواہ مختلف پیشیوں پر شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے ؟

ج : ہاں ! لیکن ہم صرف بحث کرتے تھے ، اور تقریر کے متعلق ایک دوسرے کی غلطیاں درست نہیں کرتے تھے ۔

سب انسپکٹر نے کیا پوچھا ؟

س : کیا اس مقدمے کی سماعت کے دوران کبھی سردار بھگت سنگھ سب انسپکٹر نے تمہیں بلایا ؟

ج : پیشی کی تاریخوں میں ہم اس کے ساتھ ہوتے تھے۔
س : کیا اس نے شاہ صاحب کی تقریر کے متعلق تم سے کچھ پوچھا ؟
ج : کیا اور ہم نے اس کو بتایا کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں فلاں فلاں بات کہی تھی۔
س : کیا اس نے تمہیں شاہ صاحب کی ۲۸ رجون کی تقریر کے متعلق سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے پیش کیا تھا؟
ج : نہیں
س : لالہ موسیٰ کے اس جلسہ میں شاہ صاحب کے علاوہ حاضرین میں سے کسی اور کا نام یاد ہے ؟
ج : ہاں ! شیخ عبدالعزیز صدر کانگرس کمیٹی لالہ موسیٰ۔ عبدالقیوم آف لالہ موسیٰ منشی غلام رسول اور اللہ دین ٹھیکیدار وغیرہ۔
س : کیا مذکورہ بالا معززین کو بھی تھانے میں بلایا گیا ؟
ج : مجھے یاد نہیں۔

رُلدو سنگھ دفعدار کا بیان

چوتھے گواہ استغاثہ رلدو نے اپنے بیان میں کہا :
میں ۲۸ رجون کو لالہ موسیٰ کے اس جلسہ میں موجود تھا جس میں شاہ صاحب نے تقریر کی۔ شاہ صاحب نے حاضرین سے پوچھا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے تخت پر کون بیٹھا تھا ؟ حاضرین نے کہا بہادر شاہ — شاہ صاحب نے کہا تھا یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت جائے اور وہ واپس لیں (قہقہہ)، چیف جسٹس نے ایڈووکیٹ جنرل سے کہا کہ وہ اس فقرے کا ترجمہ کر کے سنائیں مگر جسٹس رام لال نے خود ترجمہ کر کے سنایا : "MUSLIMS HAVE LOST THE GOVERNMENT, IT IS REGRETABLE IF GET IT BACK." اس پر عدالت میں پھر قہقہہ پڑا۔
جسٹس رام لال : تم نے کیا کہا، ایک بار پھر دہراؤ ؟
گواہ : میں نے کہا تھا کہ افسوس ہے۔ حکومت مسلمانوں سے چھن گئی، افسوس ہے کہ اب

وہ پھر واپس لیں ۔

مسٹر سلیم : مائی لارڈ ! گواہ اس تقریر کے معنی نہیں سمجھتا ۔

جسٹس رام لال : مگر وہ خود کہہ رہا ہے ۔

میاں عبدالعزیز : جناب عالی ! یہ الفاظ ریکارڈ پر آجائیں ۔

جسٹس رام لال : (گواہ سے) کیا ملزم نے اس پر بھی افسوس کیا کہ مسلمان اپنی حکومت واپس لیں ؟

گواہ : ہاں جناب ! اس نے یہی کہا تھا ۔

چیف جسٹس : اور بتاؤ شاہ صاحب نے اور کیا کہا ؟

گواہ : شاہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ تاریخ دانوں نے یہ بات غلط لکھی ہے ، کہ عالمگیر اورنگ زیب ہندوؤں کے جسموں سے ہر روز ۱۲ من جنیئو اتارا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ

مسٹر سلیم : اور کیا کچھ کہا ؟

ج : اور کچھ نہیں ، مجھے یاد نہیں رہا ۔

مسٹر سلیم : تم نے ابھی کہا ہے کہ شاہ صاحب نے کہا تھا کہ افسوس ہے مسلمان اپنی حکومت واپس لیں ، اس سے تمہاری کیا مراد ہے ، اس کا مطلب کیا ہے ؟

چیف جسٹس : مسٹر سلیم ! آپ یہ سوال کیوں کرتے ہیں ۔ گواہ نے ہمارے سوال کرنے پر دوبارہ کہا ہے ۔

مسٹر سلیم : مائی لارڈ گواہ اس کا مطلب بیان کر دے تو معاملہ صاف ہو جائے گا (گواہ سے) اچھا تو بتاؤ شاہ صاحب نے جب اپنی تقریر میں یہ فقرے کہے تو تم نے اس کا کیا مطلب سمجھا ؟

گواہ : شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں سے حکومت چھینی گئی ہے ۔ اب انہیں واپس لینی چاہئیے ۔

گواہ نے مزید بیان کیا کہ لدھا رام نے تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لئے تھے ، جلسے کے ختم ہونے پر پڑھ کر سنائے اور اس پر ہمارے دستخط لئے ۔ (گواہ نے شارٹ ہینڈ نوٹ بک پر اپنے دستخط شناخت کئے

مزید کہا کہ لدھا رام نے تھانے میں جاکر ایک اور کاغذ پر ملزم کی مفصل تقریر لکھی اور ہمارے دستخط لئے۔

گواہ پر جرح

میاں عبدالعزیز کی جرح کے جواب میں رولدو سنگھ نے کہا کہ میں پندرہ سولہ سال سے دفعدار ہوں اور ۱۹ روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہوں، میں پولیس کے ماتحت کام نہیں کرتا میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر تم نے لے ڈی ایم کی عدالت میں کہا ہے کہ پولیس کے ماتحت ہوں۔

چیف جسٹس: یہ سوال پوچھنے کا کیا فائدہ؟ سب کوئی جانتا ہے کہ چوکیداروں کا پولیس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

جسٹس رام لال: ہاں عملی طور پر تو تعلق ہوتا ہے (قہقہہ)

میاں صاحب: مائی لارڈ! میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹا ہے اور اس کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی گواہ نے اسی مقدمے میں جو شہادت لے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں دی اس میں اس کے برعکس بیان دیا (یہ فقرہ میاں صاحب نے انگریزی میں کہا)

چیف جسٹس: آپ یہ سوال پوچھ سکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) تو بتائیے بھائی صاحب آپ پولیس کے ماتحت ہیں یا نہیں؟

ج: میں پولیس کے ماتحت نہیں ہوں۔

س: کیا تم کبھی پولیس کی طرف سے مقدمات میں پیش ہوتے رہے ہو؟

ج: مجھے کچھ یاد نہیں۔

جسٹس رام لال: کیا تم نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی؟

ج: ہاں دی ہے۔ مثلاً ایک شہزادہ آزاد کے مقدمے میں دوسری منشی احمد دین کے مقدمے میں۔

میاں عبدالعزیز: کیا تمہاری یہ شہادتیں گزشتہ دو یا تین ماہ میں ہوئی تھیں؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

چیف جسٹس : کیا احمد دین کے مقدمے کے سوا اور بھی کسی مقدمے میں گذشتہ دو تین ماہ میں شہادت دی ہے؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

چیف جسٹس : یاد نہیں' کا کیا مطلب ؟

ج : جناب میں نے کسی اور مقدمے میں شہادت نہیں دی ۔

مسٹر سلیم : یاد کرکے بتاؤ ۔

ج : ہاں ! شہزادہ آزاد کے مقدمے میں شہادت دی تھی ۔

شہزادہ آزاد کی تقریر

س : شہزادہ آزاد نے کہاں تقریر کی تھی اور کب ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا پچھلے دو تین ماہ میں آپ نے تین چار مقدمات میں شہادتیں دیں ؟

ج : میں نے شاہ صاحب کے مقدمے کے سوا کسی میں بھی شہادت نہیں دی ، شہزادہ آزاد اور منشی احمد دین کے مقدمے میں شہادت نہیں ہوئی ۔

س : شہزادہ آزاد کی تقریر اسی دن کسی جلسے میں ہوئی تھی کہ نہیں ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : شہزادہ آزاد کی تقریر کے موقع پر کیا لدھا رام پولیس رپورٹر نے نوٹ لئے تھے ؟

ج : ہاں !

س : جس روز شاہ صاحب کی تقریر ہوئی ، کیا یہ درست ہے کہ اس روز آپ کے دستخط دو کاغذوں پر کرائے گئے تھے ؟

ج : ہاں ! دو کاغذوں پر کرائے گئے کسی تیسرے پر نہیں

س : کیا تم نے ایس ڈی ایم کی عدالت میں بیان دیا تھا کہ میں نے تھانے میں صرف دستخط کئے تھے ؛ ایک شارٹ ہینڈ نوٹ بک جو جلسہ گاہ میں تیار کی گئی تھی اور دوسرا اس رپورٹ پر جو لدھارام نے تھانہ میں تیار کی تھی ؟

ج : ہاں یہ صحیح ہے۔

گواہ کے اپنے دستخط

س : کیا یہ دستخط آپ کے اپنے ہاتھ سے ہیں ؟

چیف جسٹس : اس سوال کی کیا ضرورت ہے ؟

میاں عبدالعزیز : (انگریزی میں) مائی لارڈ ! میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ دستخط اس گواہ کے اپنے نہیں ۔

چیف جسٹس : گویا جعلی ہیں ؟

میاں صاحب : جی جناب والا (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں ؟ - کہ اصل شارٹ ہینڈ نوٹ پیا، رتفصیلی لانگ ہینڈ رپورٹ دونوں پر آپ کے دستخط ہیں ؟

(گواہ کو دونوں کاغذات دکھائے گئے تو اس نے کہا کہ پہلے کاغذ پر میرے ہی دستخط ہیں۔ مگر دوسرے پر جو دستخط ہیں۔ ان میں "نعیم خود" والا حصہ میرا نہیں۔ مجھے اس میں شک ہے۔

س : اور آپ کا نام لکھا ہوا ہے ؟

ج : جی ہاں ! میرا لکھا ہوا ہے ۔

س : کیا دوسرے کاغذ پر جو دستخط ہیں وہ کاربن پیپر کی کاپی کی گئی ہے کہ نہیں ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : ان دونوں دستخطوں میں فرق ہے کہ نہیں ؟

ج : میں نہیں کہہ سکتا ۔

س : آپ کتنے طریقوں میں دستخط کر سکتے ہیں ؟

ج : میں دو تین جماعتیں پڑھا ہوا ہوں ۔

س : میں یہ پوچھتا ہوں آپ کتنے طریقوں سے دستخط کیا کرتے ہیں ؟

ج : تین طریقوں سے ۔

چیف جسٹس : اس سوال کا کیا مقصد ہے ؟

میاں صاحب : میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ گواہ جھوٹے ہیں۔ ان کے دستخط جعلی ہیں ۔
یہی مقدمہ ہے کہ اس میں گواہ ایسے ہیں جو مختلف طریقوں سے دستخط کرتے ہیں ۔

چیف جسٹس : لیکن جعلی ہوں تو مقصد پورا نہیں ہوتا ۔ پولیس کو کیا ضرورت ہے کہ ان گواہوں
کے دستخط جعلی بنائے ، کیونکہ گواہ ہر وقت اسے مل سکتے ہیں ۔

میاں صاحب : مگر جناب عالی ! گواہ لالہ موسیٰ کا ہے اور پولیس نے مقدمہ گجرات میں تیار کیا
ہے ، ہو سکتا ہے ، کہ گواہ مہیا نہ ہو سکا ہو ۔

جسٹس رام لال : گجرات اور لالہ موسیٰ میں کتنا فاصلہ ہے ؟

میاں صاحب : دس بارہ میل کا ہو گا ۔ مگر ممکن ہے گواہ حاضر نہ ہو سکا ہو اور پولیس نے
جعلی دستخط کر لئے ہوں ۔

چیف جسٹس : آپ اس کو لمبا نہ کریں ، کچھ اور پوچھیں ۔

میاں عبدالعزیز : بہت اچھا جناب (گواہ سے) ہاں بھائی صاحب آپ نے ان کاغذوں
پر جو دستخط کئے ہیں وہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سردار بھگت سنگھ کے مکان پر کئے ؟

ج : یہ درست نہیں ۔ میں نے دستخط تھانے میں کئے ۔

س : کیا غلام حسین سفید پوش آپ کے جلسے میں پہنچنے سے پہلے موجود تھا یا نہیں ؟

ج : وہ پہلے ہی سے جلسے میں موجود تھا ۔

س : کیا اندھا رام بھی جلسے میں پہلے ہی سے موجود تھا ؟

ج : میرے پہنچنے کے بعد وہ پہنچا تھا ۔

س : کیا شاہ صاحب جلسہ گاہ میں آپ کے پہنچنے سے پہلے موجود تھے ؟

ج : نہیں ۔ شاہ صاحب قرآن پاک کی آیتیں پڑھ رہے تھے ۔

س : آپ جلسہ گاہ میں کب پہنچے تھے ؟

ج : ایک بج چکا تھا ۔

س : ایک بجے سے چار بجے تک کیا ہوتا رہا ؟

ج : ایک بجے سے چار بجے تک لوگ جمع ہوتے رہے ۔ جب مجمع زیادہ ہوگیا تو شاہ صاحب نے قرآن شریف پڑھنے کے بعد تقریر شروع کی ۔

س : آپ نے کہا کہ میرے پہنچنے سے پیشتر شاہ صاحب جلسے میں کھڑے قرآن شریف کی آیتیں پڑھ رہے تھے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بجے سے چار بجے تک ملزم وہیں رہا ، اور لوگوں سے باتیں کرتا رہا ۔

ج : یہ درست ہے ۔

تقریریں وزیروں کا ذکر

اس کے بعد گواہ پر شاہ صاحب کی تقریر کے مضمون کے متعلق جرح ہوئی جس کے دوران میں اس سے میاں عبدالعزیز نے پوچھا :

س : سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریریں .... چیف جسٹس : شاہ صاحب کا نام نہ لیں ۔

میاں صاحب : بہت اچھا جناب ۔ (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں انتخاب کا بھی ذکر کیا تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا انہوں نے وزارت کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : وزارت کیا ہوتی ہے ؟

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ پنجاب میں سر سکندر کی وزارت ہے یعنی وہ وزیر ہیں ؟

ج : ہاں وزیر ہوتے ہیں، مگر مجھے معلوم نہیں کہ سر سکندر کون ہیں۔

س : کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں ؟

ج : وہ بڑے آدمی ہیں، مجھے ان کا پتا نہیں۔

س : کیا تم نے ان کا نام سنا ہے ؟

ج : ہاں ! سنا ہے۔

س : کیا سر چھوٹو رام اور میجر خضر حیات کا نام بھی سنا ہے کہ نہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا۔

س : جسٹس رام لال : کیا آپ نے سر چھوٹو رام کا نام نہیں سنا، کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون ہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں ؟

س : کیا شاہ صاحب نے کہا تھا، موجودہ وزارت کچھ کام نہیں کرتی، اچھی نہیں، اسے بدل دیا جائے ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا ملزم نے احرار یا کانگرس کے متعلق کچھ کہا تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : کیا تم جانتے ہو کہ "احرار" کون ہوتے ہیں ؟

ج : میں نہیں جانتا۔

س : کیا تم "احراریوں" کو جانتے ہو ؟

ج : ہاں یہ "احراری" میں جانتا ہوں۔

س : یہ جلسہ کس نے منعقد کیا تھا ؟

ج : کانگرسیوں نے۔

ایک اور گواہ غلام حسین سفید پوش کا بیان

اس کے بعد استغاثہ کے ایک گواہ غلام حسین سفید پوش کی شہادت ہوئی۔ یہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اچکن اور طُرّے دار پگڑی پہنے ہوئے تھا۔ اسے مسٹر سلیم سرکاری وکیل نے کہا، کہ تم اس جلسے میں موجود تھے، جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں موجود تھا۔

مسٹر سلیم: شاہ صاحب نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا وہ عدالت میں بیان کر دو۔

گواہ: پہلے شاہ صاحب نے پوچھا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی کے تخت پر کون حکمران تھا؟

جسٹس رام لال: کس سے پوچھا؟

ج: لوگوں سے پوچھا جنہوں نے جواب دیا کہ عالمگیر شاہ عالم بادشاہ۔ اس پر شاہ صاحب نے کہا تھا کہ افسوس مسلمانوں کی حکومت انگریزوں نے چھین لی ہے ان سے واپس لینی چاہئیے۔ یہ تقریر لالہ موسیٰ میں ہوئی تھی۔

س: تقریر کے نوٹ کون لے رہا تھا؟

ج: لدھا رام رپورٹر لے رہا تھا۔

س: شاہ صاحب کی تقریر کا حاضرین پر کیا اثر ہوا؟

میاں عبدالعزیز: دوسروں کے متعلق گواہ کیا بتا سکتا ہے؟

س: اچھا میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ شاہ صاحب کی تقریر کا جلسے پر کیا اثر ہوا؟

ج: لوگوں نے انقلاب زندہ باد کے نعرے لگائے۔

س: اس نعرے کے کیا معنٰی ہیں؟

ج: مجھے معلوم نہیں۔

س: اس قسم کے نعرے کب لگائے جاتے ہیں۔ کیا سیاسی جلسوں میں لگائے جاتے ہیں؟

ج: ہاں! سیاسی جلسوں میں لگائے جاتے ہیں!

س : جسٹس رام لال نے وکلاء سے پوچھا : کہ اس نعرے کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے؟ کسی نے نہ بتایا تو آنریبل جج نے خود ہی کہا کہ اس کے معنی "Long Live Revolution" (لانگ لو ریوولیوشن) ہی ہوسکتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز : گستاخی معاف مائی لارڈ! یہ ترجمہ درست نہیں ٹیکنیکل ترجمہ تو یہی ہوگا کہ تبدیلی زندہ رہے۔ انقلاب کے معنے Revolution نہیں۔ یہ بالکل الگ چیز ہے۔

چیف جسٹس : سیاسی جلسوں میں ایسے نعروں کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

میاں صاحب : ایسے نعرے مذہبی جلسوں میں بھی لگتے ہیں۔

چیف جسٹس : یقیناً آپ اپنے مذہب میں تبدیلی نہیں چاہتے۔

جسٹس رام لال : ہندوستان کے انتہا پسندوں کے نزدیک اس سے کیا مراد ہے؟

میاں صاحب : آپ فارورڈ بلاک ہی کو لیجئے وہ اس قسم کے نعرے لگاتے ہیں۔

جسٹس رام لال : وہ لوگ ایسے نعرے لگاتے ہیں؟

میاں صاحب : مگر جناب آج تک اس نعرے پر کسی کو مجرم نہیں گردانا گیا۔ نہ ہی کسی پر مقدمہ چلایا گیا۔ ابھی کل ہی اس عدالت کے باہر احاطے میں سینکڑوں آدمی یہ نعرہ بلند کر رہے تھے۔

چیف جسٹس : آپ اور سوال پوچھیے۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) جلسے کے بعد لدھا رام نے جو نوٹ تقریر کے لئے تھے۔ اس پر آپ کے دستخط ہیں؟

ج : جی میں نے کئے تھے۔

س : آپ جلسے میں کیوں گئے تھے؟

ج : اتفاقیہ چلا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب کی تقریر ہونے والی ہے۔

س : آپ تھانے میں کب گئے تھے؟

ج : تقریر ہوچکنے کے بعد، لدھا رام نے کہا تھا کہ تھانہ میں آنا دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کرنے

ہیں۔ دس منٹ بعد میں وہاں گیا تھا اور دوسرے کاغذ پر بھی دستخط کئے تھے۔

س : اس نئی کاپی کے نیچے کاربن پیپر رکھا گیا تھا ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں کانگرس کے کتنے جلسے ہوئے تھے ؟

ج : دو جلسے ہوئے تھے۔ پہلے جلسے ہی میں دوسرے جلسے کے ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔

س : دوسرے جلسے میں کس نے تقریر کی تھی ؟

ج : ان پر مقدمہ اسی تقریر کی بنا پر چلایا گیا تھا، میں نے شہادۃ دی تھی

س : کیا یہ شہادت آپ نے جہلم کی عدالت میں ۱۴ اکتوبر کو دی تھی ؟

ج : جی ہاں۔

س : کیا اس شہادت کے وقت آپ سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق سوالات پوچھے گئے تھے ؟
میاں صاحب نے گواہ سے پوچھا کہ کیا یہ فقرے تمہارے بیان میں سے ہیں کہ نہیں ؟
ج : مجھے یاد نہیں کہ پوچھے گئے ہیں یا نہیں
اس پر میاں عبدالعزیز نے گواہ کی اس شہادت میں سے چند فقرے پڑھ کر سنائے جن میں لکھا تھا کہ ملزم کی تقریر کے متعلق مجھ سے سوالات کیے گئے ہیں۔ میں نے ہی اس عدالت میں شہادت دی
جرح ابھی جاری تھی کہ عدالت لنچ کے لیے اٹھ گئی۔

لنچ کے بعد کی کارروائی

لنچ کے بعد کارروائی شروع ہوئی تو کمرۂ عدالت میں تل دھرنے کے لیے جگہ نہ رہی۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے، گجرات، لالہ موسیٰ، جہلم، راولپنڈی اور بہت سے دور دور کے شہروں سے احراری کارکن اور دوسرے اشخاص آئے ہوئے تھے جنہیں داخلہ کا پاس نہ ملنے کی وجہ سے مایوس ہونا پڑا۔

میاں عبدالعزیز نے غلام حسین سفید پوش پر جرح جاری رکھی۔ ان کے سوال پر گواہ نے کہا کہ فیروز خاں، گوبند سنگھ اور میں نے آپس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمے کے متعلق عدالت میں شہادت دینے سے پہلے بات چیت کی تھی۔

س : کیا لدھارام بھی بات چیت میں موجود تھا؟

ج : ہاں! وہ بھی موجود تھا۔

س : لدھارام کی طرف سے شاہ صاحب کی تقریر یاد دلانے سے پہلے بھی آپ نے بات چیت کی تھی ؟

ج : میں لدھارام کے آنے کے بعد آیا تھا۔

س : کیا آپ کو وہاں بلایا گیا تھا ؟

ج : وہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی وہاں آ گیا۔

س : تمہارے جانے سے پہلے اس مقدمے کے متعلق کوئی بات چیت ہوئی ؟

ج : میں پہنچا تو بات چیت ہوئی۔

س : کیا لدھارام نے ۱۱ر نومبر کو آپ کے سامنے ملزم کی تقریر کا کوئی نوٹ یا کاغذ پڑھ کر سنایا ؟

ج : نہیں۔

س : کیا آپ سب نے فیصلہ کیا تھا کہ تقریر کا کون سا حصہ آپ الگ الگ یاد کریں گے ؟

ج : لدھارام نے بتایا تھا کہ کون، کونسا حصہ کون یاد کرے۔

س : کیا اس نے بتایا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کا کون بادشاہ تھا اور لوگوں نے کہا، بہادر شاہ۔

ج : وہ ساری تقریر پڑھ کر سناتا گیا، اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں۔

س : جب تک لدھارام نے آپ کو ۱۱ر نومبر کو یہ تقریر پڑھ کر نہیں سنائی، کیا آپ کو اس بیان کے سوا جو آپ نے جہلم میں مسٹر سعد اللہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں دیا تھا کچھ اور یاد تھا؟

ج : نہیں، لدھارام کے سنانے پر ہی مجھے یہ معلوم ہوا۔

س : کیا آپ نواب فضل علی ایم۔ ایل اے گجرات کو جانتے ہیں ؟

ج : جانتا ہوں، وہ میرے رشتہ دار ہیں۔

س : کیا ان کا لڑکا آپ کا دوست ہے ؟

ج : نہیں ۔

س : کیا وہ آپ کا رشتہ دار ہے ؟

ج : ہاں رشتہ دار ہے ۔ (قہقہہ)

س : کیا آپ گجرات جائیں تو اس کے لڑکے کے پاس ٹھہرتے ہیں ؟

ج : نہیں ۔ ان کا لڑکا انبالہ رہتا ہے ۔

س : کیا آپ انبالہ جاتے وقت اس کے ہاں ٹھہرتے ہیں ؟

ج : ہاں کبھی اتفاق ہو تو ٹھہرتا ہوں ۔

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ نواب فضل علی یونینسٹ پارٹی کے سرکردہ ممبر ہیں ؟

ج : وہ یونینسٹ پارٹی کے ممبر ہیں ، مگر میں نہیں جانتا کہ وہ سرکردہ ممبر ہیں ۔

مسٹر سلیم کی درخواست

اس مرحلے پر مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے درخواست کی کہ اب ہمارے صرف تین گواہ باقی رہ گئے ہیں ، ان میں سے لدھارام بھی ایک ہے مگر وہ غائب ہے ، اس لئے قانون کے مطابق اس کے جو نوٹ عدالت میں موجود ہیں ، انہیں ہی اس کا بیان سمجھا جائے ۔

چیف جسٹس : قانون کے مطابق یہ پوزیشن اس صورت میں قبول کی جا سکتی ہے ، جب یہ معلوم ہو جائے کہ گواہ کا کچھ پتا نہیں لگتا ۔ کیا سرکاری طور پر آپ کو یقین ہے ، کیوں نہ مقدمے کو ملتوی کر دیا جائے تاکہ ملزم حاضر ہو سکے ؟

مسٹر سلیم : اگر مقدمے کے التوا کے بعد بھی حاضر نہ ہوا ؟

چیف جسٹس : مگر اس کا پتہ تو پہلے دیا گیا تھا کہ وہ لاہور میں اپنے کسی رشتہ دار پنڈت اُین کے پاس دشمو گلی میں ٹھہرا ہوا ہے ، اس کا پتا لگایا جائے ۔ کسی کانسٹیبل کے ذریعے ایسا کیا جا سکتا ہے ۔

مسٹر سلیم : وہ عدالت میں حاضری سے چشم پوشی کر رہا ہے ۔

چیف جسٹس: مگر اس کا پتہ تو کرنا چاہئے۔ کیا ہم ۱۵ دن کے لئے مقدمہ ملتوی کر دیں، تو یہ مہلت کافی ہو گی۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

عنایت اللہ سب انسپکٹر کی جرح

اس کے بعد عنایت اللہ سب انسپکٹر سی آئی ڈی گجرات کی شہادت ہوئی۔ گواہ نے مسٹر سلیم کے دریافت کرنے پر بتایا کہ ۲۸ رجون کو شاہ صاحب نے جلسے میں تقریر کی تھی۔ میں وہاں نہ جا سکا کیونکہ میں بیمار تھا اس لئے اگلے جلسے میں گیا۔

شارٹ ہینڈ میں تقریروں کے جو نوٹ لئے جاتے ہیں ان کے لانگ ہینڈ نوٹ تھانے میں تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ عام رواج ہے۔ نوٹ بک اسٹینو گرافر اپنے ساتھ واپس صدر لے جاتا ہے اور لانگ ہینڈ نوٹ تھانہ میں ہی رکھے جاتے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق مجھے ذاتی علم ہے، کہ لدھا رام اپنے ساتھ نوٹ بک لے گیا تھا، اور لانگ ہینڈ نوٹوں کی ایک کاپی میں نے اپنے پاس دفتر میں لطور ریکارڈ رکھی، دوسری کاپی صدر میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوائی گئی۔ میں نے اس تقریر کا اصل مسودہ ۲۸ رجون کو دیکھا۔ اس روز شام کے وقت لدھا رام میرے پاس گھر آیا تھا اور اس کی نقل دی۔

مسٹر سلیم: کیا اصل مسودہ پر دستخط تھے؟ اس مرحلے پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز نے عدالت سے درخواست کی کہ میرا یہ اعتراض نوٹ کر لیا جائے کہ اصل مسودہ اب بھی پیش نہیں کیا گیا اور نہ ہی ثابت کیا گیا ہے کہ اس نے اس مسودہ کو تباہ کر دیا ہے۔ اس لئے اصل مسودہ کے داخلہ شہادت کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ عدالت نے یہ اعتراض نوٹ کر لیا۔ گواہ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ لدھا رام اصل مسودہ میرے پاس میری ذاتی حفاظت میں چھوڑ گیا تھا۔ یہ مسودہ میرے پاس ۴ ستمبر ۱۹۳۴ء تک رہا۔ اس روز لدھا رام میرے پاس آیا اور یہ کہہ کر کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس مسودہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

جسٹس رام لال : کیا آپ نے رسید لے لی ہے ؟

ج : میں نے روزنامچہ میں اس کا اندراج کر لیا تھا۔ یہ اندراج خانہ ۱۴ میں کیا گیا۔ لدھارام نے اس کے آگے میرے سامنے دستخط کئے۔ اس کی دو کاپیاں تھیں۔ میں نے لدھارام کو کہا تھا کہ انہیں محرر کو دے دو تاکہ وہ صدر روانہ کر دے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایک کاپی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھیجی جاتی ہے۔ نوٹ بک جس میں تقریر کے نوٹ لئے جاتے ہیں کہ وہ لدھارام کے پاس ہی رہتی ہے۔ میں نے نوٹ بک نہیں دیکھی۔ تقریر کا اصل مسودہ جو لانگ ہینڈ میں تھا' دیکھا تھا۔ اس پر عدالت میں پیش کردہ ایک مسودہ دکھایا گیا، گواہ نے شناخت کر کے کہا، کہ یہ اس اصل مسودہ کی کاپی ہے۔ میں نے اصل پر دستخط کئے تھے۔ اس لئے کاربن پر بھی دستخط آگئے ہیں۔ یہ دستخط میرے ہی ہیں۔ یہ لانگ ہینڈ نوٹ میں نے خود نہیں پڑھے تھے، بلکہ لدھارام نے پڑھ کر سنائے تھے۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

س : کیا ۲۸ جون کی رات کو آپ ۹ یا ۱۰ بجے رات کسی جلسہ میں شامل ہوئے تھے ؟

ج : ہاں میں ۹ یا ساڑھے نو بجے شامل ہوا تھا۔

س : آپ کو ایسی کیا بیماری تھی کہ تین گھنٹے میں آرام بھی آگیا؟

ج : دردِ سر۔

س : کیا مقبول حسین آپ کو بتا کر جلسہ میں گیا تھا ؟

ج : نہیں میں اپنے گھر میں تھا۔ مزید جرح پر گواہ نے کہا کہ میرا گھر تھانہ کے احاطہ میں ہی ہے۔ میں لدھارام رپورٹر کو ساتھ لے گیا تھا۔ ۲۸ جون کو ہمارے تھانہ میں اقبال نام کا کوئی کانسٹیبل نہیں تھا میں گواہ غلام حسین کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اس رات شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی۔ اس تقریر کی بنا پر شہزادہ کے خلاف جہلم میں مقدمہ چلایا گیا تھا اور میں اس مقدمہ میں بطور گواہ استغاثہ پیش ہوا تھا۔

س : لدھارام نے اصل مسودہ کی جو کاپی لی تھی کیا آپ نے روزنامچہ میں اندراج کیا کہ وہ یہ

مسوّدہ آپ کے پاس چھوڑ گیا تھا؟

ج : نہیں۔

س : آپ کے پاس جو مفید دستاویزات دی جاتی ہیں، کیا آپ اپنے افسروں کی اجازت کے بغیر کسی کو دے دیتے ہیں؟

ج : نہیں لیکن چونکہ لدھا رام صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس کا اسپیشل خفیہ کانسٹیبل تھا۔ اس لئے میں نے اس پر اعتبار کیا۔

س : جب آپ کے پاس یہ دستاویز چھوڑ گیا۔ کیا وہ رسید لے گیا تھا؟

ج : محض اس کی آمد اور روانگی کا اندراج ہے۔

س : خانصاحب میرا سوال یہ ہے کہ اس دستاویز کے متعلق ۲۴ ستمبر کے سوا کوئی اور رسید بھی ہے؟

ج : نہیں۔

س : کیا آپ کو علم ہوا کہ ۲۴ ستمبر والی دستاویز گم ہو گئی؟

ج : نہیں۔

س : کیا آپ کو آج تک پتا ہے کہ اصل مسوّدہ نہیں ملتا؟

ج : سنا ہے کہ لدھا رام نے اسے تلف کر دیا ہے۔

س : آپ کو یہ بات کس سے معلوم ہوئی؟

ج : جب میں اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوا اور لدھا رام کا بیان قلمبند کیا گیا، تو مجھے معلوم ہوا۔ مزید جرح پر گواہ نے تسلیم کیا کہ میں نے آج تک سپرنٹنڈنٹ پولیس کو رپورٹ نہیں کی کہ لدھا رام رپورٹ لے گیا تھا۔

س : آپ کو عدالت میں کاربن والی کاپی دکھائی گئی ہے۔ کیا آپ دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ اس پر کہاں پر دستخط ہیں؟

اس پر گواہ نے کاپی اٹھا کر دیکھی اور اپنے دستخط بتائے۔ میاں عبد العزیز کی درخواست پر یہ کاپی

فاضل ججوں کو دکھائی گئی۔ میاں صاحب نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دستخط بالکل الگ اور خالی جگہ پر کئے ہوئے ہیں۔

س۔ آپ نے دستخط کب کئے تھے ؟

ج : جب لدھارام شام کو میرے ڈیرہ پر آیا تھا ۲۸ دسمبر کا دن تھا۔ غالباً ۷ بجے کا وقت تھا۔

جسٹس رام لال : دستخط کیوں کئے تھے ؟

ج : لدھارام نے کہا تھا، میں نے انہیں فارورڈ کرنا ہے اس لئے دستخط کئے۔

س : کاربن پر دستخط کئے یا علیحدہ علیحدہ۔

ج : علیحدہ علیحدہ دستخط کئے تھے پنسل سے۔

س : اصل پر بھی دستخط کئے تھے۔

ج : جی ہاں !

س : اس کے نیچے کیا تاریخ دی تھی ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔

س : آپ کے دستخطوں کے نیچے کوئی تاریخ نہیں یہ آپ دیکھ لیں۔ اس مرحلے پر وکیل صفائی نے پھر گواہ کو کاربن دکھائی اور گواہ نے کہا اس پر میرے دستخط پنسل سے معلوم ہوتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے اعتراض کرتے ہوئے فاضل ججان کی توجہ اس طرف دلائی، کہ گواہ نے اپنے ابتدائی بیان میں کہا تھا کہ اس کے یہ دستخط کاربن پیپر پر دستخط کا عکس ہیں۔

جسٹس رام لال: یہ معمولی بات ہے۔

مسٹر سلیم : لاپرواہی ہو سکتی ہے۔

میاں عبدالعزیز : تو آپ کہہ دیں کہ گواہ لاپرواہ ہے۔

گواہ : درحقیقت دستخطوں پر پسینہ لگ گیا تھا اور کچھ سرخی آگئی تھی۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ دستخط کاربن پر کئے گئے تھے جن کا یہ عکس ہے۔

س : کیا روزنامچے کا اندراج م۴ اس تقریر کے متعلق ہے جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کی تھی اور کیا آپ نے روزنامچے میں یہ بھی لکھا ہے ؟

ج : ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق ہے۔

س : کیا موضع پیر غازی آپ کے تھانہ ہی میں ہے ؟

ج : ہاں ! مزید جرح پر گواہ نے کہا کہ ۲۸ر جون کی شام کو یہاں شہزادہ آزاد کی تقریر ہوئی تھی اور یہ مجھے ڈائری دیکھنے سے معلوم ہوا تھا۔

س : لیکن اس میں لالہ موسٰے یا پیر غازی کا کوئی ذکر نہیں۔

ج : وہاں میں خود گیا تھا۔

س : میرا یہ سوال نہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ روزنامچہ میں ان کا اندراج ہے یا نہیں۔

مسٹر سلیم کا اعتراض

مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے اس سوال پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ کہ وکیل صفائی روزنامچہ کے باقی حصوں کا ذکر کیوں کر رہے ہو ؟

میاں عبدالعزیز : میں باقی حصوں کا ذکر نہیں کر رہا۔ اس حصے کا اس سے تعلق ہے چیف جسٹس کے کہنے پر یہ سوال دریافت نہ کیا گیا۔

س : کیا روزنامچے پر اندراج م۴ کے سامنے دو جگہ ۲۹ کے ہندسہ میں ۹ کا ہندسہ کاٹ کر ہ کیا گیا ہے ؟

ج : نہیں غلطی سے ۲۹ لکھا گیا تھا جس کی تصحیح کی گئی۔ ادھار ام سے دباؤ سے پہلے غلط لکھا گیا۔

س : شہزادہ آزاد کے جس مقدمہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں ۲ر اکتوبر کو آپ نے شہادت دی تھی، کیا وہ ۲۸ر جون کی تقریر کے متعلق تھا۔

ج : ہاں !

س : کیا اس مقدمے کے متعلق بھی لدھا رام نے آپ کو کوئی کاپی دی تھی ؟

ج : ہاں دی تھی ۔

س : وہ کہاں ہے ؟

ج : میرے پاس ہے ۔ وہ بھی لدھا رام ۱۴ ر اکتوبر کو ساتھ لے گیا تھا اور اس کے متعلق اندراج کیا گیا تھا ۔ اس مرحلے پر گواہ نے اندراج دیکھا اور پڑھ کر دیکھا کہ اس جگہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شہزادہ آزاد دونوں کی تقریروں کی کاپیوں کا مشترکہ اندراج تھا ۔

س : آپ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں جو بیان دیا تھا ، اس میں کہا تھا ، یہ نقل ۱۹ر جون کو لدھا رام نے آپ کو دی تھی ، جو میں نے صدر تھانہ کو بھیجی ۔ اس کے علاوہ کوئی دستاویز نہیں لی ۔

س : شہزادہ آزاد کے مقدمہ کے متعلق دستاویز کہاں تھی ؟

ج : مجھے یاد نہیں ۔ اس مرحلے پر کارروائی یکم اپریل پر ملتوی ہوئی ۔

(ماخوذ از " زمزم " ۱۵ مارچ ۱۹۴۰ء ۔ لاہور)

لدھارام کا بیان

لاہور یکم اپریل۔ آج تین ہفتے کے التوا کے بعد جب ہائی کورٹ میں آنریبل چیف جسٹس رام لال کے سامنے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ پیش ہوا، کو کمرۂ عدالت اور اس کے باہر بے پناہ ہجوم تھا۔ آج مقدمہ کے چیف گواہ لدھارام سابق کانسٹیبل گجرات کی شہادت تھی، اس لئے احرار ورکروں کے علاوہ سرگودھا، گجرات، لالہ موسیٰ اور دوسرے شہروں سے بھی بے شمار اشخاص آئے ہوئے تھے۔ ساڑھے نو بجے کمرہ عدالت میں داخل ہونے کے لئے پاس کی درخواست کرنے والے وزیٹروں کا اتنا ہجوم تھا کہ حکام کو پاس بند کرنے پڑے۔ کمرۂ عدالت کے اندر اور باہر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔

استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے اور صفائی کی طرف سے دیوان چمن لال، میاں عبدالعزیز بارایٹ لا اور مسٹر کپایل گا پیروکار تھے۔ ان کے علاوہ مقدمے کی کارروائی سننے کے لئے بار کے کئی سرکردہ ممبر بھی موجود تھے۔ احرار لیڈر بھی کمرۂ عدالت میں موجود تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی کار بھی جیل سے ۹ بجکر ۴۵ منٹ پر احاطۂ عدالت میں داخل ہوئی۔ احاطۂ عدالت میں لوگوں نے "سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد" کے نعرے لگائے۔

کارروائی ٹھیک دس بجے شروع ہوئی۔ مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ سابقہ پیشی کے بعد لدھارام کے نام سمن جاری کئے گئے تھے سمنوں کی تعمیل نہیں ہو سکی بہتیری کوشش کے بعد بھی پتہ نہیں چلا کہ لدھارام کہاں ہے۔ اس پر میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے آنریبل ججان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لدھارام لاہور ہی میں ہیں۔ ابھی ابھی مجھے بتایا گیا ہے کہ

انہیں احاطۂ عدالت میں دیکھا گیا ہے ۔ میں ابھی ان کا پتہ لگاتا ہوں ۔ یہ کہہ کر انہوں نے آدمی کو بھیجا۔

چیف جسٹس : کیا آپ نے انہیں خود نہیں دیکھا ؟

میاں عبدالعزیز : نہیں جناب ! میں نے انہیں نہیں دیکھا ۔ جب میں عدالت میں آیا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا لدھارام آگیا ہے ۔ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ آگیا ہے اور احاطۂ عدالت میں اسے دیکھا بھی گیا۔ اس پر فاضل ججان نے لدھارام کی آمد کا انتظار کیا ۔ پانچ منٹ تک کمرۂ عدالت میں خاموشی چھائی رہی ۔ جس کے بعد آنریبل چیف جسٹس نے پھر میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے لدھارام کی آمد کی اطلاع دی ہے ؟

میاں عبدالعزیز : میرے ایک دوست سید مقسوم نے مجھے بتایا تھا ، کہ دو اشخاص نے انہیں ابھی ابھی احاطۂ عدالت میں دیکھا ہے ، میں ان میں سے ایک کو حاضر کرتا ہوں۔

مسٹر سلیم : کیا میرے دوست خود مسٹر لدھارام کا پتہ لگانے کی کوشش کریں گے :

مسٹر عبدالعزیز : یہ کانسٹیبل کی ڈیوٹی مجھ پر نہیں لگائی جا سکتی (قہقہہ)

دس بجکر پندرہ منٹ پر میاں عبدالعزیز یہ کہہ کر کہ میں خود ان دو اشخاص کو جنہوں نے لدھارام کو دیکھا تھا بلاتا ہوں ، آپ ایک کانسٹیبل کو ساتھ لے کر باہر چلے گئے ۔

کارروائی ملتوی کی گئی ،

اس مرحلہ پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ جب تک لدھارام کے متعلق کچھ پتہ نہیں لگتا میری درخواست ہے کہ کارروائی ملتوی کی جائے ۔

چیف جسٹس : یہ ٹھیک خیال ہے ۔ ہم نصف گھنٹے کے لئے کارروائی ملتوی کرتے ہیں ۔ اگر اس دوران میں لدھارام آجائے تو ہمیں اطلاع دی جائے ۔ دس بجکر ۲۵ منٹ پر ایک بھورے رنگ کی کار احاطۂ عدالت میں داخل ہوئی ۔ یہ کار عدالت کے عین سامنے جا کر رکی ۔ جس میں سے تین نوجوان اترے ، ان میں سے ایک لدھارام تھا ۔ اسے دیکھتے ہی ” لدھارام زندہ باد “ کے نعرے لگنے شروع ہو گئے ۔

پولیس کو بڑی دِقّت پیش آئی کیونکہ ہجوم نے لدھارام کو گھیر لیا تھا، پولیس نے ہجوم کو پرے ہٹایا، اور لدھارام کو پکڑ لیا۔ لدھارام نے دونوں بازو پھیلائے ہوئے تھے اور وہ پولیس اور ہجوم کو چیرتا ہوا کمرۂ عدالت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں کچھ کشمکش بھی ہوئی۔ لیکن لدھارام کو سیدھا اندر جانے دیا گیا۔

لدھارام کا بیان

دس بجکر ۴۵ منٹ پر کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ سب سے پہلے لدھارام کا بیان ہوا لدھارام قریباً چوبیس سال کا مضبوط نوجوان ہے، اس نے لسواری رنگ کا کوٹ، چوڑی دار پاجامہ اور گلابی رنگ کی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں سفید کینوس کے بوٹ تھے اور چھوٹی چھوٹی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ جب وہ کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو بہت سے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ اس لئے چیف جسٹس کو یہ کہنا پڑا کہ اگر ذرا بھی شور ہوا تو کمرۂ عدالت وزیٹروں سے خالی کرا دیا جائے گا۔ لدھارام ولد امیر چند نارنگ نے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ میری عمر قریباً چوبیس پچیس سال ہے۔ میں پہلے ملازم تھا اور اب مستعفی ہو چکا ہوں، میں انگریزی جانتا ہوں، لیکن بول نہیں سکتا۔

مسٹر سلیم: جب ۲۸ جون کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لالہ موسیٰ میں تقریر کی تھی، کیا آپ وہاں موجود تھے؟

لدھارام: پولیس رپورٹر کی حیثیت سے۔

س: شاہ صاحب نے جو تقریر کی کیا آپ نے اس کے نوٹ لئے؟

ج: جی ہاں میں نے نوٹ لئے۔

س: لانگ ہینڈ میں نوٹ لئے یا شارٹ ہینڈ میں؟

ج: ورنیکلر شارٹ ہینڈ میں۔

س: کیا تم نے تمام تقریر کے نوٹ لئے تھے؟

ج : جو کچھ میں لکھ سکتا تھا لکھا۔

س : کیا تم تمام تقریر لکھ سکتے تھے، یا اس کا زیادہ حصہ؟

ج : میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، میں نے جو کچھ سمجھا لکھا۔

س : جو کچھ آپ نے لکھا، کیا یہ وہی تھا جو شاہ صاحب نے کہا تھا؟

ج : (کچھ دیر تک خاموش رہ کر) جب تک آپ اس سوال کو صاف نہ کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س : میرا مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے جو کچھ کہا، کیا وہی آپ نے لکھا؟

ج : جو کچھ میں نے سمجھا کہ شاہ صاحب نے کہا ہے وہی میں نے لکھا۔

س : جب آپ نے یہ نوٹ لکھ لئے تو کیا آپ نے کسی سے دستخط کرائے تھے؟

ج : جی ہاں! میں نے غلام حسین، رولدو سنگھ (تیسرا نام ذرا سوچ کر) مقبول حسین شاہ اور فیروز خان پولیس کانسٹیبل کے دستخط کرائے تھے۔

س : کیا اس کے بعد شارٹ ہینڈ نوٹوں کے آپ نے اسی وقت لانگ ہینڈ نوٹ بنائے؟

ج : اسی وقت نہیں۔

س : تو کب آپ نے لانگ ہینڈ نوٹ تیار کئے؟

ج : گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے گھر آ کر لونگ ہینڈ نوٹ لکھے اور اسے دے دیئے۔

س : کس تاریخ کو لکھے؟

ج : جس دن تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لئے تھے، اسی رات اور دن کے بعد میں نے ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں نوٹ دیئے تھے۔ رات بھر وہیں رہا۔ ۳۰ جون کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پیش کئے۔

س : چیف جسٹس : کس جگہ پیش کئے۔

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر تقریباً دوپہر کے بعد۔

س : یہ لانگ ہینڈ نوٹ علیحدہ کس کاغذ پر لئے، یا اسی نوٹ بک میں جس میں شارٹ ہینڈ نوٹ

لئے تھے۔

ج : علیحدہ کاغذ پر لکھ کر اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دیا تھا۔

س : کیا وہ ترجمہ جو آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ سے لانگ ہینڈ نوٹ میں کیا درست تھا؟

ج : شارٹ ہینڈ نوٹوں کے مطابق لانگ ہینڈ نوٹ بالکل درست تھے۔

س : جس نوٹ بک میں آپ نے شارٹ ہینڈ نوٹ لئے اس میں کوئی خالی صفحہ بھی رکھا؟

ج : میں دونوں طرف نوٹ لکھتا گیا۔

س : کیا آپ عام طریقے پر اسی طرح شارٹ ہینڈ نوٹ لیتے تھے؟

ج : عام طور پر دونوں طرف نہیں لکھا جاتا کسی جگہ درمیان میں خالی صفحے چھوڑ دئے جاتے ہیں، کسی جگہ نہیں۔

س : آپ کتنے عرصے سے رپورٹنگ کر رہے ہیں؟

مسٹر جسٹس رام لال : آپ یہ سوال کس لئے دریافت کر رہے ہیں؟

ج : مسٹر سلیم : اس لئے کہ اپنے پہلے سوال کا ٹھیک جواب حاصل کر دں۔ یہ کہہ کر آپ نے پھر سوال دُہرایا۔

لدھا رام : میں قریباً ایک سال سے رپورٹنگ کر رہا ہوں۔

مسٹر سلیم : کیا تم نے اس سے پہلے بھی کسی جلسہ میں نوٹ لئے؟

ج : جی ہاں! میں نے کئی جلسوں میں نوٹ لئے۔

س : جب آپ دوسروں کے نوٹ لیتے تھے تو صفحے کے ایک طرف لکھتے تھے یا دونوں طرف؟

ج : اگر اچھا اور ایسا مقرر ہوتا جو عام پر مشہور ہوتا اور یہ خیال ہوتا کہ وہ ایسی تقریر کرے گا جو قابل اعتراض ہو گی تو جگہ چھوڑ دیتے تھے۔

چیف جسٹس : مسٹر سلیم! آپ سادہ اور مختصر سوال کیوں نہیں کرتے جس سے سارا جواب مل جائے۔

مسٹر سلیم : میرا مطلب یہ ہے کہ جب آپ دوسری تقریروں کے معاملے میں کہیں جگہ چھوڑ لیتے تھے تو اس کا خاص سبب ہوتا تھا۔

ج : جی ہاں! شارٹ ہینڈ نوٹوں کے ساتھ کئی دفعہ لانگ ہینڈ نوٹوں کے لئے علیحدہ کاغذ چھوڑ دیا جاتا۔ تاکہ جب مقدمہ پیش ہو تو یادداشت ہو سکے۔

چیف جسٹس : تم جو شارٹ ہینڈ ایک صفحے پر لیتے تھے، کیا اس کے لانگ ہینڈ نوٹ اس جگہ پر جو خالی چھوڑ دی جاتی تھی آجاتے تھے۔

ج : سارے نہیں آجاتے تھے، بلکہ ہم ضروری حصّے لکھ لیتے تھے تاکہ انہیں یاد رکھ سکیں۔

مسٹر سلیم : آپ نے کہا ہے، کئی حالتوں میں آپ خالی صفحے چھوڑ دیتے تھے، اس کا کیا سبب تھا؟

ج : جب ہمیں پتہ لگ جاتا کہ گورنمنٹ نے مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی ہے اتب جگہ خالی چھوڑ لیتے تھے۔

مسٹر سلیم : میرا سوال یہ ہے کہ جن تقریروں کے نوٹ لیتے وقت آپ نے خالی صفحہ نہیں چھوڑا اس کا سبب کیا ہے؟

ج : جن حالتوں میں تقریریں قابلِ اعتراض ہوتی ہیں، ان میں ہی خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

س : جگہ چھوڑنے کا فیصلہ آپ تقریر کے نوٹ لیتے وقت کرتے ہیں یا بعد میں؟

ج : تقریر کے دوران میں ہی جب اس نتیجے پر پہنچیں۔

چیف جسٹس : اب سوال یہ ہے کہ جب آپ لالہ موسیٰ میں پہنچے تو کیا آپ کا خیال تھا، کہ شاہ صاحب قابلِ اعتراض تقریر کریں گے؟

لدھا رام : نہیں، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا، کہ قابلِ اعتراض تقریر کرے گا یا نہیں۔

مسٹر سلیم : (ایک نوٹ بک جو کمرۂ عدالت میں موجود تھی گواہ کو دکھا کر) اس کتاب کے ۱۶ سے ۳۴ صفحات تک جو شارٹ ہینڈ نوٹ درج ہیں وہ کیا تمہارے لکھے ہوئے ہیں؟

لدھا رام : یہ بھی میرے لکھے ہوئے ہیں۔

س : جو کچھ آپ نے لانگ ہینڈ میں لکھا ہے کیا وہ اس شارٹ ہینڈ کا ترجمہ ہے ؟

ج : جی ہاں ! اس کتاب میں جو شارٹ ہینڈ نوٹ ہیں ان کے مطابق لانگ ہینڈ نوٹ درست ہیں

س : کیا آپ نے سارے کے سارے شارٹ ہینڈ نوٹوں کا ترجمہ لانگ ہینڈ نوٹوں میں کیا تھا ؟

چیف جسٹس : یہ سوال پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ؟

مسٹر سلیم : یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط۔ اس مرحلے پر پھر مسٹر سلیم نے یہی سوال دریافت کیا

لدھارام : جی ہاں ! جو کچھ میں نے شارٹ ہینڈ میں لکھا ہے اس کا ترجمہ سارے کا سارا لانگ ہینڈ نوٹوں میں کیا۔

مسٹر سلیم : کیا یہ وہی شارٹ ہینڈ نوٹ ہیں جو آپ نے لالہ موسیٰ میں ۲۸ جون کو ملزم کی تقریر کے لئے تھے ؟

لدھارام : یہ وہ نوٹ ہیں جو میں نے جلسے میں لئے تھے۔

جرح کی اجازت

اس مرحلہ پر مسٹر سلیم نے درخواست کی کہ مجھے گواہ پر جرح کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ گواہ منحرف ہو گیا ہے۔ میاں عبدالعزیز نے اعتراض کیا کہ اس مرحلے پر کوئی وجہ نہیں کہ گواہ کو منحرف قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سچ بول رہا ہو۔ فاضل جج صاحبان نے فیصلہ کیا کہ ایڈووکیٹ جنرل کو جرح کرنے کا حق ہے۔ میاں عبدالعزیز سے انہوں نے کہا کہ کسی گواہ کے منحرف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ایک سچے گواہ کو بھی منحرف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس نے استغاثہ کی مرضی کے مطابق بیان نہیں دیا، خواہ استغاثہ جھوٹا ہے یا سچا۔

مسٹر سلیم نے گواہ پر جرح شروع کی۔

س : یہ شارٹ ہینڈ نوٹ آپ نے کہاں لئے ؟ جو آپ کہتے ہیں کہ اصلی نوٹ نہیں ہیں۔

ج : میں نے لالہ موسیٰ سے واپسی پر گجرات میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر یہ شارٹ ہینڈ نوٹ لکھے جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ ۳۰ جون کو جب میں نے یہ نوٹ لکھے تو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان

پر ایک اور آدمی راجہ خان نائب محرر لالہ موسیٰ پولیس اسٹیشن بھی موجود تھا۔ ہم تینوں وہاں موجود تھے، راجہ خان، میں اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر تینوں موجود تھے۔

س: آپ نے ان نوٹوں کی کہیں سے نقل کی یا کسی نے لکھا ہے؟

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر صاحب جو کچھ مجھے لکھاتے رہے، میں اسی کو شارٹ ہینڈ میں لکھتا گیا۔ میں پہلے لانگ ہینڈ ترجمہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا چکا تھا۔ اسی کو دیکھ کر اس میں تبدیلیاں کر کے وہ مجھے لکھاتے رہے۔

س: کیا ان تبدیلیوں کے متعلق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اپنے پاس نوٹ لکھ کر رکھے ہوئے تھے؟ یا وہ زبانی تبدیلیاں کراتے جاتے تھے۔

ج: اس وقت میرے لانگ ہینڈ نوٹس کے علاوہ اور بھی ایک کاغذ تھا، لیکن مجھے یہ نہیں دکھایا گیا کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا تھا۔ لیکن اتنا نظر آرہا تھا کہ اس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ دوسری طرف سے انگریزی کے ٹائپ شدہ حروف نظر آرہے تھے۔ لکھاتے وقت وہ دوسرے کاغذ کی طرف بھی دیکھتے جاتے تھے۔ شارٹ ہینڈ کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر لانگ ہینڈ ترجمہ بھی لکھا۔ لانگ ہینڈ ترجمہ علیحدہ کاغذ پر بھی لکھا۔ اسی دن پراسیکیوٹنگ افسر کے مکان پر نوٹ بک پر لانگ ہینڈ لکھنے کے بعد علیحدہ کاغذ پر لانگ ہینڈ ترجمہ کی نقل کی۔ دوسری دفعہ جب لانگ ہینڈ کی نقل کی گئی تو کاربن پیپر کے ذریعے دو کاپیاں بنائی گئیں۔ ایک اصل اور دو کاربن والی کاپیاں۔ دوسری نوٹ بک پر جو بعد میں تیار کی گئی میرے سامنے گواہوں نے دستخط نہیں کئے۔ اصل نوٹ بک جس میں جلسے کی تقریر کے نوٹ تھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے سامنے میز پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ شارٹ ہینڈ نوٹ لانگ ہینڈ نوٹ ترجمہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے سامنے چھوڑ گیا تھا۔

نوٹ بک جلا دی گئی

اصل شارٹ ہینڈ نوٹ بک میرے سامنے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر جلا دی گئی۔ اور اصل نوٹوں کے لانگ ہینڈ نوٹوں کے ترجمے کو بھی میرے سامنے جلا دیا گیا۔ یہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کا رہائشی مکان

تھا۔ میٹنگ سے پہلے ہی مجھے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ پیر غازی میں جس تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے مقصود ہیں، ان نوٹوں کے درمیان وقفے چھوڑ دینا۔ ہدایات کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ پنجاب کے وزیر اعظم کی ایک چٹھی سپرنٹنڈنٹ گجرات کو موصول ہوئی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری آپ کے علاقے میں آ رہا ہے۔ وہ یونینسٹ پارٹی کے خلاف منافرت پھیلانے آ رہا ہے، اس کی تقریر اس طریقے پر لی جائے کہ دفعات ۳۰۲-۱۱۷ اور ۱۵۳ کی زد میں آجائے۔ تقریر کے شارٹ ہینڈ نوٹ لینے پر ایسے اشخاص کو لگایا جائے جو تعلیم یافتہ ہو اور گواہ بھی ایسے ہونے چاہئیں جو پولیس کے زیر اثر ہوں

ایک سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ایک چٹھی ایسی تھی جس پر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے دستخط کرائے، وہ چٹھی ہدایات سے متعلق تھی، اور دستخط اس لئے کرائے تھے کہ بعد میں میں یہ نہ کہہ سکوں کہ ہدایات نہیں ملی تھیں، جس خط پر وزیر اعظم کی ہدایات تھیں وہ مجھے نہیں دکھایا گیا تھا۔ پہلی دفعہ مجھے ۲۸ جون سے دو تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئی تھیں۔ ۲۸ جون کو جب میں تقریر کی رپورٹ کے لئے لالہ موسیٰ روانہ ہونے والا تھا تو مجھے بلا کر کہا گیا کہ تقریر کی رپورٹ جلد از جلد لے کر شارٹ ہینڈ نوٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس پہنچا دوں۔ جب دو یا تین ہفتے پہلے ہدایات دی گئیں، اس وقت مجھے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بلایا تھا۔ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس انگریزی میں بات کرتے تھے تھوڑی بہت انگریزی میری سمجھ میں آتی تھی، باقی نہیں آتی تھی۔ پھر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے ایس پی کی موجودگی میں ہدایات دیں کہ پیر غازی (لالہ موسیٰ) میں میٹنگ ہونے والی ہے۔ وہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کرنے والے ہیں۔ اس کی تقریر کے شارٹ ہینڈ لیتے وقت خالی جگہیں چھوڑتے جانا۔

س : کیا آپ کو بتایا گیا تھا کہ یہ جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں؟

ج : اس وقت تک نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جگہیں کیوں چھوڑنی ہیں۔ لیکن یہ بات ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ پولیس سمجھ چکے تھے تو مجھے ہدایات دی گئیں۔ پیر غازی میں جو جلسہ ہونے والا ہے اس کے نوٹوں میں خالی جگہ رکھی جائے۔

ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ جگہ شارٹ ہینڈ نوٹوں میں چھوڑنی تھی۔

س : کیا یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ جہاں آپ کا خیال ہو جگہ چھوڑ دو، یا کوئی خاص جگہ چھوڑنے کے لئے کہا گیا تھا ؟

ج : کہیں ایک لائن کہیں دو لائنیں۔

س : میرا یہ سوال ہے کہ یہ قطعی سہولت دی گئی تھی کہ کس طرح جگہ خالی چھوڑی جائے۔

ج : نہیں خاص طریقے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔

س : یہ ہدایات کس کی تقریروں کے متعلق تھیں ؟

ج : سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق۔

س : تقریر کہاں کرنی تھی ؟

ج : پیر غازی میں۔

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ جگہ چھوڑنے کے متعلق کیوں ہدایت دی گئی تھی ؟

ج : مجھے پتہ نہیں۔

س : آپ کو پتہ نہیں تھا اور آپ نے کسی سے خیال بھی ظاہر نہیں کیا ؟

ج : نہیں۔

س : آپ قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ج : قیاس تو ہر شخص کر سکتا ہے، ایک معمولی سا ملازم بھی۔

عدالت سے تحفّظ کی درخواست

س : کیا یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے اس طرح جگہ خالی چھوڑی ؟

لدھارلم : اگر عدالت مجھے تحفظ دے دے تو میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔

چیف جسٹس : آپ کو تحفظ دی جاتی ہے، لیکن اگر ہمیں خیال ہوا کہ آپ کا جواب غلط ہے، تو مقدمہ چل سکتا ہے اگر درست ہو تو نہیں۔

لدھارام : میری عرض یہ ہے کہ میں جن واقعات کے متعلق جواب دوں گا اس میں مقدمہ چل کر سزا ہو سکتی ہے۔

مسٹر سلیم : مائی لارڈ میری درخواست ہے کہ یہ کارروائی میں لکھا جائے کہ گواہ کو مجبور کیا گیا، کہ وہ اس سوال کا جواب دے۔ اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔

میاں عبدالعزیز : لیکن اس صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گواہ جواب دینے سے انکار کر دے۔

چیف جسٹس : محض یہ سوال دریافت کیا جائے کہ گواہ کو پہلے بھی یہ ہدایت ملی تھی۔

مسٹر سلیم نے یہی سوال کیا جس کے جواب میں گواہ نے کہا : کہ مجھے اس سے پہلے بھی اسی طرح ہدایات ملی تھیں۔

سلیم : آپ کو ہدایت کب ملی تھی؟ — اس مرحلے پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز نے درخواست کی کہ اس سوال کے جواب میں گواہ کو تحفظ دیا جائے۔

چیف جسٹس : یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ گواہ پہلے کہہ چکا ہے، کہ اسے پہلے بھی ہدایات ملتی رہی ہیں۔

میاں عبدالعزیز : لیکن اس معاملہ میں گواہ کو ضرور تحفظ ملنا چاہیے۔

چیف جسٹس : صرف اس خاص سوال کے جواب میں تحفظ دیا جائیگا۔

مسٹر سلیم : (گواہ سے) سید بخاری کے جلسے کے متعلق آپ کو جو ہدایات دی گئی تھیں، کیا اس وقت بھی کوئی چٹھی آئی تھی۔

ج : چٹھیاں تو کئی آتی رہتی ہیں۔

مسٹر جسٹس رام لال : کیا اس خاص جلسے کے متعلق کوئی چٹھی دکھائی تھی؟

لدھارام : جی ہاں۔

مسٹر سلیم : اصلی چٹھی دکھائی گئی تھی یا اس کی نقل؟

ج : اس کا ترجمہ کیونکہ اس پر لکھا ہوا تھا یہ بہت خفیہ ہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے

کہ میں نے اصلی خط نہیں پڑھا بلکہ نقل جو سپرنٹنڈنٹ پولیس کا ریڈر اپنے رجسٹر میں درج کرتا ہے، وہی پڑھی

مسٹر سلیم : رجسٹر میں جو درج تھا اس میں کیا لکھا تھا؟

ج : مجھے یاد نہیں رہا جو کچھ مجھے یاد ہے وہ کہہ چکا ہوں اور وہ یہ کہ جگہ خالی رکھی جائے، اور تقریر کے نوٹوں کی ایک کاپی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دی جائے۔

مسٹر جسٹس رام لال : کیا سارا رجسٹر پڑھا تھا یا محض وہ نقل۔

ج : ترجمہ جو کچھ تھا وہ پڑھا اور اس کے خط کے نمبر بھی علیحدہ نوٹ کر لئے۔

ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا: کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا، وہ مستقبل میں اپنی رہنمائی کے لئے لکھا تھا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے یہ نقل ریڈر کے ذریعے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی اجازت سے لی تھی اور میں اسی طرح اکثر نقل لیا کرتا تھا۔

چیف جسٹس : آپ نے جس تحریر کی نقل لی تھی وہ بہت تھوڑی تھی یا زیادہ۔

گواہ : کچھ خط تھے، جن پر تھوڑی تھوڑی عبارت تھی۔

چیف جسٹس : دس دس سطریں یا بیس بیس سطریں تم نے کتنی دیر میں نقل کی۔

لدھارام : تین چار منٹ میں۔ میں نے پیر بخاری کے جلسے کے متعلق ہدایات نقل کیں۔

چیف جسٹس : کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس اس وقت موجود تھے؟

گواہ : وہ دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔

سلیم : مطلب یہ ہوا کہ بعض اوقات نقل کرتے وقت سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود ہوتے تھے اور بعض اوقات نہیں۔

گواہ : کئی اوقات ریڈر کو ہدایت کی جاتی تھی کہ دوسرے کمرے میں لے جائے۔

خفیہ رجسٹر

چیف جسٹس : یہ رجسٹر بہت خفیہ ہے!

گواہ : جی ہاں۔

چیف جسٹس : اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو نہیں بتایا جاتا تھا۔

گواہ : جس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی اسے بتا دیا جاتا تھا۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ ایک سترہ روپے ماہوار تنخواہ پانے والے کانسٹیبل کو سپرنٹنڈنٹ پولیس وہی خفیہ تحریریں کیونکر دکھا سکتے ہیں۔

گواہ : میں چند اور باتیں بھی اس سلسلہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ کام میں نے کرنا تھا۔

سلیم : آپ نے کہا تھا کہ آپ نقل کرتے وقت نمبر بھی نقل کر لیتے تھے۔ یہ کیوں؟

گواہ : اس کے متعلق نقل کرتے وقت کوئی خیال نہیں ہوتا۔

س : جو نقل آپ کے پاس تھی اس کے متعلق آپ کو ہدایت تھی کہ اسے محفوظ رکھا جائے یا نہیں؟

ج : اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ جب تم نقل کر لیتے تھے تو کیا یہ بتلایا جاتا تھا، کہ اسے جس طرح چاہو استعمال کرو، اسے اپنے پاس رکھو یا نہیں۔

میاں عبدالعزیز : (اٹھ کر) اس وقت گواہ ان کے اعتماد میں تھا۔

گواہ : جو کچھ میرے متعلق لکھا ہوتا تھا، اس کے متعلق ہدایت ہوتی تھی کہ اپنی یادداشت کے لئے نقل کر لو۔

س : جب آپ کو چٹھی دکھائی جاتی تھی یا ہدایت دی جاتی تھی تو ہمیشہ اس کی نقل دی جاتی تھی؟

ج : میں ہمیشہ نقل کر لیتا تھا۔ ایک اور سوال پر گواہ نے کہا، میں نقل اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ اور محفوظ رکھتا تھا۔

لکڑی کا بکس

مسٹر سلیم : تو ہم فرض کرتے ہیں کہ کئی مقدمات کے متعلق بھی ہدایات کی نقلیں آپ کے

پاس ہوں گی۔

ج : جی ہاں! میرے پاس پولیس اسٹیشن گجرات میں ہیں جنہیں میں اپنے رہائشی کوارٹر میں اپنے ایک صندوق میں چھوڑ آیا ہوں۔

چیف جسٹس : اسے تالا لگایا؟

گواہ : تالا لگایا تھا مگر وہ پہلے سے ہی خراب تھا قریباً تین چار ماہ پہلے سے۔

چیف جسٹس : کیا ان کاغذات کو خفیہ رکھنے کے لئے بکس ملا تھا۔

گواہ : جی ہاں۔ گواہ نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا، کہ اس صندوق میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس تھا جس میں وہ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی چابی ابھی تک میرے پاس ہے۔

چیف جسٹس : لاؤ دیکھیں۔ لدھا رام نے اپنی جیبیں ٹٹولنے کے بعد کہا، کہ میں نے اپنی تمام چابیاں اپنے ایک دوست خواجہ کو دی ہوئی ہیں، وہ یہیں موجود تھے۔ اس کے بعد خواجہ کو (جس کا پہلا نام گواہ نہیں جانتا تھا) بلایا گیا۔ اس نے چابیاں گواہ کو دیں۔ گواہ نے چابیاں چیف جسٹس کو دے دیں اور اس بکس کی چابی بتائی۔ گواہ نے یہ بھی بتایا، کہ خواجہ سے میری گذشتہ پندرہ بیس دن کی واقفیت ہے مزید کہا کہ جلال الدین ہیڈ کانسٹیبل کے پاس بھی اس بکس کی اسی طرح چابی ہے۔ اس کے بعد گواہ کو کچھ دستاویزات دکھائی گئیں۔ انہیں دیکھ کر گواہ نے ایک پیرا دیکھ کر کہا کہ یہ پیرا میں نے رجسٹر سے نقل کیا تھا۔

مسٹر سلیم : اس سے پہلے جو سی آر پی لکھا ہے، اس سے کیا مراد ہے۔

گواہ : مجھے معلوم نہیں۔

چیف جسٹس : شاید اس کا مطلب کانفیڈنشل رپورٹ آف پولیس ہے۔

خفیہ جھوٹ

مسٹر سلیم : کسی پر سی ایل پی لکھا ہوتا ہے۔

چیف جسٹس : (از راہِ مذاق) کانفیڈنیشل لائز (جھوٹ) ہو سکتا ہے۔ (قہقہہ)

اس مرحلے پر چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے کہا۔ کہ آپ اپنی جرح میں اس بات کو نمبر در صاف کیجئے کہ اس قدر خطرناک اور کنفیڈینشل ہدایات کو ایک سترہ روپے کے کانسٹیبل کو نقل کر کے ساتھ لے جانے کی اجازت کس طرح دی گئی۔ ہمیں اس کا یقین نہیں ہوتا۔ میاں عبدالعزیز نے کہا مائی لارڈ میں اس کا خیال رکھوں گا۔

گواہ نے مسٹر سلیم کی مزید جرح کے جواب میں کہا۔ ۲۸ جون کو میں ہدایت حاصل کر کے پیر غازی والی تقریر کے نوٹ لینے گیا تھا۔ ہدایات مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے دی تھیں۔ گجرات میں ہدایات دی گئی تھیں۔ ایس پی اپنے کمرے میں ہو گا۔ لیکن اس وقت ہم دونوں کے سوائے کوئی موجود نہ تھا۔ اس وقت مجھے یہی ہدایات دی گئیں، کہ تقریر کے نوٹ لیتے ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس آنا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی ہدایات نہیں دی گئی تھیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ تقریر Fabricate ہو گی۔ کیونکہ ایسی باتیں تو قیافے سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے مجھے کہا جا چکا تھا کہ جگہ خالی چھوڑوں یا نہ چھوڑوں مجھے محض یہ ہدایت تھی کہ جس وقت نوٹ لے آؤں، فوراً پراسیکیوٹنگ افسر کے مکان پر پہنچ جاؤں

سلیم : اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو یہ ہدایت نہیں کی گئی تھی جس سے معلوم ہو کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

ج : مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس میں بناوٹ کی جائے گی۔

سلیم : کیا آپ کو شبہ تھا یا بتایا گیا تھا۔

ج : ایسی باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔

سلیم : کیا اس تقریر کے متعلق خاص ہدایت کی گئی تھی؟

ج : مجھے فون پر بلا کر ہدایت کی گئی تھی کہ لانگ ہینڈ نوٹ نہ کرنا۔

س : کیا یہ بتایا گیا تھا کہ کوئی خالی جگہ نہ چھوڑنا؟

ج : مجھے نہیں بتایا گیا تھا۔

س : جس نوٹ بک میں آپ نے نوٹ لئے وہ گجرانت سے لی ؟ جب آپ لالہ موسے گئے تھے، کیا لالہ موسے گئے تھے۔ کیا آپ کو خیال تھا کہ نوٹ بک جلائی جائے گی۔

ج : مجھے معلوم نہیں تھا۔

س : کیا آپ کو یہ ہدایات دی گئیں کہ فوراً آجائیں۔

ج : مجھے یہ ہدایت تھی کہ جتنی جلدی فارغ ہو جاؤ، واپس آجاؤ۔

س : کب فارغ ہو گئے تھے ؟

ج : اور بھی کئی تقریریں تھیں، شہزادہ آزاد نے بھی تقریر کی تھی، اس لئے دوسرے دن شام کو فارغ ہوا۔

س : ۲۸ جون کی شام کو آپ نے کس وقت تقریر کے نوٹ لئے ؟

ج : مجھے یاد نہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ نوٹ لینے میں غالباً دو اڑھائی گھنٹے لگے تھے۔

س : لالہ موسے سے گجرات آنے تک کتنا وقت لگا۔

ج : غالباً بیس پچیس منٹ۔ ایک اور سوال پر کہا کہ غالباً دونوں شہروں میں گیارہ میل کا فاصلہ ہے

س : کیا جس رات نوٹ لئے تھے اس رات سوئے بھی تھے ؟

ج : جی ہاں ! میں تھانہ لالہ موسے میں سویا تھا وہاں اور سپاہی بھی تھے، جنہوں نے مجھے کہا تھا کہ شاید کل جلسہ ہو، اس لئے مجھے لالہ موسے ہی میں ٹھہرنا چاہئے۔ اس مرحلے پر کارروائی لنچ کے لئے ملتوی ہو گئی

لنچ کے بعد کی کارروائی

لنچ کے بعد کارروائی شروع ہوئی تو کئی اور وکلاء کارروائی سننے کے لئے موجود تھے۔ ان میں سے پنڈت نانک چند بیرسٹر ایٹ لاء کا نام قابل ذکر ہے مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھتے ہوئے لدھا رام سے پوچھا۔ ۲۸ جون کے جلسہ میں جس میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی کیا آپ نے کسی دوسری تقریر

۴۰۰

کی۔ کیا آپ نے کسی دوسری تقریر کے نوٹ لئے ؟

گواہ : جی ہاں ! میں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے علاوہ شہزادہ آزاد، بھاگ سنگھ اور ایک دو اور اصحاب کی تقریروں کے نوٹ لئے، جن کے نام مجھے یاد نہیں۔

س : جب آپ نے نوٹ لئے اس وقت دن کچھ باقی تھا ؟

ج : نہیں، جلسہ ۹ بجے رات کے بعد شروع ہوا۔

س : کیا ان تقریروں کے نوٹ اسی نوٹ بک میں لئے تھے ؟

گواہ : جی ہاں۔

س : کیا آپ نے دوسرے دن یعنی ۲۹ رجون کو کسی اور تقریر کے نوٹ لئے تھے ؟

گواہ : نہیں۔

س : مسٹر جسٹس رام لال : کیا اس دن لالہ موسٰے میں کوئی جلسہ تھا ؟

ج : ایک جلسہ تھا مگر اسے ملتوی کیا گیا۔

مسٹر سلیم : آپ لالہ موسٰے سے گجرات کب گئے ؟

ج : ۲۹ رجون کی شام یا ۳۰ رجون کی صبح، لیکن مجھے ٹھیک یاد نہیں، کیونکہ اس واقعے کو آٹھ نو ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔

مسٹر سلیم : آپ نے پہلے کہا تھا کہ آپ کو ہدایت ہوئی تھی کہ تقریر نوٹ کرکے فوراً پہنچو، تو آپ کو یاد نہیں کہ ۲۹ رجون کی شام کو گئے یا ۳۰ رجون کی صبح کو ؟

گواہ : مجھے یہ یاد نہیں، لیکن یہ یاد ہے کہ ۳۰ رجون کو پراسیکیوٹنگ افسر کے پاس گیا تھا۔

مسٹر سلیم : اگر آپ ۲۹ رجون رات کو گجرات جاتے تو کہاں رہتے، گجرات جاتے تو تھانہ میں رپورٹ دے کر وہیں رہتے ؟

س : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس کس وقت گئے تھے ؟

ج : دوپہر کے بارہ بجے کے بعد مجھے ٹھیک یاد نہیں غالباً تین اور چار بجے کے درمیان گیا ہوگا۔

س : جب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے ملے تو کیا نوٹ بک جس میں آپ نے ان تقریروں کے نوٹ لئے تھے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور اسے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے کر دیا تھا؟

گواہ : جی ہاں۔

س : جب آپ نے نوٹ بک حوالے کی تو کیا شارٹ ہینڈ نوٹ پڑھ کر سنائے تھے، یا لانگ ہینڈ میں لکھ کر؟

گواہ : میں نے لانگ ہینڈ بنائے اور اس کے بعد انسپکٹر کو پیش کر دیا۔

س : کیا ان کی موجودگی میں لانگ ہینڈ تیار کئے؟

گواہ : جی ہاں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی موجودگی میں تیار کئے۔

س : کیا آپ نے لانگ ہینڈ نوٹ بنائے تو آپ کی موجودگی میں انہوں نے پڑھا؟

گواہ : جی ہاں

س : کیا انہوں نے پڑھنے کے بعد کہا کہ یہ تسلی بخش نہیں ہے یا ہے؟

گواہ : انہوں نے کہا کہ جو کچھ میں بولوں اس کے نئے سرے سے شارٹ ہینڈ نوٹ لکھو۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے میرے لانگ ہینڈ نوٹ دو تین مرتبہ پڑھے اور اس کے بعد لکھنا شروع کیا۔

س : آپ نے جو نوٹ لکھے ان میں کتنا عرصہ لگا؟

ج : قریباً چھ سات گھنٹے لگے۔ دس ساڑھے دس بجے یہ کام شروع ہوا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ شارٹ ہینڈ نوٹ لکھوانے اور لانگ ہینڈ نوٹ بنوانے کے لئے پہلی شارٹ ہینڈ نوٹ بک جلائی گئی تو دوسری تقریروں کے متعلق کیا ہوا؟ گواہ نے کہا کورٹ مجھے تحفظ دے تو میں جواب دے سکتا ہوں کیونکہ ان کے سلسلے میں عدالت فیصلہ دے چکی ہے۔

میاں عبدالعزیز : دوسرے مقدمے میں جو شہزادہ آزاد کے خلاف ہوا گواہ پر جرح ہوئی ہے اس لئے گواہ کی درخواست ہے کہ اگر وہ اس کے متعلق یہاں جو بھی بیان دے گا وہ اس کے خلاف استعمال

نہیں کیا جائے گا۔ اس پر گواہ نے کہا جو شہادت میں نے جہلم میں شہزادہ آزاد کے خلاف دی تھی، وہ پراسیکیوٹنگ افسر کے کہنے پر دی تھی۔

مسٹر سلیم: سوال یہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ دوسری تقریروں سے نوٹوں کے متعلق کہا گیا۔

گواہ: ان پر دستخط بھی تھے۔

چیف جسٹس: سوال یہ ہے کہ اس نوٹ بک میں دوسری تقریروں کے نوٹ بھی تھے جب اس نوٹ بک کو جلا دیا گیا تو ان تقریروں کے نوٹوں کا کیا بنا؟

گواہ: انہیں بھی دوبارہ لکھا گیا، اسی لئے تو سات گھنٹے صرف ہوئے تھے؟

سلیم: جب آپ سید صاحب کی تقریر کے نوٹوں کا ذکر کر رہے تھے، تو دوسری تقریروں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

گواہ: اس لئے کہ میں پروٹیکشن لینے کے بعد ہی کروں۔

س: جو جو تقریریں ہوئیں کیا ان سب کو دوبارہ نوٹ میں لیا گیا تھا؟

گواہ: جی ہاں۔

س: جب آپ نے ان تقریروں کو دوبارہ کر لیا تو کیا انہیں اصل کے مطابق لیا؟ یا ان میں تبدیلی کر لی گئی۔

گواہ: اگر مجھے یقین دلایا جائے کہ اس بیان پر میرے خلاف مقدمہ نہیں چلے گا تو میں بتا سکتا ہوں

میاں عبدالعزیز: یہ حفاظت تو پہلے دی جا چکی ہے۔

گواہ: کچھ لفظ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے نکال کر شہزادہ آزادہ کی تقریروں میں ڈال دئے گئے تھے

چیف جسٹس: تاکہ شہزادہ آزاد کو سزا ہو جائے ـــــ تو کیوں یہ لفظان کی تقریر میں ڈالے گئے تھے؟

گواہ: اس لئے کہ اگر ساری تقریر کو بنایا جاتا، تو یہ خیال ہوتا کہ بناوٹی ہے۔ شہزادہ آزاد کی تقریر میں سے یہ الفاظ کہ ڈوگروں نے ہزاروں روپوں کے کتے حرنیے نکال کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے نوٹوں میں ڈال دئے گئے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ اس ڈائری میں جو جعلی

بنائی گئی۔ اگر سارے قابل اعتراض الفاظ ڈالے جاتے تو معلوم ہوتا کہ ساری جعلی ہے، اس لئے وزارت کے متعلق بھی کچھ حصہ ملا دیا گیا کیونکہ خط میں لکھا ہوا تھا کہ سید عطاء اللہ شاہ یونینیسٹ پارٹی کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے۔

مسٹر سلیم : آپ کا یہ خیال ہوا کہ ایک تقریر کے چند حصے دوسری میں ڈالے گئے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ساری تقریر جعلی ہے۔

گواہ : جعلی نظر نہ ہو اور دوسرے یہ کہ کارکردگی دکھانے کے کہ میں یونینیسٹ وزارت کا اتنا ہمدرد ہوں

چیف جسٹس : وہ الفاظ جو شہزادہ آزاد کی تقریر سے نکال کر سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر میں ڈالے گئے وہ قابل اعتراض تھے یا نہیں۔

گواہ : ہو سکتا ہے۔

چیف جسٹس : جو الفاظ سید صاحب کی تقریر سے نکال کر آزاد کی تقریر میں ڈالے گئے، وہ قابل اعتراض تھے یا نہیں؟

گواہ : ہوں گے مجھے پتہ نہیں۔

چیف جسٹس : کیا آپ کے خیال میں دونوں نے قابل اعتراض تقریریں کیں؟

گواہ : نہیں۔

چیف جسٹس : ہو سکتا ہے کہ تمام تقریریں قابل اعتراض نہ ہوں، چند الفاظ ہی قابل اعتراض ہوں۔

گواہ : جہاں تک میرا خیال ہے، نہیں۔

چیف جسٹس : اگر نہیں تو ایک تقریر کے الفاظ دوسرے کی تقریر میں کیوں ڈالے گئے؟

گواہ : ایک آدھ لفظ ایک تقریر سے لیا جاتا تھا اور کچھ اپنے پاس سے ملا لیا جاتا تھا۔

مسٹر جسٹس رام لال : یعنی پورے جملے نہیں بلکہ چند الفاظ ہی ملائے جاتے تھے۔ گواہ : جی ہاں

سلیم : آپ نے کہا تھا یہ دستخط جو اس کے نیچے ہیں آپ کی موجودگی میں نہیں کئے گئے، تو پھر کس نے کئے تھے؟

گواہ : یہ ان لوگوں کے دستخط تھے جو میں نے بنائے یا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مقبول حسین شاہ کو

بلایا گیا تھا۔ اس نے اپنے دستخط کئے اور دوسرے فیروز خان کے نام پر اس نے خود دستخط کئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کون سے دستخط کئے تھے، لیکن یہ یاد ہے کہ دونوں میں سے ایک میں نے کئے۔

مسٹر سلیم : فیروز خان کو کیوں نہیں بلایا گیا ؟

گواہ : وہ مل نہیں سکا تھا۔

سلیم : مقبول حسین کب آیا ؟

گواہ : جس دن یہ نوٹ تیار کئے گئے، اس کے تین چار دن بعد گجرات سے آیا تھا۔

سلیم : اس دوران میں یہ مبینہ جعلی ڈائری کس کے پاس رہی ؟

گواہ : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس۔

مسٹر جسٹس رام لال : آپ کو کب واپس ملی ؟

گواہ : دس پندرہ دن کے بعد۔

چیف جسٹس : جب آپ کو پہلی دفعہ جعلی دستاویز بنانے کے لئے کہا گیا تو کیا آپ نے پروٹسٹ کیا ؟

گواہ : جی ہاں، میں نے پروٹسٹ کیا تھا، لیکن میرے ساتھ ایک کانسٹیبل تھا جس نے ایک دفعہ غلطی کی تھی تو اسے تنزل کر دیا گیا تھا۔

خودکشی کا ارادہ

چیف جسٹس : کیا تم نے درخواست میں کہا تھا کہ میں جھوٹی شہادت دینا نہیں چاہتا۔

گواہ : اگر میں لکھتا تو نہ معلوم مجھے کیا دھکے کھانے پڑتے اور نہ معلوم پولیس مجھ سے کیا سلوک کرتی۔

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے ایک سوال دریافت کرنا چاہا جس پر لدھا رام نے کہا کہ میری ایک اور درخواست بھی ہے۔ میں تہیہ کئے ہوئے تھا کہ شہادت دینے کے بعد خودکشی کر لوں گا، اس کیلئے میں نے سنکھیا خریدا۔ آپ بے شک اس دکان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ میرے والد، میری والدہ اور گھر کے تمام آدمیوں کو اس کا علم ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرے دل میں کیا تھا۔

مسٹر سلیم: یہ تو معمولی بات تھی کہ جھوٹی شہادت نہ دو اور خودکشی نہ کرو۔
گواہ: جی ہاں معمولی بات تھی، لیکن مجھے پتہ تھا، اگر وہاں آواز پہنچاتا تو عدالت میں بھی جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے پہنچ نہ سکتی۔
مسٹر جسٹس رام لال: یہ پولیٹیکل پلیٹ فارم نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر تمہارا ضمیر بیدار تھا تو تم نے یہ ارادہ کیوں نہیں کیا کہ سچ بولوں گا۔
گواہ: اسی لئے تو میں اب سچ بولنے پر مجبور ہوں۔
میاں عبدالعزیز: پوزیشن یہ ہے کہ اس وقت پروٹسٹ نہیں کیا، کیونکہ پیٹ کا فکر تھا۔ ماتحت عدالت میں مشکل تھا، اس لئے اب عدالت بالا میں اسے ہمت ہو گئی کہ سچ بولے۔ مسٹر سلیم نے گواہ سے جرح جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نوٹ بک میں جو آپ کے خیال میں جعلی ہے کیا بعد میں اور تقریروں کے نوٹ بھی لکھے ہوئے تھے؟

گواہ: جی ہاں
سلیم: پہلے بھی اس میں نوٹ تھے؟
گواہ: مجھے خیال نہیں۔
سلیم: جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی تو کیا آپ کو یہ خیال نہیں کہ اس کے ساتھ کچھ صفحے لکھے ہوئے تھے؟
گواہ: صفحے تھے جو پھاڑ دئے گئے اور یہ دیکھے جا سکتے ہیں۔
سلیم: مطلب یہ جب آپ کو یہ نوٹ بک دی گئی اس وقت اس میں شارٹ ہینڈ کے نوٹ تھے؟
گواہ: جی ہاں کچھ لکھا تھا۔
سلیم: یہ نوٹ آپ نے لکھے تھے یا کسی اور نے؟
گواہ: میرے ہی تھے۔
سلیم: کب پھاڑے گئے، آپ کی موجودگی میں۔ پھاڑنے کے بعد جو صفحے بچے کیا وہ خالی تھے؟
گواہ: جی ہاں۔

سلیم : جو صفحے خالی بچے انہیں کیوں پھاڑا گیا ؟

گواہ : ان میں تاریخوں کا ردو بدل تھا ۔ ان کی تاریخیں بہت پہلے کی تھیں ۔ اس کے بعد بھی کئی تقریروں کے نوٹ لئے جا چکے تھے ۔ کئی نوٹ بکیں جل چکی تھیں ۔

سلیم : آپ نے سید عطاء اللہ بخاری کے نوٹ اسی پر کیوں نہ لئے ۔ نئی کاپی کیوں لی ؟

گواہ : نئی کاپی اس لئے لائی گئی تھی کہ جعلی رپورٹ بنائی جائے گی ۔

سلیم : گویا یہ شبہ آپ کو تھا ۔

گواہ : میرا بھی خیال تھا اور عام طور پر ایسا ہی ہو جاتا ہے ۔

سلیم : گویا شک ہونے پر آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہ کرو نئی کتاب لاؤ ۔

گواہ : میں نے نہیں کہا تھا ۔

سلیم : گویا یہ خیال آپ نے دل میں رکھا ؟

گواہ : نہیں ۔ سلیم : اس کا مطلب کیا ہوا ؟

گواہ : خیال تھا کہ اس راز نے کیا ظاہر ہونا ہے ، اس لئے جو بھی کاپی آ سکے لگا یا جائے ۔

سلیم : گویا وہاں بہت سی کاپیاں پڑی ہوئی تھیں ؟

گواہ : کورٹ انسپکٹر کے پاس نہیں ، انگلش اسٹینو گرافر کے پاس ہوتی ہیں ،

سلیم : مگر آپ کورٹ انسپکٹر کے گھر گئے تھے ، وہاں کاپیاں پڑی ہوئی تھیں ؛

گواہ : نہیں ، وہاں ویر سنگھ اسٹینو گرافر کو بلایا گیا کہ ایک نوٹ بک لاؤ ۔

سلیم : کیا اسے بتایا گیا تھا کہ کیوں نوٹ بک لاؤ ؟ گواہ : نہیں

سلیم : گویا وہ ایک نوٹ بک لے آیا ۔

گواہ : تین چار نوٹ بکیں لے آیا ۔ سلیم : کیا وہ خالی تھیں ؟

گواہ : کئی خالی تھیں ، کئی لکھی ہوئی تھیں ۔

سلیم : کیا کوئی ایسی تھی جو بالکل خالی تھی اور جس میں نوٹ لکھے ہوئے نہیں تھے ۔

گواہ : میں نے تین کاپیاں دیکھی تھیں، ایک کے متعلق پراسیکیوٹنگ افسر نے کہا کہ یہ موزوں ہے، میں نے دوسری دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

سلیم : (نوٹ بک دکھا کر) کہاں کہاں سے کاغذ پھاڑ لئے گئے تھے ؟

گواہ : (دیکھ کر) شروع سے پھاڑ لئے گئے تھے۔

سلیم : یہ صفحے کس نے پھاڑے تھے ؟

گواہ : میں نے خود اس دن پھاڑے تھے۔

سلیم : آپ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں اور تحریروں کے نوٹ بھی ہیں۔ وہ جعلی ہیں یا اصلی ؟

گواہ : ان میں جعل سازی نہیں کی گئی۔

سلیم : آپ نے کہا تھا کہ مبینہ جعلی نوٹ بک جب آپ کے پاس پندرہ سولہ دن کے بعد آئی، تو لانگ ہینڈ نوٹ لکھے ہوئے تھے۔

گواہ : جی ہاں۔

سلیم : جو علیحدہ کاغذ پر لانگ ہینڈ نوٹ لکھے تھے وہ بھی آپ کے حوالے کر دیا گیا۔

گواہ : پہلے سے پولیس اسٹیشن کو بھیجا گیا اور مجھے کہا گیا تھا کہ لالہ موسیٰ تھانہ سے لے آؤ، مجھے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم دیا تھا۔

س : آپ کو وہ لانگ ہینڈ نوٹ کب ملے ؟

ج : مجھے تاریخ یاد نہیں۔

س : آپ کے پاس کتنے عرصہ تک رہے ؟

ج : یہی دو تین دن۔

س : اس کے بعد آپ نے کس کو دئے ؟

ج : عبدالحمید اسٹینوگرافر تھانہ گجرات کو۔

س : تاریخ یاد ہے ؟ ج : نہیں۔

س : کیا اس دن عطاء اللہ شاہ بخاری کی پیشی تھی ؟

ج : نہیں۔

س : آپ نے یہ نوٹ عبدالحمید کو دے دیئے تو کیا پھر واپس لئے ؟

ج : ہاں۔ میں نے واپس لئے۔ ایک اور سوال پر کہا کہ میں مرار گیا۔ وہاں سے چھٹی ملی، تب میں واپس آیا اور نقل تیار کر کے اسی دن انہیں واپس دے دیا۔

س : تاریخ کیا تھی ؟

ج : غالباً ۱۸ ر نومبر۔ س : آپ نے کس کے پاس انہیں دیکھا ؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس ، انہوں نے مجھے چند حصّوں کو خط کشیدہ کر کے دیا اور کہا کہ گواہوں کو یاد کراؤ۔

س : کیا وہ حصّے تم نے گواہوں کو پڑھ کر سنائے۔

ج : جس گواہ کے متعلق جو جو حصّہ مقرر تھا وہ اس نے لکھ دیا۔

س : کیا اس دن مقدمہ ملتوی ہو گیا تھا۔

ج : جی ہاں۔

س : کیا گواہوں نے کہا ہے کہ ہمیں ۱۱ ر نومبر کو بیان بتایا گیا تھا اور آپ ۱۸ ر نومبر کہہ رہے ہیں۔

ج : مجھے پختہ یاد نہیں۔ یہ تاریخ وہ تھی، جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیل میں آچکے تھے۔

س : تاریخ ملتوی ہونے کے بعد لانگ ہینڈ نوٹ کہاں گئے ؟

ج : میں نے اسٹینوگرافر عبدالحمید کو واپس کر دیئے۔

س : کیا پھر کبھی اس سے واپس لئے ؟

ج : نہیں میں نے دوبارہ اس سے واپس نہیں لئے۔

س : کسی سے بھی نہیں ؟

ج : نہیں۔

س: گویا اس کے بعد آج تک آپ نے کبھی ان لانگ ہینڈ نوٹوں کو نہیں دیکھا؟

ج: جی ہاں دیکھا ہے۔

س: کب؟

ج: جب پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ انہیں دوبارہ بنانا ہے تاکہ جو جعلی دستخط بنائے ہوئے ہیں انہیں ٹھیک کیا جائے، کیونکہ شاید عطاء اللہ شاہ بخاری جو کافی بااثر مولوی ہیں، گواہ غلام حسین اور رولدو سنگھ پر دباؤ ڈال رہے، اس لئے ان دونوں کے دستخط کر دئے جائیں۔

س: تاریخ کیا تھی؟

ج: ۲۸ر دسمبر تھی۔

س: کس طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ ضرور ۲۸ر دسمبر تھی۔

ج: میرا خیال ہے کہ ۲۸ر دسمبر ہی تھی۔

لدھارام کی گرفتاری اور ضمانت پر رہائی

کورٹ کا اجلاس ۲½ بجے ختم ہونا تھا، اس وقت تین بج کر پچیس منٹ ہو گئے تھے، آنریبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی کو بتایا کہ لدھارام کی گرفتاری کے دو بلاضمانت وارنٹ آئے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مقدمے میں شہادت کے لئے ہمیں لدھارام کی ضرورت ہے، استغاثہ کو بھی اور آپ کو بھی، یہ وارنٹ جن مقدمات کے سلسلے میں جاری کئے گئے ہیں، ان کا اس مقدمے کوئی تعلق نہیں۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ یہ میری درخواست ہے کہ جب تک لدھارام کا بیان ختم نہ ہو جائے اسے پولیس کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس دوران میں اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔

چیف جسٹس: کیا یہ مناسب ہو گا کہ اسے جوڈیشل حوالات میں بھیج دیا جائے۔

میاں عبدالعزیز: نہیں جناب میری درخواست ہے کہ جب تک اس کی شہادت ختم نہیں ہوتی

اسے ضمانت پر رہا کیا جائے ۔

چیف جسٹس : یہ مقدمہ نہایت سخت ہے اور اس میں اس کی حاضری کی ضرورت ہے ۔

میاں عبدالعزیز : اس کے لئے زیادہ ضمانت لی جا سکتی ہے ۔ اگر اس کا یہاں کوئی ضمانتی ہوا تو ضمانت دے گا ۔ پانچ دس ہزار جتنی چاہیں ضمانت مانگ لیں ۔

چیف جسٹس : پانچ ہزار کی ضمانت کی جاتی ہے (لدھا رام سے) یہاں آپ کا کوئی ضمانتی ہے ؟

لدھا رام : جی ہاں میں ضمانت دے سکتا ہوں ۔

میاں عبدالعزیز : ڈاکٹر عبدالقوی ایم بی بی ایس لاہور ، لدھا رام کی ضمانت دینا چاہتے ہیں ۔ ان کی اچھی خاصی پریکٹس ہے اور کافی جائیداد کے مالک ہیں اور ذاتی طور پر بھی میں جانتا ہوں ۔

چیف جسٹس : یہ ٹھیک ہے میاں عبدالعزیز ذاتی طور پر بھی انہیں جانتے ہیں ۔

میاں عبدالعزیز : میں ہی نہیں میرے دوست منیر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل بھی انہیں جانتے ہیں (قہقہہ) اس پر لدھا رام کی ضمانت لی گئی اور اسے رہا کر دیا گیا ۔ شہادت کے دوران میں لدھا رام کا بوڑھا باپ امیر چند نارنگ بھی آیا ہوا تھا ، جب لدھا رام باہر نکلا تو دونوں بغلگیر ہوئے ۔ لدھا رام چک ۶۶ شمالی ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھا ۔ اس وقت سناتن دھرم ہائی سکول گجرات سے میٹرک پاس کیا ۔ ڈی ۔ اے وی کالج لاہور میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی ۔

لاہور ۔ ۲ ۔ اپریل ۔ آج جب احرار لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف چیف جسٹس اور مسٹر جسٹس رام لال کے روبرو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو پولیس نے ہجوم کے پیش نظر احاطۂ عدالت تمام تماشائیوں سے خالی کرا لیا جس سے تمام ہجوم احاطۂ عدالت کے باہر ہو گیا اور جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جیل سے لایا گیا تو لوگوں نے "احرار زندہ باد" اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے لگائے ۔ آج بھی لدھا رام کی شہادت تھی ۔ اسے کار پر لایا گیا ۔ استغاثہ کی طرف سے مسٹر سلیم ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمد منیر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل اور صفائی کی طرف سے میاں عبدالعزیز ایم ایل اے ،

بارایٹ لا ، دیوان چمن لال بارایٹ لا ، مسٹر کے ایل گابا اور میر عبدالقیوم لائل پوری ، مسٹر عبدالقیوم بیرسٹر پیش ہوئے ۔ لدھارام نے لباس تبدیل کیا ہوا تھا۔ آج اس نے دھاری دار چار خانے والی قمیض پہنی ہوئی تھی اور کل جو ٹوپی بغل میں رکھی ہوئی تھی اس کی بجائے ایک اور ٹوپی لی ہوئی تھی ۔ بال بھی آراستہ کئے ہوئے تھے ۔ کل کے برعکس آج وہ بہت سنجیدہ تھا۔ آج بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی ۔ آپ نے چند کاغذات گواہ کو دکھاتے ہوئے دریافت کیا، کیا یہ صفحات جن پر ۱۱۲ سے ۱۲۶ تک نمبر ہیں۔ ان پر نوٹ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ؟

لدھارام : جی ہاں ! یہ شارٹ ہینڈ اور لانگ ہینڈ میرے ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔

مسٹر سلیم : کیا یہ انہی تقریروں کے نوٹ ہیں جو ۱۰ رمئی ۱۹۲۹ء کو نوٹ کی گئی تھیں ؟

ج : اگر کورٹ مجھے تحفظ دے تو میں جواب دے سکتا ہوں ؟

مسٹر جسٹس رام لال : آپ کو جواب دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے ۔

لدھارام : ان تقریروں کے نوٹ ایک علیحدہ کاغذ پر لکھے گئے تھے جس پر لائنیں تھیں اور پن سے لکھا تھا

س : تو یہ کب تیار کئے گئے ؟

ج : یہ نوٹ اس نوٹ بک پر اس وقت تیار کئے گئے جب غازی سلطان محمود کے خلاف مقدمہ تیار کیا گیا تھا ۔

س : کس تاریخ کو ؟

ج : تاریخ مجھے یاد نہیں ، مہینہ بھی یاد نہیں ، غالباً گرمیوں کے دن تھے ۔

س : سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے بعد یہ مقدمہ ہوا ۔ آپ نے پہلے کہا تھا کہ ۳ رجون ۱۹۲۸ء کو سید عطاء اللہ کی تقریر بنائی گئی، سوال یہ ہے کہ یہ نوٹ اس کے بعد لکھے گئے تھے یا پہلے ؟

ج : ٹھیک یاد نہیں کہ یہ نوٹ میں نے کب بنائے تھے ۔

س : یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ۳۰ رجون کو نہیں بنائے گئے ؟

ج : جی ہاں مجھے ٹھیک یاد ہے کہ اس دن نہیں بنائے گئے جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری

کی تقریر بنائی گئی تھی۔

س: سلیم: کیا یہ نوٹ اس نوٹ بک سے پھاڑے گئے جو آپکے بیان کے مطابق جعلی بنائی گئی تھی؟

ج: نہیں۔ یہ نوٹ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم: (وہ نوٹ بک دکھا کر جس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے متعلق جعلی بنائی گئی) کیا اس نوٹ بک میں جو صفحات موجود نہیں کیا یہ وہی پھاڑے ہوئے صفحات ہیں؟

ج: میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ وہی ہیں لیکن میں کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں، ۲۱ر جون کو جب میں پہلے پراسیکوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا تو کچھ ایسے صفحات اس نوٹ بک سے پھاڑ دئیے گئے تھے، جن پر نوٹ لکھے ہوئے تھے، ان میں سے کچھ تو نوٹ بک کے پہلے صفحات پر تھے اور کچھ دوسرے صفحات پر۔

چیف جسٹس: آپ کیا مطلب سمجھے ہیں مسٹر سلیم؟

سلیم: (آنریبل چیف جسٹس سے) گواہ نے کل اپنے بیان میں کہا تھا کہ نوٹ بک کے پہلے صفحات ہی پھاڑے گئے تھے اور اب وہ یہ ترمیم کر رہا ہے کہ دوسرے صفحات بھی پھاڑے گئے۔

میاں عبدالعزیز: نہیں مائی لارڈ! گواہ ترمیم نہیں کر رہا، بہاں کل اس نے بیان میں کہا تھا کہ چند پہلے صفحات پھاڑنے کے بعد ایسے صفحات رہنے دئیے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے تھے۔

چیف جسٹس: وہ بیان کیا ہے؟

میاں عبدالعزیز: وہ بیان میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس پر آپ نے گواہ کا کل کا بیان پڑھ کر سنایا۔

سلیم: یہ نوٹ بک جو عدالت میں موجود ہے۔ اس کے متعلق گواہ نے کہا تھا کہ اس کے کچھ صفحات پھاڑے گئے تھے جن پر نوٹ لکھے تھے۔ اس پر باقی نوٹ بک، بالکل خالی رہ گئی تھی۔ گواہ نے مزید کہا تھا کہ اس کے بعد چند تقریریں باقی رہ گئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اصلی نوٹ بک جس میں ۲۸ جون کی تقریر درج تھی، جلا دی گئی تھی تو اس نوٹ بک میں ۱۰ مئی کی تقریر نہ ہوتی، ۲۰ رجون کے بعد کی تقریریں ہونیں؟

چیف جسٹس: مسٹر سلیم: آپ گواہ سے سیدھے سادے سوال دریافت کر کے جواب حاصل کریں

مسٹر سلیم : (گواہ سے) ۳۰ رجون کو جب آپ نے یہ نوٹ بک جعلی بنائی جو آپ کے سامنے موجود ہے، اس دن کے متعلق آپ نے مزید کہا تھا کہ اس میں چند اور بھی شارٹ ہینڈ نوٹ درج تھے جو آپ نے پھاڑ دیئے اور جو نوٹ بک جلادی اس کے چند نوٹ بنا کر اس نوٹ بک میں درج کئے جو عدالت میں موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ ۱۰ رمئی کی تقریر کے نوٹ اس میں نہیں لئے، اب بتایئے کہ ۱۰ رمئی والی تقریر اس میں کیسے آگئی ؟

گواہ : اس نوٹ بک میں جب جعلی نوٹ تیار کئے گئے تو اور بھی تقریروں کے نوٹ تھے جن کی تعداد میں نہیں جانتا۔ اس میں کئی بہت پرانی تقریروں کے نوٹ بھی تھے جنہیں پھاڑ دیا گیا۔ کئی صفحات درمیان سے بھی پھاڑ دیئے گئے، اس طرح سے کئی ایسے صفحات تھے جن پر جگہ اور مقام کا نام نہیں تھا محض تقریروں کے کچھ حصے تھے، ان صفحات کو رہنے دیا گیا۔ ان پر غلہ منڈی لالہ موسیٰ اور ۱۰ رمئی کی تاریخ ڈال دی گئی۔ اس کے بعد غازی سلطان محمود کی تقریر جعلی بنائی گئی، اور اس کے بعد سیّد عطاء اللہ بخاری کی جعلی تقریر بنائی گئی۔

جسٹس رام لال : گویا پوزیشن یہ ہے کہ جس نوٹ بک پر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر بنائی گئی اس پر پہلے بھی کوئی جعلی تقریر بنائی گئی تھی ؟

لدھا رام : جی ہاں! غازی سلطان محمود کی تقریر سیّد عطاء اللہ شاہ سے ایک ماہ پہلے کی تھی۔ اس لئے بخاری کی تقریر اس کے بعد درج کی گئی تاکہ اس کتاب پر کوئی شبہ نہ ہو۔

سلیم : گویا یہ تقریر بھی ۳۰ رجون کو بنائی گئی ؟

گواہ : جی ہاں، اسی روز پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر اس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی۔

سلیم : آپ نے اپنا بیان بدل لیا ہے، اس لئے بتایئے یہ بیان جو آپ نے دیا ہے آخری ہے ؟

مسٹر جسٹس رام لال : (گواہ سے) تم نے پہلے کہا تھا کہ ۳۰ رجون کو یہ تقریر نہیں بنائی گئی تھی، اب کہہ رہے ہو کہ ۳۰ جون کو ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر ان کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی۔ تمہارا یہ بیان قطعی ہے اور اس پر قائم ہو ؟

گواہ : جی ہاں میں اس پر قائم ہوں۔

سلیم : (گواہ سے) کیا آپ اس پر قائم ہیں کہ اس نوٹ بک سے چند نوٹ پھاڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کو موجود رہنے دیتے تو کچھ تاریخوں کا فرق ہو جاتا؟

گواہ : میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت پرانی تقریریں تھیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا وہ صفحات کس مطلب کے لئے پھاڑے گئے، البتہ مطلب ایک ان پڑھ آدمی بھی معلوم کر سکتا ہے۔

سلیم : آپ کہتے ہیں کہ اس نوٹ بک میں آپ نے دوسری تقریروں کے علاوہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور آزاد کی تقریریں بنائیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲۸ جون کو تقریر کی تھی اور دوسری تقریریں ۱۰ مئی کو تھیں، جب ایک ہی جگہ دونوں تقریریں بنا رہے تھے تو یہ کیا بات ہے کہ ۲۸ جون کی تقریریں پہلے صفحوں پر آتی ہیں اور ۱۰ مئی کی بعد میں؟

چیف جسٹس : کیا پولیس اسی طرح بیوقوفی سے تقریریں بناتی ہے؟

گواہ : اس سے بھی زیادہ بیوقوفی سے بناتی ہے۔

چیف جسٹس : اگر پولیس عام طور پر جعلی تقریریں ہی بناتی ہے تو پولیس کو تجربہ ہونا چاہئے۔ وہ اس طرح کی بیوقوفی نہیں کر سکتی؟

میاں عبدالعزیز : گواہ کا بیان ہے کہ پولیس اس سے بھی زیادہ بیوقوفیاں کر سکتی ہے۔ ان ہی بیوقوفیوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقریر بناوٹی ہے۔

دیوان چمن لال : مائی لارڈ پوزیشن تو یہ ہے کہ ۱۰ مئی کی تقریر بعد میں نہیں لکھی ہوئی۔

جسٹس رام لال : یہ مسٹر سلیم کہہ رہے ہیں۔

سلیم : میری پوزیشن یہ ہے کہ اگر ۳۰ جون کو ہی تقریریں بنائی جائیں تو کیونکر پہلے کی تقریر بعد میں آ سکتی ہے؟

جسٹس رام لال : گواہ سے دریافت کیجئے کہ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ نوٹ بک پر ۱۰ مئی کی تقریر ۲۸ جون کے بعد درج ہوئی ہے؟

گواہ : میں یہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں، گواہ نے نوٹ بک دیکھ کر کہا۔ جی ہاں ۲۸ جون کی تقریر اس تقریر سے پہلے درج ہے جو ۱۰ مئی کو ہوئی۔

مسٹر سلیم : کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ اس کی وجہ کے متعلق کوئی تشریح دے سکتے ہیں ؟

ج : نہیں میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

مسٹر سلیم : آپ نے ایک تقریر اس نوٹ بک میں لکھی جو ۹ جولائی کو کی گئی جو ان ورقوں پر جو میرے ہاتھ میں ہیں درج ہے ان کے نمبر ۱ سے ۱۶ تک ہیں؟ **گواہ** : جی ہاں یہ ایسا ہی ہے اور میں نے ہی انہیں لکھا تھا۔

مسٹر سلیم : کیا یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی کتاب سے نکالے گئے ہیں جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر درج کی گئی ہے ؟ گواہ : نہیں

مسٹر سلیم : (مجسٹریٹ کے دستخط دکھا کر) کیا ان دستخطوں کو دیکھ کر بھی آپ یہی کہتے ہیں ؟

گواہ : جی ہاں اس کے باوجود میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب سے نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم : اب دیکھئے اس نوٹ بک کا آخری صفحہ ۷۵ ہے اور اس پر ایک مجسٹریٹ کے دستخط ہیں کہ ۱ سے ۱۱ تک کے صفحات کی حکیم مان سنگھ کے مقدمہ میں ضرورت ہے اس لئے انہیں پھاڑ گیا۔ کیا اس پر بھی آپ یقین سے کہتے ہیں کہ یہ صفحات اس نوٹ بک سے نہیں پھاڑے گئے ؟

گواہ : جی ہاں میں اب یقین سے کہتا ہوں کہ اس نوٹ بک سے یہ صفحات نہیں پھاڑے گئے۔

سلیم : میری پوزیشن یہ ہے کہ آپ اس واسطے یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ ۱۰ مئی کی تقریر آپ نے ۲۸ جون کے بعد کیوں درج کی، کیا یہ درست ہے ؟

ج : نہیں میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ نوٹ بک اور تین چار اور نوٹ بکیں میرے بکس میں تھیں یہ نوٹ بک حکیم مان سنگھ کی تقریر کے متعلق تھی۔ اس پر گواہوں کے دستخط نہیں تھے۔ یہ بکس میں گجرات میں اپنے صندوق میں چھوڑ آیا تھا جس کا میں نے کل ذکر کیا تھا۔

میاں عبدالعزیز کا اعتراض

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ! اگر استغاثہ کا یہ کیس ہے کہ یہ نوٹ بک جو عدالت میں پیش کی گئی ہے اور جس پر ۱۰ مئی کی تقریر ۲۸ جون کے بعد درج ہے درست ہے اور یہ پھاڑے ہوئے صفحات اسی میں سے لئے گئے ہیں تو یہ دلیل بجائے خود ثابت کرتی ہے

کہ یہ ڈائری بنا دی ہے ، کیونکہ طریقہ کے مطابق یہ تقریر بعد میں ہونی چاہئے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یا تو ۱۰ مئی والی تقریر بنا دی ہے یا ۲۸ جون والی !

مسٹر جسٹس رام لال : لیکن اس پر ایک مجسٹریٹ کی بھی تصدیق ہے جس نے دستخط کئے کہ یہ صفحات اس ڈائری سے لئے گئے۔ لدھا رام کے اس بیان کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مجسٹریٹ بددیانت تھا یا اس سے دھوکا کیا گیا؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ ! میں مجسٹریٹ کو بددیانت نہیں کہتا ، عام طور پر ایسا ہوتا ہے ، کہ پولیس والے مجسٹریٹ کو جو کچھ بتاتے ہیں اسے مان کر مجسٹریٹ دستخط کر دیتا ہے۔

جسٹس رام لال : نہیں مسٹر عبدالعزیز اب بھی یہی سوال ہے کہ کیا مجسٹریٹ نے بددیانتی کی یا اس سے دھوکا کیا گیا ۔ آپ کا بیان ہے کہ مجسٹریٹ کو آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے ۔ آپ دونوں میں سے ایک بات کیوں نہیں سمجھتے ؟

ج : مائی لارڈ ! میری یہی پوزیشن ہے کہ مجسٹریٹ سے دھوکا کیا گیا ۔

جسٹس رام لال : (لدھا رام سے) کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پولیس نے تمہارے بکس میں سے ایک نوٹ بک نکال کر چند صفحات پھاڑ لئے اور اس پر غلط اندراج کر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرائے اور تصدیق کے دستخط کرائے ؟

لدھا رام : جی ہاں ۔ میری یہی پوزیشن ہے

سلیم : یہ بیان آپ اپنے علم سے کہہ رہے ہیں یا آپ کا خیال ہے ؟

ج : میں اپنے خیال سے کہتا ہوں ۔

جسٹس رام لال : (گواہ سے) یہ صفحات جو ہمارے سامنے ہیں صفحہ ۱ سے شروع ہوتے ہیں اور کتاب کا آخری صفحہ ۷ ہے ۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ اتفاق سے ہو گیا ہے ؟

ج : جی ہاں یہ اتفاق ہی ہے۔

س : سلیم : کیا یہ بھی اتفاق ہے کہ جب میں نے غازی سلطان محمود کی تقریر کے متعلق چند صفحات جو ۱۲ سے شروع ہوتے ہیں ان پر ایک مجسٹریٹ کی تصدیق دکھائی تھی اور کتاب میں صفحہ کا نمبر ۱۱۱ دکھایا تھا ؟

لدھا رام : ممکن ہے اتفاق ہی ہو ۔

میاں عبدالعزیز کی درخواست

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے فاضل ججان سے درخواست کی کہ گواہ کے بیان کے مطابق جن کتابوں سے یہ صفحے پھاڑے گئے وہ عدالت میں پیش کی جائیں۔

جسٹس رام لال: وہ یہاں ہی ہیں۔ آپ کو جب جوابی جرح کے لئے ضرورت ہو گی آپ دیکھ سکتے ہیں۔

مسٹر سلیم: (گواہ سے) ۲۰ جون کو جب آپ نے جعلی تقریریں بنانی شروع کیں۔ آپ نے اس کے متعلق کہا تھا کہ اس کتاب میں کچھ صفحے پہلے لکھے ہوئے تھے جو پھاڑ دیئے گئے۔ کیا اس میں کچھ کاغذ خالی رہ گئے تھے۔ ج: جی ہاں! کچھ تقریروں کے نوٹ رہ گئے تھے۔

س: وہ کن تقریروں کے نوٹ تھے؟

ج: مجھے یاد نہیں۔

س: انہیں کیوں رہنے دیا گیا؟

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو معلوم ہو گا۔

سلیم: گویا آپ کو کچھ بھی نہیں پتہ کہ انہیں کیوں پھاڑا گیا؟

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو پتہ ہو گا۔ میں جونیئر ملازم ہوں، مجھے کیا پتہ ہو سکتا ہے؟

سلیم: آپ نے کل بتایا تھا کہ کاغذ پھاڑنے کے بعد باقی سارے صفحات خالی رہ گئے تھے؟

میاں عبدالعزیز: (فاضل ججان سے) مگر مائی لارڈ اس نے بعد میں ہی کہا تھا کہ چند صفحات لکھے ہوئے رہ گئے تھے۔ اور یہ اس نے اور سوال میں واضح کر دیا۔

سلیم: (گواہ سے) میں اس سوال کا جواب مختصر چاہتا ہوں کہ آپ نے کل میرے سوال کے جواب میں کیوں کہا تھا کہ باقی صفحات خالی رہ گئے تھے؟

گواہ: میرا یہ مطلب تھا کہ ان صفحات کے ایک طرف لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف خالی تھے۔

سلیم: کل آپ نے کہا تھا کہ ۱۸ر نومبر کو میں نے تقریر کے لانگ ہینڈ نوٹ گواہوں کو پڑھ کر سنائے اور انہوں نے نوٹ لکھ لئے۔ اگر آپ نے ۲۸ر جون کو شہادت دی ہوتی تو کیا آپ کی منشا تھی کہ استغاثہ

کی تائید کرتے ؟

میاں عبدالعزیز : مسٹر سلیم ! اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ گواہوں کو نوٹ پڑھ کر سنائے گئے۔ اس نے کہا تھا کہ انہوں نے نوٹ لکھائے۔

چیف جسٹس : تم سمجھتے ہو کہ یہ لانگ ہینڈ نوٹ جعلی تھے۔ سوال یہ ہے کہ تم نے گواہوں کو بتلا دیا تھا کہ یہ تقریروں کے جعلی نوٹ ہیں ؟

گواہ : جی ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ نوٹ جعلی ہیں اور وہ نہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ نوٹ جعلی ہیں بلکہ محض یہ کہا کہ یہ وہ نوٹ نہیں۔

جسٹس رام لال : تم نے جعلی کیوں نہ کہا ؟

گواہ : اگر میں کہتا تو وہ ڈر جاتے۔

سلیم : اگر اس روز مقدمہ ملتوی نہ ہوتا تو کیا آپ استغاثہ کی تائید کرتے ؟

گواہ : میں سچ سچ کہہ دیتا ہوں۔ سلیم : گواہوں کو کیوں نہیں کہا تھا ؟

گواہ : اگر گواہوں سے کہتا تو پولیس نہ معلوم مجھ سے کیا سلوک کرتی ؟

چیف جسٹس : کیا یہ گواہ اس وقت موجود تھے جب تقریر ہوئی تھی ؟

گواہ : بعد میں مجھے ملے تھے۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ تقریر شروع ہونے والی تھی، اس لئے میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

چیف جسٹس : کیا تمہیں مکمل طور پر یاد نہیں وہ جلسے میں تھے یا نہیں ؟

گواہ : مجھے جلسے سے چند قدم کے فاصلے پر جلسے کے بعد مل گئے تھے۔

چیف جسٹس : کیا ان گواہوں کو معلوم تھا کہ تم جو کچھ لکھ رہے ہو وہ درست ہے یا نہیں ؟

گواہ : جی ہاں انہیں معلوم تھا کہ یہ نوٹ درست نہیں، یہاں تک کہ مقبول حسین نے کہا تھا، کہ اگر روٹی کا سوال نہ ہو تو میں ایسا نہ کروں۔

سلیم : آپ نے کہا ہے کہ ۱۸ نومبر کو اگر کارروائی ملتوی نہ ہوتی تو میں سچائی ظاہر کر دیتا، تو پھر آپ نے

سچ بولنے کا فیصلہ کب کیا ؟

گواہ : جب گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ چلانے کی منظوری دی گئی ۔ اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں سچ کہوں گا ۔

سلیم : آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا ، میں پہلے بھی کئی مقدموں میں جھوٹی شہادتیں دے چکا ہوں ؟

گواہ : جی ہاں ۔

جسٹس رام لال : اس ہائی کورٹ کے سوا تم نے کسی اور جگہ کبھی سچی شہادت دی ؟ (قہقہہ)

اس مرحلے پر گواہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر کہا ، ہر ایک شخص جانتا ہے کہ محکمہ پولیس میں جھوٹ سے ہی کام لیا جاتا ہے ۔

چیف جسٹس : یہ کہہ کر تم اپنے آپ کو بہت بڑا جھوٹ بولنے والا بیان کر رہے ہو (قہقہہ)

گواہ : اگر میں ایسا ہوتا تو یہاں آکر سچ نہ بولتا ۔

سلیم : تم یہ مانتے ہو کہ تم پہلے مقدمات میں جھوٹ بولتے رہے ہو تو اس مقدمے میں سچ بولنے کا ارادہ کیوں کیا ؟

گواہ : پہلے مقدمات بالکل معمولی بنائے جاتے تھے ، مثلاً دفعہ ۱۰۸ یا ۱۵۳ ۔ لیکن اس مقدمے میں ۱۲۱ ۔ ۳۰۲ ۔ ۱۱۷ ۔ ۳ھا دفعات بنائی گئی ہیں ۔ جب میں نے یہ دیکھا تو سوچا کہ اس طرح تو ملزم ساری عمر جیل میں سڑے گا ۔ یہ الزامات نہایت سنگین بنائے گئے ہیں اس لئے میں نے سچ بولنے کا ارادہ کیا تھا ۔

سلیم : آپ کو معلوم ہے کہ مقدمے کی منظوری کب دی گئی ؟

گواہ : مجھے ٹھیک یاد نہیں ، غالباً ستمبر میں میں نے فیصلہ کیا تھا ۔

سلیم : جب آپ نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت مقدمہ کی کوئی تاریخ مقرر ہوئی تھی یا نہیں ۔

گواہ : نہیں ۔ میں نے مقدمہ کی سماعت سے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا ۔

خفیہ رجسٹر

سلیم : اس مقدمے کی جو چٹھیاں تھیں وہ سب کی سب آپ نے نقل کر لیں یا چند ایک کی ہی نقل کیا ؟

ج : اور بھی کئی خط تھے جن کی نقلیں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خفیہ رجسٹر میں ہیں۔

جسٹس رام لال : اس رجسٹر کا نام کیا ہے؟

ج : خفیہ رجسٹر۔

چیف جسٹس : کیا اس پر لکھا ہے کہ خفیہ رجسٹر ہے؟

ج : اس پر ایک ٹائپ شدہ چٹ لگی ہوئی ہے جس پر لفظ خفیہ رجسٹر لکھا ہوا ہے۔

سلیم : ایک ہی رجسٹر تھا یا کئی تھے؟

ج : کئی ایک رجسٹر تھے۔ جو رجسٹر میں نے دیکھا وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ریڈر کے پاس تھا۔

سلیم : کیا وہ ایک ہی رجسٹر رکھتا ہے؟

ج : یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی مرضی پر منحصر ہے، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س : آپ نے جس رجسٹر سے نقل کی وہ ایک ہی تھا؟

ج : جی ہاں میں نے جس رجسٹر سے نقل کی وہ ایک ہی تھا۔

س : اگر آپ کو وہ رجسٹر دکھایا جائے تو پہچان لوگے؟

ج : جی ہاں!

س : اس کی پہچان کیا ہے؟

ج : یہ رجسٹر سفید فل اسکیپ کے کاغذوں سے بنا ہوا ہے اور مجلد ہے۔ اس پر سبز رنگ کی جاپانی چھینٹ ہے۔ اس پر مسٹر سلیم نے ایک رجسٹر اسسٹنٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر گجرات سے جو ان کے نزدیک ہی بیٹھے تھے لے کر گواہ کو دکھایا اور پوچھا کہ کیا یہی وہ رجسٹر ہے؟

رجسٹر ہے ہی نہیں

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے اٹھ کر فاضل ججان سے کہا۔ میری درخواست ہے کہ یہ رجسٹر بہت مفید ہے، لیکن اسے ایک پراسیکیوٹنگ انسپکٹر یہاں لایا ہے۔ یہاں پر رجسٹر مکمل حالت میں ہے،

اس پر کوئی کور نہیں نہ ہی سر مہر ہے یہ کیسے خفیہ رجسٹر ہو سکتا ہے؟

چیف جسٹس : ہم نے اسے ابھی دیکھا ہے، اس میں وزیر اعظم کا کوئی خط نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : کیا یہ وہی خفیہ رجسٹر ہے جو آپ نے طلب کیا تھا؟

چیف جسٹس : استغاثہ کی پوزیشن میرے خیال میں یہ ہے کہ گواہ نے جس رجسٹر کا ذکر کیا ہے، وہ ہے ہی نہیں اور آپ کو اس پوزیشن کا علم ہونا چاہئے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ پولیس یہ آکر کہے گی، کہ اس کے پاس وزیر اعظم کا وہ رجسٹر ہے، جس میں وزیر اعظم کے اس خط کی وہ نقل موجود ہے، جس میں پولیس کو ایک خلاف قانون بات کرنے کو کہا گیا؟

میاں عبدالعزیز : مجھے اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس مطلب کا کوئی بیان ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا رجسٹر ضرور ہوتا ہو گا، جس میں بڑے افسروں کی چٹھیوں کے اقتباسات رکھے جاتے ہوں گے۔ مسٹر سلیم نے عدالت کے استفسار پر پراسیکیوٹنگ افسر سے دریافت کر کے (جو عدالت میں موجود تھا) بتایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ اس قسم کا کوئی رجسٹر موجود نہیں ہے۔

چیف جسٹس : (میاں عبدالعزیز) اگر بہ فرض محال کوئی چٹھی وزیر اعظم کی طرف سے وصول بھی ہوئی ہو، تو اس خطرناک چٹھی کی نقل رکھنے سے کیا مقصد، اس چٹھی کو ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ! میں اس مرحلے پر زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس گواہی دینے کے لئے آ رہے ہیں۔

خط کہاں رکھے جاتے ہیں؟

چیف جسٹس : مسٹر سلیم! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ خفیہ خطوط کہاں رکھے جاتے ہیں؟

مسٹر سلیم : ان کا ذکر اس رجسٹر میں جو عدالت میں موجود ہے ہوتا ہے۔

چیف جسٹس : ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ خطوط جو خفیہ نوعیت کے ہوتے ہیں کہاں رکھے جاتے ہیں؟

عبدالعزیز : مائی لارڈ! پولیس کا محکمہ انتظامیہ ہے۔ اس میں کئی خفیہ ہدایات ہوتی ہیں۔ آپ کا محکمہ

جوڈیشل ہے۔ آپ کوئی بات خفیہ نہیں رکھتے۔

چیف جسٹس۔ مگر ایسے خطوط کی نقل تو ہونی چاہئیے۔ ہم تو ہر چیز واضح رکھتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز: مگر مائی لارڈ! آپ دوسروں کے متعلق اپنی ذات کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں۔

چیف جسٹس: ہم سب کچھ دریافت کریں گے۔

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! اسی کی تو مجھے آپ کی ذات سے توقع ہے۔

چیف جسٹس: مسٹر سلیم! کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ گجرات کے تھانہ میں کوئی ایک رجسٹر نہیں جس میں وہ خفیہ خطوط ہوں جو سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس رہتے ہوں؟

رپورٹنگ سسٹم

اس مرحلہ پر چیف جسٹس نے پوچھا کہ حکومت رپورٹنگ کے سسٹم کو بہتر نہیں بنا سکتی؟ تاکہ اس قسم کے الزامات کی نوبت ہی نہ آسکے۔

جسٹس رام لال: آج سے کچھ سال پہلے تو یہ سسٹم تھا کہ نوٹ بکیں رپورٹر کو دی جاتی تھیں، تو ان کا باقاعدہ اندراج کیا جاتا تھا، صفحے لگا کر دئے جاتے تھے۔ پھر جب تقریر رپورٹ ہو جاتی تھی تو اس نوٹ کو سربمہر کر دیا جاتا تھا۔

چیف جسٹس: یہ سسٹم اچھا تھا حکومت کو یہ سسٹم ضلع میں بھی رائج کرنا پڑے گا۔

سلیم: مائی لارڈ! یہ ٹھیک ہے (گواہ سے) جو چٹھیاں آپ نے اس مقدمہ میں نقل کی تھیں، یا باقی جو چٹھیاں آپ نے رجسٹر میں دیکھیں انہیں بھی نقل کیا؟

گواہ: نہیں۔ دوسری چٹھیاں پہلے مقدمات کے متعلق تھیں۔

پرسنل اسسٹنٹ کا خط

سلیم: جب آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ سچ بولیں گے تو اس سے پہلے ان چٹھیوں کی نقلیں آپ کے پاس تھیں؟

گواہ : جی ہاں۔ میں نے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق اپنے پاس رکھی تھیں

چیف جسٹس ، اگر یہ خط درست ہے تو یہ خط سپرنٹنڈنٹ پولیس نے وزیراعظم کے پرسنل اسسٹنٹ کو لکھا کہ تقریروں کے نوٹ بنائے گئے ہیں ۔ لیکن یہ وزیراعظم کا خط نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : جی ہاں یہ اس خط کی نقل ہے جو پرسنل اسسٹنٹ وزیراعظم کو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے لکھا ۔ اس پر گواہ نے ایک نقل دکھائی جس میں ہدایت تھی کہ کسی باعتبار رپورٹر کو کہو کہ اس کی تقریر نوٹ کرکے آپ کے سامنے پیش کرے ، ممکن ہو تو بہت کثاده الفاظ لکھے جائیں ۔

سلیم ، یہ نقلیں لینے اور انہیں اپنے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟

ج : میں دوسرے مقدمات میں بھی یہی کرتا تھا ۔

سلیم : آپ نے بیان کیا ہے کہ کچھ اور خط دیکھے ' ان کی نقلیں کیوں نہیں رکھیں ؟

گواہ : میں نے ان کی نقلیں نہیں لیں ، کیونکہ ان کا مطلب حل ہو چکا تھا ۔ یہ ۱۹۳۸ء میں لکھی گئی تھیں ، اور ان کا وقت گذر چکا تھا ۔

سلیم : کیا ان کا کام ختم ہو چکا تھا ؟

گواہ : نہیں

سلیم : تو پھر آپ نے انہیں کیوں نقل نہیں کیا ؟

گواہ : وہ میرے متعلق نہیں تھیں ۔

جسٹس رام لال : وہ بھی تو سید عطاءاللہ شاہ بخاری کے کیس کے متعلق تھیں ، پھر تم نے انہیں نقل کیوں نہیں کیا ؟

گواہ : وہ کام کسی اور کو کرنا تھا ۔

سلیم : جب تمہیں پتہ تھا کہ وہ تمہارے متعلق نہیں تھیں تو پھر کیوں دیکھا ؟

گواہ : میں ریڈر کے پاس جاتا تھا جس پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ہدایت دیتے تھے کہ اسے دکھاؤ۔ ریڈر مجھے رجسٹر دے دیتا تھا اور پراسیکیوٹنگ انسپکٹر دوسرے کمرے میں چلے جاتے تھے اس لئے میں دوسرے مضمون بھی دیکھ لیتا تھا ۔

بادل کس پر برسے گا

سلیم : آپ دوسرے خطوط کیوں دیکھتے تھے ؟

گواہ : اس لئے کہ یہ بادل مجھ پر برسنے والا ہے یا کسی اور پر ؟ (قہقہہ)

سلیم : جس وقت آپ نے یہ نقلیں کی تھیں آپ کا ان کو استعمال کرنے کا ارادہ تھا یا نہیں ؟

ج : میرا کوئی خیال نہیں تھا کہ ان کا عدالت میں استعمال ہو سکتا ہے ۔

س : جب آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اس مقدمہ میں سچ بولوں گا تو کیا کسی کو بتایا کہ آپ اس مقدمہ میں جھوٹی شہادت نہیں دیں گے ؟

ج : میں نے کسی کو نہیں بتایا ۔

س : جب آپ نے شہادت دی تھی اس وقت کسی کو بتا چکے تھے کہ میں جھوٹی شہادت نہیں دونگا؟

گواہ : میں استعفا لکھ چکا تھا ۔

سلیم : میرا مطلب یہ ہے کہ کیا کسی کو بتا چکے تھے ؟

گواہ : نہیں ، لیکن میں نے استعفا لکھ دیا تھا ۔ اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز کچھ کہنے کے لئے اٹھے لیکن چیف جسٹس نے کہا : مسٹر عبدالعزیز سلیم ابھی سوال دریافت کر رہے ہیں ابھی آپ کی ضرورت نہیں اس پر میاں عبدالعزیز بیٹھ گئے اور مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی ۔

مسٹر سلیم : (گواہ سے) کیا تم نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے ؟

ج : ایسا کون تھا جس کو بتاتا ؟

س : گویا جس دن آپ پیش ہوئے اس دن شاہ صاحب اور ان کے وکیلوں کو معلوم نہیں تھا کہ آپ استغاثہ کی حمایت میں شہادت نہیں دیں گے ؟

گواہ : میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں ؟

جسٹس رام لال : جہاں تک تمہیں علم ہے کیا شاہ صاحب اور ان کے وکیلوں کو معلوم نہیں تھا ، کہ

تم جھوٹی شہادت نہیں دو گے ۔ گواہ : نہیں ۔

چیف جسٹس : کیا تم اتنی دیر سوچتے رہے کہ یہ سچ بولوں یا نہیں ؟ (قہقہہ)

گواہ : میں محض سوال کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں ۔

سلیم : عدالت میں شہادت دینے سے پہلے کیا آپ نے کسی کو کہا تھا کہ میں استغاثہ کے حق میں شہادت نہیں دوں گا ؟

گواہ : نہیں ۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا ۔

سلیم : شہادت دینے سے پہلے خطوط کی یہ نقلیں جو عدالت میں پیش ہیں کیا آپ کے پاس تھیں ؟

گواہ : جی ہاں یہ میرے پاس تھیں ؟

سلیم : یہ نقلیں آپ کے پاس کب سے تھیں ؟

ج : جس دن میں نے ۱۸ دسمبر کو استعفٰی لکھا تھا ، اس دن سے میری جیب میں ہیں تاکہ تسلی رہے ۔

سلیم : جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے چند کاغذات دیوان چمن لال کو دیئے ، وہ کیا تھے ؟

گواہ : وہ ایک رقعہ تھا ۔

سلیم : (ایک کاغذ دکھا کر) کیا یہی ہے ؟ گواہ : جی ہاں ۔

سلیم : کیا اس سلسلے میں شہادت سے پہلے ان سے ملے تھے ؟

گواہ : نہیں میں نے یہ چٹھی بھی عدالت کے کمرے میں لکھی تھی ۔ اس مرحلے پر جسٹس رام لال نے گواہ کا پہلا بیان پڑھ کر سنایا جو کہ اسی واقعہ کے متعلق تھا ۔

سلیم : آپ نے تو پہلے کہا تھا کہ آپ نے سارے کاغذات دیوان چمن لال کو دے دیئے ہیں ؟

گواہ : نہیں ۔

لنچ کے بعد بھی مسٹر سلیم نے جرح جاری رکھی ۔ آپ نے گواہ سے دریافت کیا : آپ نے گجرات میں اے ڈی ایم کی عدالت میں شہادت دی ؟ کیا یہ درست ہے گجرات میں ٹیکسی پر پہنچے ؟

ج : جی ہاں میں لاہور سے ٹیکسی پر آیا۔

س : کیا کرایہ ادا کیا ؟

ج : جی ہاں ادا کیا۔ میں نے ۲۵ روپے ادا کئے ۔

س : یہ روپے اپنی جیب سے خرچ کئے یا کسی سے لے کر ؟

ج : اپنی جیب سے ۔

س : یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ استعفاء دینے والے تھے اور آپ کی ملازمت ختم ہو جائے گی آپ نے کیوں یہ خرچ کیا ؟

ج : ملازمت کے وقت بھی میں گھر سے اپنے اخراجات کے لئے روپیہ منگوا لیتا تھا۔

س : اگر ٹرین کے ذریعے آتے تو کتنا صرف ہوتا ؟

ج : بارہ آنے۔

س : ٹیکسی سے کیوں سفر کیا ؟

ج : ۸ جنوری کو مجھے ریلوے اسٹیشن پر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ جہلم سے تمہارے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے ہیں۔ تمہارے گھر ایک سپاہی بھیج دیا ہے جو تعمیل کے لئے یہیں لائیگا، اسے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وارنٹ تعمیل کے بغیر ہی لے آئے۔ اس لئے فکر نہ کرنا ۔ س : وارنٹ کس مطلب کا تھا ؟

ج : احمد دین کے مقدمے کے خلاف مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ لمبا ہو رہا ہے۔ اس لئے ہم نے تمہارے خلاف وارنٹ جاری کرائے ہیں، تاکہ عدالت کو دکھایا جاسکے ، کہ ہم اس مقدمے کے متعلق کس قدر محنت سے کام لے رہے ہیں ؟

س : یہ وجہ تسلی بخش نہیں ، میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے ٹرین سے سفر کیوں نہیں کیا ؟

ج : پولیس کے ڈر سے ۔

س : ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا تھا کہ کوئی فکر نہ کرو ۔

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے یہ بھی کہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ جونہی چھٹی ملے فوراً چلے جاؤ تاکہ

تمہاری غیر حاضری میں جعلی ڈائری تیار کی جائے ۔

س : ٹیکسی کے لئے روپیہ کس سے لیا تھا ؟ باپ سے یا ماں سے ؟

ج : میں اپنے والد سے روپیہ منگواتا تھا ۔

س : آپ کے والد کیا کام کرتے ہیں ؟

ج : زمینوں کی پٹہ داری کرتے ہیں ۔

جسٹس رام لال : آج کتنی زمین آپ کے باپ نے پٹے پر لی ہوئی ہے ؟

ج : قریباً آٹھ یا نو مربع زمین ۔

جسٹس رام لال : اس کے سوا آمدنی کا اور کیا ذریعہ ہے ؟

گواہ : گاؤں میں اپنی دکان بھی ہے ۔

س : تو گویا تم اپنی آمدنی سے دس بارہ روپے زیادہ بھی خرچ کرتے تھے ؟

ج : جی ہاں ،

س : پھر لاری پہ کیوں نہ گئے ، ٹیکسی پر کیوں گئے ؟

ج : لاری ایک تو وقت پر نہیں پہنچتی ، دوسرے خیال یہ تھا کہ ٹیکسی عدالت کے دروازے پر لے جائے گی ۔

س : جب یہاں شہادت کے لئے آئے کہاں سے آئے ؟

ج : ہردوار سے آیا ۔

س : ہردوار کتنا عرصہ رہے ؟

ج : ڈیڑھ دو ماہ رہا ۔

س : ماتحت عدالت میں شہادت دینے کے بعد ہردوار چلے گئے ؟

ج : جی ہاں ۔ س : فوراً چلے گئے ؟

ج : نہیں ۔ شہادت دینے کے دوسرے دن ۔

س : کب واپس آئے ؟

ج : کل ہی صبح کی گاڑی پر ۔

س : اس دوست کو جس کا نام آپ نہیں جانتے اور جسے آپ خواجہ کہتے ہیں وہ آپ کو ہردوار میں ملا تھا یا کسی اور جگہ ؟

گواہ : نہیں مجھے لاہور میں ملا تھا ۔

سلیم : تو آپ اس سے پہلے اسے نہیں جانتے تھے ؟

گواہ : جانتا ہوں ۔ س : کب سے ؟

گواہ : بیس پچیس روز سے ۔

س : آپ کہتے ہیں کہ آپ ہردوار میں ہی ڈیڑھ دو ماہ رہے پھر وہ آپ سے کب ملا ؟

ج : وہ ایک محکمہ میں ملازم ہے اور ہردوار کی طرف ہی ملازم ہے ۔

س : تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو وہاں ہی ملا ۔

ج : جی ہاں ریلوے اسٹیشن پر ملا ۔ وہ ہردوار کے نزدیک ایک اسٹیشن پر ملازم ہے ، نیکن پنجاب کا رہنے والا ہے ۔

س : اس سے کب واقفیت ہوئی ؟

ج : اکثر وہاں ملتا رہتا تھا ۔

س : وہ کس اسٹیشن پر ملازمت کرتا ہے ؟

ج : اس نے مجھے رڑکے سی اسٹیشن بتایا تھا ۔

س : کیا وہ ہردوار سے آپ کے ساتھ آیا ؟

ج : نہیں وہ پہلے چھٹی پر لاہور آیا تھا ۔

س : جب آپ یہاں آئے تو کیا آپ نے اس سے ملنے کا وقت مقرر کر لیا تھا ۔

ج : میں نے اسے کہا تھا کہ ہائی کورٹ میں میری شہادت ہوگی ، اس لئے وقتاً فوقتاً پتہ کرتے رہنا

جسٹس رام لال : گویا تم اخبار پڑھتے رہے کہ تم نے مقدمہ میں پیش ہونا ہے ؟

گواہ : جی ہاں !

سلیم : کیا آپ نے خواجہ کو کہا تھا کہ وہ آپ کو بتلائے کہ وہ ——— اس مقدمہ میں آپ کی شہادت کب ہو گی ؟ گواہ : نہیں

س : ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ میں نے اسے کہا تھا کہ میرا خیال رکھنا کہ میری شہادت کب ہو گی ؟

گواہ : نہیں میں نے محض یہ کہا تھا کہ وہ دیکھے کہ میری شہادت کب ہو گی ۔

س : کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ تمہیں ملے ۔ ج : نہیں

س : کیا آپ نے عام طور پر لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ میں ہردوار جا رہا ہوں ؟

ج : میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا میں تو اپنی جان بچا کر جا رہا تھا ۔

س : آج آپ نے بیان دیا ہے کہ جب ستمبر میں مجھے معلوم ہوا کہ ملزم کے خلاف مقدمہ چلایا جانے والا ہے تو میں نے فیصلہ کیا ۔ کہ سچ بولوں گا لیکن ماتحت مجسٹریٹ کی عدالت میں کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ ایک بے گناہ کو پھنسایا جا رہا ہے تو سچ بولنے کا فیصلہ کیا ۔ ان دونوں بیانات میں سے کونسا درست ہے ؟

ج : مجھے ہمیشہ یہ خیال آتا رہتا تھا کہ سچ بولوں ۔

س : (چند کاغذات دکھا کر) آپ نے جو لانگ ہینڈ نوٹ تیار کئے تھے کیا یہ اسی کی کاپی ہے ؟

ج : جی ہاں !

س : اس کا اصل کہاں ہے ؟

ج : میں کہہ چکا ہوں کہ اصل پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس ہے ۔

س : سوال یہ ہے کہ جب اصل لانگ ہینڈ نوٹ جو آپ نے کل کے بیان کے مطابق خط کشیدہ کر کے ——— دکھایا تھا اور اسے دیکھنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ریڈر کو دے دیا تھا تو کیا اسے دوبارہ دیکھا تھا ؟

ج : نہیں میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا ۔

س : آپ کہتے ہیں کہ کورٹ انسپکٹر نے کہا تھا کہ اس کی نئی کاپی بنائی جائے تاکہ اس پر گواہوں کے

دستخط کرائے جائیں۔ یہ کب ہوا ؟

ج : ۲۸ر دسمبر کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر ۔

س : اس وقت اس کے پاس اصل نہیں تھے ؟

ج : نہیں مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا ۔

س : کیا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کا اصل کہاں ہے ؟

ج : یہ سوال پیدا ہوا تھا ۔

س : انہوں نے کیا کہا تھا کہ اصل کہاں ہے ؟

ج : انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت موجود نہیں، اگر ہوتا تو نقل بنالی جاتی، تھانہ میں ریڈر کے پاس کل تمہاری حاضری ہے اس لئے واپس ہو جاؤ ۔

س : تو پھر اصل کو نئے سرے سے بنانے اور گواہوں کے دستخط بنانے کی تجویز کیوں رہ گئی ۔ کیوں اس پر عمل نہیں کیا گیا ؟

ج : میں نے فیصلہ کیا تھا کہ سچی شہادت دوں گا ۔ اس لئے میں کتراتا تھا کہ نقل نہ بنائی جائے ۔

س : کیا آپ نے کورٹ انسپکٹر کو کہا تھا کہ میں یہ کرنے کے لئے تیار نہیں ؟

ج : میں نے نہیں کہا تھا ۔

س : کیا کہا تھا کہ میں آمادہ ہوں ؟

ج : میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتا گیا ۔ میں منہ سے تو ہاں کرتا رہا، لیکن دل سے رضامند نہیں تھا ۔

س : تو ۲۸ر دسمبر کو کیا فیصلہ ہوا تھا ؟ ج : یہ کہ میں واپس چلا جاؤں ۔

س : تو پھر کب تیار کی جانی تھی ۔ ج : دو چار دن کے بعد

س : کیا پھر اس کے متعلق آپ کو بتایا گیا ؟

ج : مجھے پتہ نہیں کیونکہ میں گاؤں میں نہیں تھا ۔

س : کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اصل آپ نے تلف کیا ؟

ج : نہیں یہ درست نہیں ۔

س : جب آپ ماتحت عدالت میں شہادت دینے کے لئے آئے کیا آپ سے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے پوچھا کہ اصل کہاں ہے ؟

ج : نہیں مجھ سے نہیں پوچھا ۔

س : عدالت میں پیش ہونے سے پہلے بھی نہیں پوچھا گیا ؟ ج : نہیں ۔

س : کیا کورٹ انسپکٹر کو امید تھی کہ آپ استغاثہ کی طرف سے شہادت دیں گے ۔ اور آپ نے اصل بھی تیار کر لی ہے ؟

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے کہا کہ میں نے اپنی جرح ختم کر لی ہے ۔

میاں عبدالعزیز کی جرح

مسٹر سلیم کی جرح کے بعد صفائی کے چیف وکیل میاں عبدالعزیز نے فاضل مجان کی اجازت سے جرح شروع کی : عبدالعزیز : کیا آپ ۱۱ مئی کو حاضر عدالت ہوئے تھے ؟

ج : جی ہاں ۔

س : کیا جنوری سے پہلے آپ نے رخصت لی ہوئی تھی ۔ یہ رخصت کب ختم ہوئی ؟

ج : جی ہاں ! یہ رخصت ۳ ر دسمبر کو ختم ہوئی ۔

س : پھر ۳ دسمبر کو کتنی چھٹی ملی ۔ ج : پندرہ دن

س : ۱۸ ر دسمبر کے بعد یعنی یہ رخصت ختم ہونے پر پھر کب اور کتنی رخصت لی ؟

ج : ۱۸ ر دسمبر کو بذریعہ تار دس دن کی چھٹی لی ۔ یہ رخصت ۲۸ دسمبر کو ختم ہو گئی ۔ ایک اور سوال کے کے جواب میں بتایا کہ رخصت ختم ہونے پر گجرات روانہ ہوا ۔ اس روز مجھے پھر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے کہا کہ چھٹی لے لو ۔ انہوں نے کہا تھا کہ دس دن کی چھٹی لے لو اور یہاں سے چلے جاؤ ۔ ۸ ر جنوری کو رخصت ختم ہوئی تو میں ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے لئے ٹرین کے ذریعے لاہور سے گجرات گیا ، جب وزیر آباد پہنچا تو

مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ملا ملنے کے وقت میں ٹرین پر ہی تھا۔

س : لاہور سے کہاں کا ٹکٹ تھا ؟

ج : گجرات سے مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد سے ہی کہہ دیا تھا کہ واپس لاہور چلے جاؤ۔

اس مرحلے پر میاں عبدالعزیز نے کہا، ہمارا کیس یہ ہے کہ ایک طرف پولیس جعلی لانگ ہینڈ نوٹ بنا رہی تھی، دوسری طرف مقدمہ کو لمبا کیا جا رہا تھا اور اس کے لئے گواہ کو کہا جا رہا تھا کہ وہ لمبی رخصت لے لے چنانچہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے اسے کہا کہ وہ وزیر آباد سے ہی واپس آجائے۔

س : وزیر آباد سے ٹکٹ کس نے لے دیا تھا ؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے مجھے خرید کر دیا تھا۔

س : کیا اس سے پہلے آپ کو یہ علم ہو چکا تھا کہ پولیس ایک طرف آپ کے وارنٹ حاصل کر چکی ہے اور دوسری طرف لانگ ہینڈ نوٹ تیار کر کے دستخط کرانا چاہتی ہے ؟

ج : جی ہاں مجھے یہ علم تھا۔

س : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے وزیر آباد میں جو ٹکٹ خرید کر دیا تھا کیا اسکا نمبر لیکر رکھا ہوا ہے؟

ج : جی ہاں ! اس کا نمبر میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر گواہ نے ٹکٹ کا نمبر پڑھ کر سنایا ۵۹۶۶ / ۸ جنوری ۴۹.۲۰

س : یہ نمبر کیوں رکھا ؟ ج : اس لئے کہ جب جاؤں تو غیر حاضری کے الزام میں حراست میں نہ لیا جاؤں۔ میرا گجرات جانے کا ارادہ تھا۔ مگر وزیر آباد میں مجھے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے واپس کر دیا

س : آپ کو پتہ تھا کہ ایک طرف آپ کو واپس بھیج رہے ہیں اور دوسرے آپ کو خیال تھا کہ غیر حاضر قرار دے کر کارروائی نہ کریں تو آپ نے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے تحریر کیوں نہ حاصل کر لی کہ آپ کو وہ واپس بھیج رہے ہیں ؟

ج : اگر میں تحریری حکم کے لئے کہتا تو مجھے ڈر تھا کہ بنتہ نہ ہو جائے۔

س : کیا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر سے آپ نے پوچھا تھا کہ چھٹی کے متعلق کیا کیا جائے ؟

ج : جی ہاں انہوں نے کہا کہ لاہور میں یا کسی اور جگہ جا کر جھوٹا سرٹیفکیٹ حاصل کر لو۔

جھوٹا سرٹیفکیٹ

س : کیوں میڈیکل سرٹیفکیٹ کے لئے کہا گیا ؟

ج : اس لئے کہ میں اپنی بیوی کی بیماری کے متعلق دو دفعہ تار بھیج چکا تھا۔ اگر پھر تار بھیجتا تو یہ سمجھا جاتا کہ بیوی لگاتار بیمار ہی رہتی ہے (قہقہہ) اسلئے انہوں نے ہدایت کی تھی کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ لکھ کر بھیجا جائے

س : کیا لاہور سے تم نے کوئی تار بھیجا ؟ ج : جی ہاں

س : سرٹیفکیٹ بھی ؟ ج : جی ہاں میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجا ہے۔

س : وہ جھوٹا تھا یا سچا تھا ؟ ج : غلط تھا

س : کیا خرچ ہوا ؟ ج : تین روپے (قہقہہ)

جسٹس رام لال : میرا خیال تھا کہ سوا سو روپے خرچ ہوئے ہوں گے (قہقہہ)

عبدالعزیز : مائی لارڈ ! آج کل ایسے ڈاکٹر بھی ہیں جو صرف آٹھ آنے میں سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں (قہقہہ)

س : ڈاکٹر کو کیا بیماری بتلائی ؟ ج : پیچش اور بخار

س : چیف جسٹس : سرٹیفکیٹ پولیس کو بھیج دیا تھا ؟

ج : جی ہاں ! بذریعہ ڈاک

س : پھر گیارہ جنوری کو کیوں گئے ؟

ج : اس لئے کہ میری غیر حاضری کی وجہ سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا کیس لمبا کیا جا رہا تھا۔

میاں عبدالعزیز : پولیس کو شبہ تھا کہ گواہ غلط رویہ اختیار کر رہا ہے اس لئے اس مقدمے کو لمبا کیا جائے تاکہ اسے دوبارہ *Win over* (ون اوور - قابو) کیا جائے۔

چیف جسٹس : یہ کوئی دلیل نہیں۔

میاں عبدالعزیز : جب آپ گیارہ جنوری کو گجرات میں گئے تو آپ کو پتہ ہو چکا تھا کہ پولیس آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

ج : جی ہاں ! ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ ۱۱ جنوری کو جب میں گجرات گیا تو کار سیدھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر کھڑی تھی تاکہ مجھے گرفتار نہ کیا جا سکے ۔

س : جب کمرے میں داخل ہوئے تو دیوان چمن لال موجود تھے ، کیا آپ نے ان کو یہ رقعہ اور استعفیٰ دیا ؟ ج : جی ہاں ۔

س : کیا اس دن عدالت میں وہاں میں بھی موجود تھا ؟

ج : جی ہاں ! ایک اور سوال پر گواہ نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ پولیس گرفتار کرے گی۔ اس لئے میں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ سب جیل میں جہاں کورٹ روم میں میرا بیان ہونا ہے مجھے حفاظت سے پہنچایا جائے تاکہ پولیس مجھے گرفتار نہ کرے۔ ہمارے ہمراہ سب جیل میں دیوان چمن لال اور میاں عبدالعزیز بھی گئے۔ اس میں تقریباً پانچ دس منٹ لگے ہوں گے ۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی جب مجھے بلایا گیا تو دیوان چمن لال نے وہ استعفیٰ جو میں نے انہیں دیا تھا عدالت کی موجودگی میں مجھے واپس کر دیا۔ جب میں نے استعفیٰ اور رقعہ دیوان چمن لال کو دیا تھا تو بھی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے ان کی موجودگی میں دیا تھا ۔

جس وقت وہاں میرا بیان ہوا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر اور سردار بھگت سنگھ مجسٹریٹ کے آنے سے پہلے بھی کورٹ روم میں موجود تھے ۔ سردار بھگت سنگھ سے اس وقت میری گفتگو نہیں ہوئی نہ ہی اس سے پہلے میں انہیں ملا ۔

س : کل آپ نے ایڈووکیٹ جنرل کے جواب میں کہا تھا کہ ۲۸۔ جون کو جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا لیکچر ہونا تھا ۔ مجھے ٹیلیفون پر بلایا گیا تھا ۔ کیا آپ نے اس وقت کوئی اندراج کیا تھا کہ میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے فون آنے پر جا رہا ہوں ؟

ج : جی ہاں میں نے سٹی پولیس کے روزنامچہ میں اندراج کیا تھا۔ میں نے یہ اندراج محرر کانسٹیبل سے کرایا۔ ساڑھے چار اور پانچ بجے شام کے درمیان ایک تقریر کے نوٹ لئے اور اس کے بعد رات کو ــــ دوسری تقریر کے بعد مجھے پتہ لگا کہ دوسرے دن ایک اور بھی جلسہ ہونا ہے اور اس کے نوٹ میں نے لینے ہیں

اس لئے میں وہاں ہی ٹھہر گیا اور لالہ موہنے سے واپسی پر ہی رپورٹ درج کرائی۔

س: آپ کو حکم تھا کہ گجرات میں واپسی پر فوراً ہی پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس جاؤ اور رپورٹ پیش کرو تو پھر ۲۹ کی شام کو یا ۳۰ کی صبح کو گجرات پہنچ کر آپ فوراً ہی ان کے پاس کیوں نہ گئے؟

ج: میں ۲۸ جون کی رات کو جاگتا رہا۔ نیز مجھے ہدایت تھی کہ راجا رام نائب محرر لالہ موسے کو ساتھ لانا، اس لئے میں گجرات پولیس سٹیشن پر اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ وقت پر نہ آیا۔ ایک اور سوال پر کہا کہ وہ دو بجے بعد دوپہر تک نہیں آیا تھا۔

س: آپ نے کہا تھا کہ جب تین چار بجے کے قریب آپ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر پہنچ گئے تو چھ سات گھنٹے لگے۔ اتنی دیر کیوں لگی؟

ج: اس لئے کہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر مجھے نئی ڈائری لکھاتے تھے، کبھی تھوڑا سا لکھا کر کاغذ کو دیکھتے تھے، غور کرتے اور لکھاتے۔ میں نے ان سے نہیں کہا کہ جلدی کی جائے۔

اعلیٰ افسران کے خفیہ راز

س: آپ سترہ روپے کے کانسٹیبل تھے، اس لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس کس طرح گوارا کرتے تھے کہ خفیہ چٹھیاں اور ان کے راز آپ بھی دیکھ سکیں؟

ج: خفیہ رجسٹر تو انسپکٹروں کو بھی نہیں دکھائے جاتے تھے ان پر بھی میرے اندراج ہیں۔

س: رجسٹر نمبر ۵ کیا ہے؟

ج: اس کے چار حصے ہیں، ایک حصے میں خفیہ ہدایات تھیں۔

جسٹس رام لال: یہ کوئی وجہ نہیں۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) لیکن آپ سترہ روپے کے کانسٹیبل تھے آپ پر اتنا اعتبار کیوں تھا؟

ج: سپرنٹنڈنٹ پولیس کے تمام اخراجات میرے ہاتھوں سے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ میں ان کے لئے پانچ پانچ چھ چھ سو کا کپڑا لاہور مال روڈ سے لے آتا تھا۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز! کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ٹھیک جواب ہے۔ کیا سپرنٹنڈنٹ پولیس سرکار کے خفیہ راز ایک کانسٹیبل کو بتا سکتا ہے ؟ میرے خیال میں یہ بہت کمزور جواب ہے ؟

میاں عبدالعزیز (گواہ سے) کیا یہی ایک وجہ تھی ؟

ج : اور بھی کئی وجوہات ہیں ، مجھے کاغذات اس لئے دکھائے جاتے تھے کہ اچھی طرح سے تسلی کر سکے ۔

چیف جسٹس : یہ ٹھیک جواب نہیں ، میں چاہتا ہوں کہ کوئی موزوں وجہ بتائی جائے ۔

چیف جسٹس : اگر ایک شخص کسی افسر کے گھر کی اشیاء لائے اس پر اتنا اعتبار کیا جا سکتا ہے ، کہ وہ خفیہ دستاویز دکھا دے ؟

مسٹر عبدالعزیز : آپ اس سے پوچھیں کیا کوئی اور وجہ بھی ہے ؟

چیف جسٹس : ہم بھی اپنے بیرے کی معرفت گھر کی اشیاء منگواتے رہتے ہیں ، اس کا مطلب یہ ہوا ، کہ ہم بھی اپنے بیرے کو اس طرح خفیہ دستاویز اور خفیہ راز بتا سکتے ہیں ۔ (قہقہہ)

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا اس کی کوئی اور وجہ بھی تھی ؟

ج : جی ہاں ! کچھ دنوں سے ان کے متعلق افواہیں پھیل رہی تھیں کہ وہ رشوت لیتا ہے اور تقریریں بھی ہوئیں ۔ میں ان کے نوٹ لیتا تھا جب میں نے انہیں جا کر دکھایا تو وہ اس وقت تو خاموش رہے لیکن بعد میں کہا کہ کوئی ایسا انتظام کرو جس سے میری ریپوٹیشن ٹھیک ہو جائے ۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی پیدائش کی تاریخ حلیہ اور اپنے کاموں کے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون بنا کر دیا ۔ میں نے گجرات کے ایک اخبار "آفتاب" میں بڑی خوشامد سے شائع کرایا ۔

بینڈ اور گولوں سے جلوس

اس کے بعد ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس چھٹی پر کشمیر گئے ، جاتی دفعہ مجھ سے کہہ گئے کہ واپسی پر میرے استقبال کا اہتمام کرنا ۔ استقبال کے لئے پبلک کا انتظام بھی کیا اور گولوں اور بینڈ کا بھی ۔ چنانچہ جب وہ واپس آئے

تو چوک میں اور بعد میں ان کی کوٹھی پر گولے چھوڑے گئے اور بینڈ بھی بجایا گیا۔ اس کے علاوہ میں وزیر آباد سے ہار لایا اور پبلک کے آدمیوں کو دئے کہ وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گلے میں ڈالیں۔ (قہقہہ)

بم یا گولے

اس مرحلے پر ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ جب میاں عبدالعزیز انگریزی میں جواب لکھوا رہے تھے تو انہوں نے گولے کی جگہ لفظ بم استعمال کیا۔ اس پر ایک قہقہہ اور بلند ہوا۔

س : سپرنٹنڈنٹ پولیس کب رخصت سے واپس آئے؟

ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ غالباً اگست کے اخیر یا ستمبر کے اوائل میں۔ ان کے استقبال پر جو اخراجات ہوئے ان کی فہرست میری نوٹ بک میں جو تھانہ میں میرے بکس میں پڑی ہوئی ہے موجود ہے۔ ادائگی انہوں نے ہی کی تھی، لیکن تفصیل میں نے لکھ لی تھی۔

س : یہ تو اگست یا ستمبر کی بات ہے، لیکن رجسٹر دیکھنے کا واقعہ جون کا ہے۔

ج : میں تو محض یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان پر میرا اعتبار تھا۔

جسٹس رام لال : لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ خفیہ رجسٹر ایک عام کانسٹیبل کو دکھائے جاتے تھے۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ : آخر کوئی نہ کوئی اعتماد میں لیا جاتا ہے۔

جسٹس رام لال : لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ محض رپورٹر ہونے سے اعتماد میں لیا گیا ہو۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز! آپ کوئی اور وجہ دریافت کریں۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ لوگ کہتے تھے تم ایس پی کو رشوت دلاتے ہو؟

جسٹس رام لال : یہ تو گواہ کے خلاف جائیگا۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز : آپ یہ سوال دریافت کریں کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے گواہ کو ہدایت کی تھی کہ اس کے لئے رشوت کا انتظام کرایا جایا کرے؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ : مجھے ایک دو سوال کرنے دیں۔

جسٹس رام لال : آپ ایسے سوال دریافت کریں جو Advisable

میاں عبدالعزیز : اگر آپ اجازت دیں تو دوسرا سوال دریافت کروں۔

چیف جسٹس : ہاں دریافت کریں۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا یہ درست ہے کہ تم مسٹر برار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کے لئے رشوت کا انتظام کرتے تھے؟

ج : جی ہاں۔

میاں عبدالعزیز : مسٹر برار کے خلاف پچھلے دنوں تحقیقات ہوئی اور کیا آپ کی موجودگی میں شہادتیں ہوئیں؟

چیف جسٹس : معاملہ عجیب ہے کہ اس شخص نے چھوٹے سے کیریر میں اتنا کام کیا (قہقہہ)

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ! کئی لوگوں کی خدمات ہی اسی لئے حاصل کی جاتی ہیں (قہقہہ)

مسٹر جسٹس رام لال : (گواہ سے) کیا ملازمت سے پہلے تم مسٹر برار کو جانتے تھے؟

ج : نہیں۔

جسٹس رام لال : ان سے پہلے کب ملاقات ہوئی؟

ج : جب وہ انبالہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے میں ۱۹۳۶ء میں انہیں ملا۔

جسٹس رام لال : کیا ملازمت میں شامل ہونے سے پہلے؟

ج : جی ہاں! میرے پاس میجر گلشیر خان کی سفارشی چٹھی تھی۔

جسٹس رام لال : کیا مسٹر برار نے گواہ کی کوئی امداد کی تھی؟

ج : نہیں۔ میں خود ملازم ہو گیا تھا۔

جسٹس رام لال : تو اس ملازمت میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا؟

ج : نہیں۔

جسٹس رام لال : انبالہ سے وہ کب تبدیل ہوئے؟

ج : ۱۹۳۸ء میں۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس وقت گجرات میں تھا لیکن کسی تھانہ میں تعینات نہیں تھا۔ "جنرل" میں تھا۔

جسٹس رام لال : جنرل ڈیوٹی میں تھے۔ تو ان سے ذاتی تعلقات کب قائم ہوئے؟

ج : جب انہوں رپورٹر کی ڈیوٹی پر لگایا اس دن سرکاری طور پر ملاقات ہوئی

س : کس مہینے میں ؟

ج : نومبر یا دسمبر ۱۹۳۶ء میں ۔

س : گجرات میں مسٹر برار کو ملازم ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی ؟

ج : تین چار ماہ ۔

س : مسٹر برار نے کب کہا کہ میرے لئے رشوت کا انتظام کرو ؟

ج : گجرات میں آنے کے آٹھ نو مہینے بعد ۔ یعنی میری ملازمت کے چار پانچ ماہ بعد غالباً اپریل میں ۔

جسٹس رام لال : کیا رشوت میں تمہارا بھی حصہ تھا ؟

ج : میں بتا سکتا ہوں بشرطیکہ مجھے پروٹیکشن دی جائے ۔

جسٹس رام لال : تمہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اس سوال کا جواب دو ۔ گواہ ہر بار پروٹیکشن مانگتا ہے ۔ ہو سکتا ہے یہ اس لئے کرتا ہو کہ جواب دینے کیلئے غور کر سکے ۔

لدھا رام : جی ہاں میرا بھی حصہ تھا ۔

چیف جسٹس : مسٹر عبدالعزیز گواہ سے دریافت کریں کہ کیا وہ مسٹر پریتم سنگھ برار سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کی کوئی اور بھی خدمت کرتا تھا ؟

لدھا رام : جی ہاں میں ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کی تعمیل کرتا تھا ۔

لدھا رام کی ضمانت کی توسیع

کارروائی ملتوی ہونے سے پہلے میاں عبدالعزیز وکیل صفائی نے کورٹ سے درخواست کی کہ چونکہ لدھا رام پر جرح ابھی ختم نہیں ہوئی اس لئے عارضی ضمانت کی توسیع کی جائے ۔ اس ضمانت کی میعاد آج ختم ہوتی تھی ۔ فاضل ججان نے یہ درخواست منظور کر لی اور کارروائی ملتوی کر دی گئی ۔

خفیہ رجسٹر کے پھاڑے ہوئے ورق

لاہور ۴ ر اپریل۔ ایک دن وقفے کے بعد آج پھر سید عطاء اللہ شاہ کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ آج لدھا رام کے علاوہ مسٹر این۔ ڈی۔ ٹی۔ اسٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات اور خان صاحب میاں عبدالحکیم پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعظم پنجاب کی شہادتیں ہوئیں۔ لدھا رام پر وکیل صفائی میاں عبدالعزیز کی جرح کے بعد مسٹر سلیم نے جوابی جرح کی، اس کی عارضی ضمانت میں مزید ایک دن کی توسیع کر دی گئی۔

میاں عبدالعزیز: (گواہ سے) دستاویز P.W ۲ (کاربن پیپر پر لانگ ہینڈ نوٹ بک) کو دیکھ کر بیان کریں، کہ کیا یہ ساری تحریر آپ کے قلم کی ہے؟

لدھا رام: نہیں یہ ساری تحریر میرے قلم کی نہیں۔

س: کہاں سے کہاں تک آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؟

ج: اس میں کئی حصے میرے ہاتھ کے ہیں اور کئی حصے راجہ خان محرر کانسٹیبل لالہ موسےٰ کے ہاتھ کے۔

جسٹس رام لال: جو حصے تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ان پر سرخ لکیر کا نشان کنارے پر کر دو۔

گواہ نے نشانات لگا دیئے۔

س: یہ دوسرے جو راجہ خان کے لکھے ہوئے ہیں یہ کہاں لکھے گئے؟

ج: ۳۰ر جون کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر میری موجودگی میں۔

جسٹس رام لال: کیا وجہ ہے کہ کچھ حصے تمہارے ہاتھ کے ہیں اور کچھ راجہ خان کے؟

ج: پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کی ہدایت کے مطابق راجہ خان لالہ موسےٰ سے گجرات گیا تھا اور چونکہ اس نے اس پر دستخط کرانے کے لئے گواہ لانے تھے، انسپکٹر نے سوچا کہ اسے بھی ملا لیا جائے تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔

جسٹس رام لال: میاں عبدالعزیز۔ تو مطلب یہ ہوا کہ راجہ خان سے اس لئے لکھائے گئے کہ وہ راز فاش نہ کر سکے۔

میاں عبدالعزیز: جی ہاں (گواہ سے) کیا آپ کے سامنے اصل پر ۲۰ جون کو کسی گواہ کے دستخط کرائے گئے؟

ج: نہیں میرے سامنے دستخط نہیں کرائے گئے

چیف جسٹس : تو اصل کا کیا بنا ؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ وہ جواب دے چکا ہے کہ وہ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کو دے چکا تھا ۔

سلیم : گواہ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ اس نے اصل واپس دے اور پھر لئے ۔

میاں عبدالعزیز : ۲۰ رجون کو اصل کی کاپی کہاں گئی ؟

ج : پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے پاس ۔

میاں عبدالعزیز : جو روزنامچہ ۲۴ دسمبر کا ہے اس میں سب انسپکٹر لالہ موسیٰ نے لکھا ہے ۔ کیا آپ اصل کاپی لے گئے؟

ج : جی ہاں میں اصل لے گیا ۔

س : اسے آپ نے کیا کیا ؟

ج : میں دو تقریروں کی کاپیاں لایا تھا ۔ ایک شہزادہ آزاد کی اور دوسری بخاری صاحب کی ۔ شہزادہ کی کاپی عدالت میں پیش کی گئی اور بخاری صاحب کی کاپی کے متعلق حکم دیا گیا ہے نقل کرنے کے بعد پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حوالے کی جائے ۔

س : کیا اصل کاپی پر چاروں گواہوں کے دستخط آپ کی موجودگی میں لئے گئے ؟

ج : مقبول حسین ہیڈ کانسٹیبل جو تین چار روز بعد آیا اس کے دستخط میرے سامنے ہوئے ۔ باقی دستخط جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں جعلی تھے ۔

س : اس کاپی کو پھر دیکھ کر بتائیں کہ سب انسپکٹر کے دستخط جو سب سے آخر میں ہیں آپ کے سامنے کئے گئے؟

ج : نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : آپ نے کہا تھا کہ جعلی نوٹ بناتے وقت کچھ حصہ سید بخاری کی تقریر کا شہزادہ آزاد کے نوٹوں میں ڈالا گیا ۔ اس دن آپ نے پورا بیان نہیں دیا ۔ آج میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیوں کیا گیا ؟

ج : اس لئے کہ اس تقریر کے کچھ حصے لے کر کچھ حصے اپنے پاس سے ملا کر دوسری تقریر میں ڈالے گئے ، اس طرح اسے مکمل کیا گیا ۔

چیف جسٹس : میاں عبدالعزیز یہ کوئی جواب نہیں ۔ آپ ایسا سوال پوچھیے کہ گواہ پورا جواب دے ۔

میاں عبدالعزیز : میرا سوال یہ ہے کہ ایک تقریر کے کچھ حصے نکال کر دوسری تقریر میں کیوں ڈالے گئے ؟

گواہ : اس کا جواب پراسیکیوٹنگ انسپکٹر ہی دے سکتے ہیں

چیف جسٹس : اس سے پوچھیئے کہ کیا وہ خود کوئی مطلب نہیں سمجھ سکا ؟

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں ، کہ کون سا فقرہ ایک تقریر سے نکال کر دوسری تقریر میں ڈالا گیا ؟

ج : اگر اس کے ساتھ شہزادہ کی تقریر ہوتی تو میں بتا سکتا تھا ۔

میاں : (گواہ سے) دستاویز ۱۷ کو اچھی طرح دیکھ کر بتائیں کہ اس پر گواہوں کے دستخط جو سید عطاء اللہ شاہ کی تقریر کے آخر میں ہیں یہ اصلی ہیں یا جعلی ؟

ج : مقبول حسین شاہ کے دستخط اپنے ہیں باقی کے دستخط بنائے گئے ہیں ۔

س : کب بنائے گئے ؟

ج : مقبول کے دستخط کرانے کے بعد بنائے گئے ۔

س : ان میں سے کوئی آپ کے ہاتھ کا بھی ہے ؟

ج : جی ہاں ردلدو سنگھ کے دستخط میرے ہاتھ کے ہیں ۔

چیف جسٹس : اس سے پوچھیئے کہ ردلدو سنگھ کے دستخط کیوں کئے ، جب کہ ردلدو سنگھ آکر دستخط کر سکتا تھا اس پر میاں عبدالعزیز نے بھی سوال کیا ۔

ج : میں پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے حکم کی تعمیل کرتا تھا ۔

چیف جسٹس : سوال یہ ہے کہ ردلدو سنگھ سے دستخط کیوں نہیں کرائے گئے ؟

ج : ردلدو سنگھ اس ڈائری پر دستخط کر چکا تھا جو جلائی جا چکی تھی ، اس لئے اس کے دستخط بنائے گئے تاکہ راز ظاہر نہ ہو ۔

چیف جسٹس : کیا پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے تم سے مشورہ لیا تھا ؟

ج : جی ہاں ، اس نے یہ کہا تھا کہ تم دستخط کر دو کہ قبل از وقت راز ظاہر نہ ہو ۔

جسٹس رام لال : آخر ر ولدو سنگھ کو بلانا ہی تھا، کیا اس وقت راز ظاہر نہ ہوتا؟

چیف جسٹس : میاں عبدالعزیز! آپ کا کیس ہے کہ پولیس جو چاہے گواہوں سے کرالیتی ہے، کیوں نہ رولدو سنگھ کے دستخط کرائے۔ اس سے تو ہم متاثر نہیں ہوئے؟

جسٹس رام لال : اگر آپ کے بیان کے مطابق پراسیکیوٹنگ انسپکٹر نے ڈائری بنائی تھی تو اسے اتنی سمجھ تو ضرور ہوگی؟

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ! میں یہ واضح کروں گا کہ یہ ڈائری اس وقت تیار کی گئی جب رولدو سنگھ حاضر نہیں تھا۔ اس قیاس خیال سے جعلی دستخط بنائے گئے کہ اگر واپس آگیا تو وہ تائید کر دے گا کہ یہ میرے ہی ہیں۔

جسٹس رام لال : مگر اسے لالہ موسیٰ سے بلایا جا سکتا تھا۔ آنے میں بیس پچیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔

میاں عبدالعزیز (گواہ سے) کیا یہ کاپی ۲۰ جون کے بعد بھی آپ کے ہاتھ میں آئی؟

ج : جی ہاں اکثر میرے ہاتھوں میں آئی۔

س : کیوں؟

ج : پختہ جواب مجھے یاد نہیں۔ شاید آتی رہی ہو۔

چیف جسٹس : میاں عبدالعزیز آپ جرح میں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

میاں : میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دستاویز بنائی گئی ہے۔

چیف جسٹس : مسٹر سلیم مانتے ہیں کہ یہ گواہ ناقابل اعتبار ہے پھر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

میاں عبدالعزیز : ان ہدایات کے متعلق جو اسے بھیجی گئیں۔

چیف جسٹس : آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گواہ ناقابل اعتبار ہے اور استغاثہ بھی یہی کہتا ہے پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

سلیم : مائی لارڈ! میرا کیس ہے کہ گواہ کا بیان درست ہے۔

چیف جسٹس : اس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ مسلمہ جعلساز دروغ باف اور ٹاؤٹ ہے۔ اگر یہ گواہ سچ بول رہا ہے تو میں نے سارے تجربے میں ایسا گواہ نہیں دیکھا (قہقہہ)

خفیہ رجسٹر کے صفحات

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسے ہدایات کی گئیں ۔

چیف جسٹس : مگر گواہ جس رجسٹر سے بیان کردہ ہدایات نقل کرنا بیان کرتا ہے' استغاثہ کا بیان ہے کہ ایسا کوئی رجسٹر ہی نہیں ۔

میاں عبدالعزیز : اس خفیہ رجسٹر کے کچھ صفحے اس کے پاس ہیں ۔

چیف جسٹس : ہاں یہ آپ بیشک ثابت کریں ۔

میاں عبدالعزیز : (گواہ سے) کیا آپ کے پاس خفیہ رجسٹر کے وہ صفحات جن پر سے آپ نے ہدایات نقل کیں' ہیں ؟

ج : جی ہاں ۔ یہ کہہ کر اس نے دو کاغذات جیب سے نکال کر پیش کئے ۔

چیف جسٹس : تو یہ خفیہ رجسٹر ہے ۔ (قہقہہ)

گواہ : نہیں جناب یہ دو ورقے ہیں ۔

میاں عبدالعزیز : مائی لارڈ میں یہ دریافت کرتا ہوں (گواہ سے) انہیں دیکھ کر بتاؤ کہ یہ سارے ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے ہیں یا دوسرے کے بھی ؟

ج : ایک ہی کے لکھے ہوئے ہیں ۔

س : اس کا نام کیا ہے ؟

ج : غلام حسین اسسٹنٹ سب انسپکٹر ریڈر سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات ۔

اسی دوران میں لدھارام پر جرح جاری رہی ۔ جسٹس رام لال نے پوچھا : کون ریڈر تھا جو تمہیں رجسٹر دکھاتا تھا ؟

ج : وہی غلام حسین ۔

س : کیا تمہیں پتہ ہے کہ کسی اور کانسٹیبل کو بھی رجسٹر دکھاتا تھا ؟

ج : نہیں مجھے علم نہیں ۔

س : تم نے کیا کہا تھا ؟ کہ ۲۹ جون کو لالہ موسیٰ میں کسی کانسٹیبل سے سُنا کہ ایک اور جلسہ لالہ موسے میں ہونے والا ہے ؟

ج : جی ہاں ۔

س : کیا تم کو بتایا گیا کہ اس جلسے میں کون تقریر کرے گا ؟

ج : نہیں ۔

س : کیا بتایا گیا تھا کہ کس قسم کا جلسہ ہو گا ؟

ج : کانگرس کا ۔

س : کیا بتایا گیا تھا کہ کس وقت اور کہاں ہو گا ؟

ج : مجھے بتایا گیا تھا کہ رات کو ہو گا ۔

س : کیا ۲۸ ر جون کی رات کو بتایا گیا تھا ؟ ج : جی ہاں ۔

س : تو پھر کس وقت معلوم ہوا کہ یہ جلسہ ملتوی ہو گیا ؟ ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں ۔

س : کیا اس دن جب آپ بیان پڑھ رہے تھے ، یہ کاغذات آپ کے پاس تھے ؟

ج : ہاں ۔

س : کہاں رکھے ہوئے تھے ؟ ج : اپنی جیب میں ۔

س : کیا ہمیشہ جیب میں رکھے ؟ ج : نہیں

س : کیا کبھی اس بکس میں رکھے جو لکڑی کے صندوق میں تھے ؟

ج : نہیں ۔

س : چیف جسٹس : جب تمہاری جیب میں نہیں ہوتے تھے تو کہاں رکھتے تھے ؟

ج : ڈبہ میں زمین میں دبا کر رکھ دیتا تھا ۔

س : کتنی دفعہ ڈبہ بنا کر زمین میں دبا کر رکھا ؟

س : کہاں دبا کر رکھتے تھے ؟ ج : سٹی تھانہ پولیس کے سامنے کماد کے کھیت میں ۔

س : کیا اب وہ جگہ آباد ہے اور لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے ؟

ج : گزرتے رہتے ہیں ۔

س : وہ بکس کہاں ہے ؟ ج : زنگ لگنے کی وجہ سے پھینک دیا گیا ۔

س : آخری بار اسے کب نکالا ؟

ج : جب میں ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو پراسیکیوٹنگ انسپکٹر کے مکان پر گیا ۔

س : تو اس کے بعد آپ نے ہمیشہ اپنی جیب میں رکھا ؟ ج : جی ہاں

س : کیا پرسوں جب آپ شہادت دینے کے لئے آئے تو یہ آپ کی جیب میں تھے ؟

س : آپ نے میاں عبدالعزیز کو کاغذات کے متعلق کب بتایا ؟

ج : جب میں اسی عدالت میں پیش ہونے کے پہلے دن پولیس کے زغے میں تھا ۔ میں نے ایک شخص سے کہا تھا کہ میاں عبدالعزیز کے ذریعے حضور سے درخواست کی جائے کہ پولیس گرفتار نہ کرے ۔

س : چیف جسٹس : کیا تم نے پولیس سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاری یا ان کے کسی رشتہ دار کو بتایا کہ یہ کاغذات تمہارے پاس ہیں ؟ ج : نہیں ۔

سلیم : جب آپ اے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں پیش ہوئے تو اور کاغذات کے ساتھ یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دئے ؟

ج : یہ کاغذات میں نے اپنے پاس بطور ثبوت رکھے ۔

س : چیف جسٹس : اس سے کہئے کہ اس سوال کا جواب دے ۔

سلیم : بتائیے کہ اس دن یہ کاغذات دیوان چمن لال کو کیوں نہیں دیئے ؟

ج : اپنے پاس بطور ثبوت رکھے ۔

س : کیا اس طرح سے ثبوت نہ ہو جاتا ؟

ج : نہیں یہ بار میں نے اپنے ذمہ لیا ۔

سلیم : جب رجسٹر سے یہ کاغذات نکالے تھے رجسٹر کہاں تھا ؟

ج : ریڈر کے قبضے میں ۔

س : کیا ریڈر سے مانگ کر لیا تھا ؟

ج : نہیں ایسے کاغذات مانگے سے کون دیتا ہے ؟ (قہقہہ)

سلیم : تو کیا اسے روپیہ پیسہ دیا ؟

ج : پولیس مقدمہ بنا لیتی ہے ۔

چیف جسٹس : مسٹر سلیم ! اس سے پوچھئے کہ کس طرح حاصل کئے ؟

ج : ریڈر میرا اعتبار کرتا تھا ۔ میں وہاں تین گھنٹے بیٹھا رہا جب موقع ملا کاغذات رجسٹر سے علیحدہ کر لئے

چیف جسٹس : مگر جب ریڈر کے پاس گئے تو رجسٹر کہاں تھا ؟ ج : الماری کے اندر

〃 〃 : کیا وہ استعمال کر رہا تھا ؟ ج : نہیں ۔

〃 〃 : الماری کو قفل لگا ہوا تھا ؟ ج : قفل تھا لیکن کھلا ہوا تھا ۔

سلیم : رجسٹر کو الماری سے کس نے نکالا ؟ ج : میں نے ۔

سلیم : کس کام کے لئے گئے تھے ؟

ج : عام طور پر جاتا رہتا تھا اور تین تین گھنٹے تک وہاں رہتا تھا ۔

س : تین تین گھنٹے تک کیا کرتے رہتے تھے ؟

ج : جب کوئی کام نہ ہو باتیں کرتا رہتا تھا ۔

چیف جسٹس : جب تم نے رجسٹر سے پھاڑ لئے تو کیا اس پر کوئی نشان باقی رہ گیا تھا ؟

ج : جی ہاں ۔

چیف جسٹس : کیا کسی نے تحقیقات کی کہ یہ کاغذ کس نے نکالے ؟

گواہ : سنا تھا کہ ایک سب انسپکٹر سی آئی ڈی تحقیقات کے لئے گیا تھا ۔

چیف جسٹس : اسی واقعہ کے لئے گیا تھا ؟ گواہ : علم نہیں ۔

چیف جسٹس : کیا کسی شخص نے تم سے بھی سوال کیا تھا ؟ گواہ : نہیں ، میں چھٹی پر چلا گیا تھا ۔

چیف جسٹس : ان کاغذات کو پھاڑنے کے کتنے عرصہ بعد چھٹی پر گئے ؟

ج : سولہ سترہ دن بعد ۔

چیف جسٹس : ریڈر کتنی دفعہ اس رجسٹر کو دیکھتا ہے ؟

ج : کبھی کبھی ۔ کیونکہ روزمرہ کے استعمال کا رجسٹر نہیں ۔

سلیم : جس بکس میں یہ کاغذات دفن کئے تھے وہ کیسا تھا ؟

گواہ : گول لمبا سا ٹین کا ڈبہ ۔

سلیم : پرسوں تم نے کہا تھا کہ عدالت میں آتے وقت تم نے گھڑی اور انگوٹھی اپنے دوست خواجہ کو دے دی تھی تو یہ کاغذات کیوں نہ دئے ؟

گواہ : میرا خیال تھا کہ شاید دوبارہ میرے ہاتھ نہ آسکیں ۔

چیف جسٹس : جب تم لے ڈی ایم گجرات کی عدالت میں شہادت کیلئے گئے تو کیا تمہیں یہ خطرہ نہیں تھا ؟

گواہ : مجھے پتہ تھا کہ پولیس مجھے گرفتار نہیں کرے گی ۔

سلیم : جب تم اس عدالت میں آئے تو تمہیں معلوم تھا کہ تمہارے وارنٹ جاری ہیں ؟

ج : جی ہاں پتہ تھا ۔

س : کیا تمہیں پتہ تھا کہ اگر تمہیں گرفتار کیا گیا تو جامہ تلاشی پر یہ کاغذات تم سے لے لئے جائیں گے ؟

ج : مجھے پتہ تھا کہ جب میں ہائی کورٹ کی حدود میں پہنچ جاؤں گا تو مجھے کوئی گرفتار نہیں کرے گا ۔

س : پھر یہ انگوٹھی اور گھڑی کیوں دی ؟

ج : ہجوم میں گم یا خراب ہونے کی وجہ سے ۔

س : پھر کاغذات کے چھن جانے کا ڈر نہیں تھا ؟

ج : میں نے انہیں بہت محفوظ رکھا ہوا تھا ۔

س : کیا سوموار کو وکیل صفائی کو آپ نے بتایا تھا کہ کاغذات آپ کے پاس ہیں ؟

ج : میں نے کسی سے کہا تھا کہ ان کو اطلاع پہنچا دی جائے ۔

س : یہ کب ہوا ؟ ج : سوموار صبح شہادت دینے سے پہلے ۔

س : اگر تمہاری ضمانت کا انتظام نہ ہوتا تو ان کاغذات کے متعلق تم نے کیا سوچا تھا ؟

ج : میرے والد آئے ہوئے تھے انہیں دے دیتا ۔

مسٹر سلیم : اس ریڈر کا کیا نام ہے ؟ ج : غلام حسین

س : جب تم نے یہ صفحے پھاڑے غلام حسین ہی ریڈر تھا ؟

ج : مجھے ٹھیک یاد نہیں ، غلام حسین یا بخشی ۔

چیف جسٹس : تم اتنی دیر وہاں باتیں کرتے رہے ، تو تمہیں معلوم نہیں کہ ریڈر کون تھا ؟

ج : میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا ۔

چیف جسٹس : ظاہر ہے کہ گواہ جھوٹ بول رہا ہے ، کیا آپ ریڈر سے کہا کرتے تھے کہ رجسٹر دکھا دو ، اور وہ دکھا دیا کرتے تھے ۔

ج : سپرنٹنڈنٹ کے حکم پر رجسٹر دکھا دیا کرتے تھے ۔

سلیم : کیا آپ نے احمد دین کے مقدمے میں اس تاریخ کے بعد شہادت دی جب آپ نے مجسٹریٹ کی عدالت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمے میں شہادت دی تھی ؟

ج : احمد دین کے مقدمہ میں شہادت اس سے پہلے دی ۔

سچی شہادت

سلیم : کوئی تاریخ یاد ہے کہ دسمبر میں شہادت دی تھی ؟ ج : مجھے یاد نہیں ، ۳ دسمبر کو چھٹی پر چلا گیا تھا

س : آپ نے اس مقدمہ میں سچی شہادت دی تھی ؟

ج : جب تک دیکھ نہ لوں نہیں بتا سکتا ۔

س : (گواہ سے) لانگ ہینڈ نوٹ کی دفعہ ۶۹ کو دیکھیں کہ یہ مضمون اسی مضمون کا حصہ ہے ، جو صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے ؟ ج : جی ہاں یہ مسلسل ہے ۔

س : کیا اس کو دیکھ کر بھی آپ اصرار کریں گے کہ یہ صفحے ۷۱ تا ۱۱۱ اس نوٹ بک سے نہیں لئے گئے ؟

ج : جی ہاں ۔ میں اب بھی اصرار کرتا ہوں ۔

س : یہ جو بکس جس کا ذکر آپ نے کیا کب زمین میں گاڑھا کرتے تھے ، صبح یا رات ۔

ج : جب کبھی موقعہ ملتا ۔

س : دن کو یا رات ۔ ج : کبھی صبح ، کبھی دوپہر ، کبھی شام ۔

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے اپنی جوابی جرح ختم کر لی ۔ آنریبل چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ کیا وہ بھی گواہ سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں ۔ میاں عبدالعزیز نے بھی نفی میں سر ہلا دیا ۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات کی شہادت

اس کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات مسٹر اسٹن کی شہادت ہوئی ۔ مسٹر اسٹن نے مسٹر سلیم کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ تھانہ میں خفیہ خط و کتابت کا ایک رجسٹر ہوتا ہے ۔ جس میں خطوط کے نفس مضمون کے متعلق حوالہ یا عنوان ہوتا ہے ۔ خطوط کی نقل اس میں درج نہیں کی جاتی ۔ یہ رجسٹر پولیس ہیڈ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے ۔ اگر کوئی انتہائی خفیہ دستاویز موصول ہو تو اس رجسٹر میں اس کا نمبر اور تاریخ درج کی جاتی ہے ، لیکن دستاویز کو علیحدہ رکھا جاتا ہے ۔

چیف جسٹس : کیا آپ کا کوئی ریڈر خفیہ خطوط کو دیکھتا ہے ؟

ج : اگر خفیہ ہو تو میں اپنے خفیہ بکس میں رکھتا ہوں ، ریڈر نہیں دیکھتا ۔ اس بکس کی چابی میرے پاس ہوتی ہے

چیف جسٹس : اگر کوئی خفیہ رجسٹر یا خط آپ کا ریڈر دیکھ لے تو وہ خفیہ رہ سکتا ہے ؟

ج : نہیں ۔

میاں عبدالعزیز کے سوالات

اس پر میاں عبدالعزیز نے فاضل جج صاحبان سے درخواست کی کہ انہیں گواہ سے کچھ سوالات پوچھنے کی اجازت دی جائے ، فاضل ججان نے اجازت دے دی ۔

میاں عبدالعزیز : آپ کب سے گجرات پولیس کے انچارج ہیں؟

ج : ۵ فروری ۱۹۴۰ء سے ۔

س : کیا اس سے پہلے کبھی گجرات میں تعینات ہوئے ؟ ج : نہیں

س : کیا آپ مسٹر پرار کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے ؟

ج : نہیں میاں عبدالقادر کے بعد ۔

س : کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسٹر پرار کے خلاف خفیہ تحقیقات ہوئی تھی ؟

ج : جی ہاں مجھے علم تھا ۔

س : کیا اسے معطل کیا گیا تھا ؟ ج : مجھے علم نہیں ۔

س : وہ کب گجرات سے رخصت پر گیا تھا ؟

ج : مجھے علم نہیں ۔ شاید اکتوبر یا نومبر کے آخر میں ۔

س : کیا آپ خفیہ رجسٹر پولیس کے قواعد کے متعلق رکھتے ہیں ؟

ج : ہمارے پاس دو رجسٹر ہوتے ہیں ایک خفیہ خطوط کے متعلق جس میں اپنے افسران وغیرہ کے خطوط کا حوالہ ہوتا ہے جنہیں عدالت میں پیش کیا جاتا ہے ۔ دوسرا انتہائی خفیہ ۔

س : کیا خفیہ خطوط جو اعلیٰ حکام سے آتے ہیں ، مثال کے طور پر انسپکٹر جنرل کیا ان کے خطوط کے نمبر اور مستقبل کے حوالہ کے لئے ان کا مختصر سا مضمون اسی خفیہ رجسٹر میں رکھا جاتا ہے ؟

ج : نہیں صرف نفس مضمون یعنی عنوان رکھا جاتا ہے ۔

س : یہ رجسٹر آپ کے آفس میں کلرک کے پاس ہوتا ہے یا ریڈر کے پاس ؟

ج : یہ رجسٹر میرے اپنے انگلش اسٹینو گرافر کے پاس ہوتا ہے ۔ ایک اور سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ خفیہ خطوط میرے پاس ایک علیحدہ کور میں ہوتے ہیں اور انہیں میں اپنے پاس رکھتا ہوں ۔

چیف جسٹس : گو ایسا اغلب نہیں ہے لیکن اگر آپ کو وزیر اعظم کی طرف سے خط ملے کہ کانگرس کی تقریر کے جعلی نوٹ بنا کر مقدمہ چلوایا جائے تو وہ خط کیا ہوگا ؟

ج : اگر ایسا خط آئے تو میں اسے انتہائی خفیہ سمجھوں گا۔ ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ ایسے خط کے متعلق میرے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ میری ساری عمر میں کوئی ایسا خفیہ خط نہیں آیا۔

س : کیا ایسے رجسٹر کے بکس کی چابی انگلش اسٹینوگرافر کے پاس ہوتی ہے ؟

ج : نہیں میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔

س : اگر آپ کبھی مصروف ہوں تو کیا آپ اپنے اسٹینوگرافر کو چابی دے کر کہیں گے کہ وہ رجسٹر نکال کر آپ کو دے ؟ ج : نہیں۔

س : کیا آپ غلام حسین سب انسپکٹر کے دستخط پہچان سکتے ہیں ؟ ج : نہیں

س : آپ کے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے متعلق کئی مختلف رنج ہیں ؟ ج : جی ہاں۔

س : کیا آپ جانتے ہیں کہ C.R.P پولیس میں استعمال کیا جاتا ہے ؟

ج : مجھے علم نہیں۔

س : اگر آپ کو کوئی خط آئے اور اس پر ہدایت ہو کہ اسے واپس کر دیا جائے تو آپ کیا کریں گے ؟

چیف جسٹس : مگر وہ تو کہہ چکا ہے کہ اس کے تجربہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔

لنچ کے بعد کی کارروائی شروع ہوئی۔ لدھا رام کو اس کا بیان سنایا جانے لگا تو جسٹس رام لال اکیلے ہی تھے، ایا پانچ منٹ کے بعد جب چیف جسٹس بھی تشریف لائے تو لدھا رام کو بیان سنایا گیا۔ یہ کارروائی پونے تین بجے تک جاری رہی۔

پرسنل اسسٹنٹ وزیراعظم کی شہادت

اس کے بعد خان صاحب عبدالحکیم پرسنل اسسٹنٹ وزیراعظم کی شہادت ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ میں اپریل ۱۹۳۳ء سے وزیراعظم پنجاب کا پرسنل اسسٹنٹ ہوں، ان تمام خطوط کا ریکارڈ رکھتا ہوں جو میں یا وزیراعظم پنجاب خود لکھتے ہیں۔ تمام خطوط کا ذکر اس رجسٹر میں ہوتا ہے

س : رجسٹر دیکھ کر بتائیں کہ ۲۹ر اپریل ۱۹۳۸ء کو وزیراعظم یا آپ نے مسٹر براسپرنٹنڈنٹ پولیس

گجرات کو خط لکھا ؟ ج : نہیں ۔

چیف جسٹس ، کیا ان تاریخوں کے نزدیک کسی تاریخ کو مسٹر بار کو کوئی خط آیا تھا ۔ ج ، نہیں

چیف جسٹس : وزیراعظم یا ان کی طرف سے جو خطوط لکھے جاتے ہیں کیا آپ انہیں اس رجسٹر میں درج کرتے ہیں ؟

ج ، جی ہاں ، ہمیشہ ۔

مسٹر منیر : یہ تین خط جن کی نقلیں آپ کے سامنے ہیں کبھی آپ کو ملے ؟

ج : نہیں مجھے نہیں ملے ۔

س : جو خط آپ وزیراعظم کے نام سے لکھتے ہیں ۔ ان پر نمبر ہوتے ہیں ! ج : نہیں

س : لفظ C.R.P کے متعلق آپ کو کوئی idia ہے ؟

اس مرحلہ پر میاں عبدالعزیز نے جرح کی ،

س : کیا اس رجسٹر کے اندراج آپ کے ہاتھ کے ہیں ؟ ج ، نہیں ۔

س : کیا اس رجسٹر میں آپ کے کہیں دستخط ہیں ؟ ج : نہیں ۔

س : آپ دیکھ رہے ہیں کہ رجسٹر کا ٹائیٹل اور کاغذ موٹا ہے ،

چیف جسٹس ، اس میں آپ کا کیا نکتہ ہے ؟

میاں عبدالعزیز : میرا خیال ہے یہ رجسٹر صرف اس مقدمے کے لئے تیار کیا گیا ۔

س : آپ یہ بتائیں کہ صفحہ اوّل پر جہاں آپ کے دستخط ہیں کاغذ موٹا ہے اور علیحدہ کوالٹی کا ہے ؟

ج : جی ہاں ۔

س : کیا آپ کو اس مقدمے کا علم ہے ، جب یہ گجرات میں شروع ہوا ؟ ج : مجھے یاد نہیں ۔

س : کیا اس مقدمے میں وزیراعظم نے یہ ہدایات ایڈووکیٹ جنرل کو کیں کہ مقدمہ ہائی کورٹ کو منتقل کیا جائے ؟

ج ، یہ تو ہم خود جانتے ہیں کہ مسٹر سلیم نے اکیمپ کی عدالت میں درخواست کی کہ مقدمہ ہائی کورٹ کو

منتقل کیا جائے ۔ پھر تفصیل اوقات کی کیا ضرورت ہے؟

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز! کیا آپ کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ رجسٹر بنایا گیا ہے یا آپ کو ہدایت دی گئی یہاں کسی کے خلاف کیچڑ اچھالنے نہیں دیا جائے گا؟

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ مجھے بتایا گیا ہے یہ بناوٹی ہے، میرا ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ کسی کے خلاف کیچڑ اچھالا جائے۔ اس مرحلے پر پرسنل اسسٹنٹ کی شہادت ختم ہو چکی تھی۔

مسٹر سلیم نے پوچھا: مسٹر عبدالعزیز کیا آپ چاہتے ہیں کہ رجسٹر عدالت میں رکھا جائے؟

میاں عبدالعزیز: خیال تو یہی ہے۔

چیف جسٹس: کیا آپ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ رجسٹر جعلی بنایا گیا ہے، آدمی پیش کریں گے؟

میاں عبدالعزیز: کروں گا۔

جسٹس رام لال: کیا اس کا نام آپ بتائیں گے؟

میاں عبدالعزیز: ہوسکتا ہے میں بتاؤں تو کوئی اسے کہہ دے اور وہ منکر ہو جائے۔

جسٹس رام لال: تو اس کا نام ایک کاغذ پر لکھ کر ہمیں بتا دیں۔ اس پر میاں عبدالعزیز نے ایک پہلے سے کاغذ پر لکھ کر فاضل ججان کو دیا۔ ججان نے پڑھا۔

چیف جسٹس: اس کی شکل کیسی ہے؟

میاں عبدالعزیز: مائی لارڈ! وہ پتلا دُبلا سا آدمی ہے اور اس کے ڈاڑھی ہے۔

چیف جسٹس: مگر اسے پیش ہونا چاہئے، اس کے نام کا پتہ ہونا چاہئے کیا آپ کی کمیٹی کے کسی عہدیدار کو پتہ ہے؟

میاں عبدالعزیز: عہدہ دار تو سب جیل میں ہیں۔ چوہدری افضل حق اور مولانا اظہر علی اظہر سے میں کل اس کا نام دریافت کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس مرحلے پر اجلاس کل تک ملتوی ہو گیا۔ لدھا رام کی عارضی ضمانت کی میعاد آج ختم تھی۔ چونکہ اسے کل پھر پیش ہونا ہے، اس لئے ضمانت میں مزید ایک دن کی توسیع کی گئی۔

مقدمۂ بخاری کا ڈراپ سین ہو گیا!

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو رہا کر دیا گیا

لدھا رام کو ناقابلِ اعتبار گواہ قرار دیا گیا،

ہائیکورٹ میں امیر شریعت زندہ باد اور لدھا رام زندہ باد کے نعرے

لاہور ۵ اپریل حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مشہور مقدمہ زیر دفعہ ۳۰۲ — ۱۱۷ - ۱۲۴ الف ۔ ۱۵۳ تعزیرات ہند کا جس نے کئی دنوں سے دلچسپی پیدا کر رکھی تھی ڈراپ سین ہو گیا ۔ جبکہ آج آنریبل چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لال پر مشتمل ایک ڈویژن بنچ نے استغاثہ کے چیف گواہ لدھا رام کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہوئے مولانا سید عطاء اللہ بخاری کو بری کر دیا

ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں ہوا ۔ مقدمہ کا فیصلہ سنتے ہی احاطہ عدالت میں ہجوم نے امیر شریعت زندہ باد اور لدھا رام زندہ باد کے نعرے لگائے ۔

ازاں بعد ہجوم نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو گھیر لیا ۔ پولیس نے بڑی مشکل سے ہجوم کو ہٹایا جس کے بعد پولیس لدھا رام کو لاری پر بٹھا کر جیل لے گئی ۔ شاہ صاحب کو ابھی رہا نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ وہ زیر دفعات ۱۲۴ - ۱۵۳ راولپنڈی کی ایک عدالت سے سیشن سپرد ہو چکے ہیں اور جس کی سماعت لاہور میں عنقریب ہونے والی ہے ۔

لدھا رام کی گرفتاری

استغاثہ کے چیف گواہ لدھا رام کو جسے فاضل ججان نے منحرف قرار دیا تھا ۔ اس کا بیان سنانے کے بعد

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر سعد اللہ خان اور چوہدری نبی لال مجسٹریٹ درجہ اوّل گجرات کے دستخطوں سے جاری شدہ وارنٹوں کی بنا پر گرفتار کیا گیا۔ لدھا رام نے فاضل ججان سے درخواست کی کہ اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔ البتہ فاضل ججان نے یہ درخواست منظور کر لی کہ گجرات میں بھیجنے سے پہلے لاہور جیل میں لدھا رام کا معائنہ کرایا جائے۔

لدھا رام کے خلاف دو الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ ایک یہ کہ گجرات میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہؤا اور دوسرا یہ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں ایک مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے نہیں گیا۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا بیان

اس کے بعد مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی شہادت ہوئی۔ تمام سوالات چیف جسٹس نے خود کئے!

س: کیا آپ نے ۲۸ جون کو لالہ موسیٰ میں کوئی تقریر کی؟

ج: جی ہاں!

س: کیا آپ نے اس تقریر میں کہا تھا کہ مسلمانوں کی سلطنت اب نہیں رہی مسلمانوں کو اب چاہئے کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں؟

ج: میں نے کہا تھا کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہی ہاتھ سے گئی۔ اب مسلمانوں کو آزادیٔ وطن میں حصہ لینا چاہئے۔

چیف جسٹس: کیا آپ نے کہا تھا کہ ہماری بیٹیوں کے نکاحوں کے متعلق فیصلے یہ شیطان فرنگی کرتے ہیں اور شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے؟

ج: ایسے غیر شریفانہ الفاظ میں نے اپنی زبان سے کبھی استعمال نہیں کئے۔ میں نے کہا تھا کہ وطن آزاد ہونے پر ہمارے مذہبی معاملات یعنی نکاح و طلاق وغیرہ کے فیصلے بھی غیر مسلمانوں کی بجائے ہمارے مذہبی نقطہ نگاہ

سے شریعت کے مطابق فیصل ہوں گے۔

چیف جسٹس، کیا آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ کئی مؤرخوں نے انگریزوں کی متعصبانہ چال میں آکر لکھ دیا کہ اورنگ زیب بارہ من جنیئو روزانہ اتروانا تھا۔

ج: چونکہ جلسہ کانگرس کا تھا اور میں کانگرس کے پلیٹ فارم سے بول رہا تھا تو ہندو مسلم اتحاد کے ضمن میں میں نے کہا تھا کہ بعض متعصبین نے غلط رنگ میں یہ بات مشہور کر دی کہ اورنگ زیب روزانہ بارہ من جنیئو جلایا کرتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو دہلی کے قرب وجوار میں ایک ہندو بھی نظر نہ آتا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور اب بھی ہے۔

چیف جسٹس، کیا آپ نے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں تو حکومت کا تختہ الٹ دوں اور ان انگریزوں کو ایسا دھکا دے کر باہر نکالوں کہ واپس نہ آسکیں؟

ج: میں نے اپنی زندگی میں بیا ور ایسے الفاظ کبھی استعمال نہیں کئے۔ ایک اور سوال کے جواب میں سید عطاء اللہ شاہ نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کر دو جس طرح یزید نے حسین کی فوج کو قتل کیا۔ میں پچھلے تیس سال سے عدم تشدد کا پرچار کر رہا ہوں۔ سنگو سے ڈھاکہ تک اور شملہ سے ملبئی تک کروڑوں آدمیوں میں میں نے عدم تشدد کا پرچار کیا۔ لاکھوں کو اپنا ساتھی بنایا۔ میں عدم تشدد کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہوں۔ اس قسم کے لغو الفاظ میں نے کبھی استعمال نہیں کئے اور نہ آئندہ زندگی میں کر سکتا ہوں۔ جہاں تک حسین اور یزید کا تعلق ہے۔ آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید کہا اور انگریزوں کو حسین۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔

چیف جسٹس: مسٹر عبدالعزیز! شاہ صاحب کا کیا مطلب ہے؟

میاں عبدالعزیز: ان کا مطلب یہ ہے کہ میں غیر اسلامی الفاظ کبھی استعمال نہیں کرتا، کیونکہ یہ الفاظ استعمال کر کے میں اپنے آپ کو یزید کہوں گا اور انگریزوں کو حسین۔ نہ ہی میں برداشت کر سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔

س: کیا آپ نے تقریر کے خاتمے پر کہا تھا کہ علامہ مشرقی گورنمنٹ کا دلّا اور ایجنٹ ہے۔

ج : میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میری تقریر کن فقروں پر ختم ہوئی ۔ لیکن علامہ مشرقی کی تحریک کی مخالفت کرتا رہا ہوں ۔ علامہ مشرقی کے متعلق ممکن ہے لیکن اچھی طرح یاد نہیں میں نے ایجنٹ کا لفظ استعمال کیا ہو نہ کہ وہ دوسرا لفظ ۔ میں تو اسے زبان سے بھی نہیں کہنا چاہتا ۔

جسٹس رام لال : اس کے سوائے کچھ اور کہنا چاہتے ہیں ؟

سید عطاء اللہ شاہ : نہیں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ۔

مسٹر سلیم : میری درخواست ہے کہ ملزم سے دریافت کیا جائے کہ اس کی باقی تقریر کے حصے جو ڈائری میں درج ہیں ان کی رپورٹنگ ٹھیک ہے اور وہ الفاظ جو ان الفاظ کے سوا ڈائری میں درج ہیں درست ہیں ؟

چیف جسٹس : مگر یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ ملزم کہہ دیگا کہ کچھ حصے میں نے کہے اور کچھ نہیں کہے ۔ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا ؟ ۔ اس پر چیف جسٹس نے میاں عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ کیا آپ ملزم سے کوئی سوال دریافت کرنا چاہتے ہیں ؟ فاضل جج صاحبان نے اجازت دے دی ۔

مسٹر سلیم : آپ نے کہا تھا کہ وہ کون تھا کافر ۔ غلام احمد ۔

میاں عبدالعزیز : مگر اس کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ۔

جسٹس رام لال : مسٹر عبدالعزیز ! آپ جانتے ہیں کہ لدھارام کی شہادت کی کیا وقعت ہے ؟ (قہقہہ)

اس پر مسٹر سلیم نے اپنا سوال بتایا ۔ جس پر چیف جسٹس نے شاہ صاحب سے یہ سوال پوچھا ۔ کیا آپ نے کہا تھا کہ وہ بھی کافر ہے جس نے انگریزوں کو پانچ صد گھڑ سواروں سے مدد دی تھی ۔ وہ کون ہے ؟ غلام احمد ۔ سوال یہ ہے یہ کوئی تاریخی واقعہ ہے ؟ میاں عبدالعزیز : نہیں مائی لارڈ ! یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں ۔

ج : میں نے ہزاروں مرتبہ غلام احمد کو کافر کہا ، کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا ۔ یہ میرا مذہب ہے ۔ باقی مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں میں درج ہے ، جس میں انہوں نے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین ان الفاظ میں دلایا تھا ۔ " ان کے دادا نے ۱۸۵۷ء میں پانچ سو سواروں سے گورنمنٹ کی مدد کی ۔ "

اس کے سوا میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔